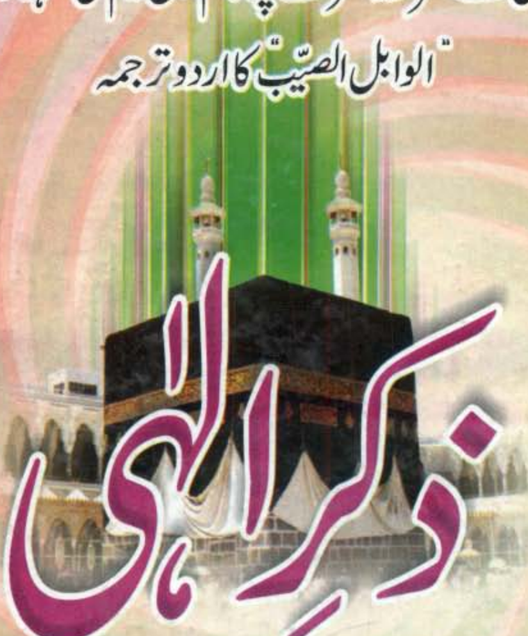
ذکرالٰہی کے اسرار و معرفت پر امام ابن قیمؒ کی شہکار کتاب

"الوابل الصیّب" کا اردو ترجمہ



ذکرِ الٰہی

شیخ الاسلام **امام ابن قیمؒ** رحمتہ اللہ علیہ

ترجمہ و تفہیم: مولانا مختار احمد ندوی حفظہ اللہ

نظر ثانی و مقدمہ: شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی حفظہ اللہ

طارق اکیڈمی فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذکرِ الٰہی

اللہ کے ذکر کی عظمت واہمیت، مقام ومرتبہ اور حقیقت ومعرفت کا بیش بہا خزانہ...... امام ابن قیمؒ

کی کتاب ''**الوابل الصیّب رافع الکلم الطیّب**'' کا اردو ترجمہ

شیطان کا نشیمن

جو لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہیں شیطان نے ان کو اپنا نشیمن بنا رکھا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ (الزخرف: ۳۶)

''جو شخص اس رحم کرنیوالے آقا کے ذکر سے اندھا ہو جاتا ہے، ہم اس پر شیطان مقرر کر دیتے ہیں اور شیطان ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔''

وہ اللہ جو ہمیں عدم سے وجود میں لایا اور جس نے بتدریج ہمیں حدِ کمال تک پہنچایا، وہ اللہ جو دن رات ہم پر جسمانی اور روحانی نوازشوں کی بارش کرتا ہے، ہم میں سے جو اس محسن اعظم کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اللہ کا قانون یہی ہے کہ اس احسان فراموش کی روحانی مناسبت شیاطین سے ہو جاتی ہے۔

ذکرِ الٰہی چونکہ شیطان کے حق میں بمباری سے کم نہیں، اسلئے وہ جس پر مسلط ہوتا ہے، پہلا کام وہ یہ کرتا ہے کہ اسے اللہ کے ذکر سے غافل کر دیتا ہے۔

﴿حقیقتِ ذکرِ الٰہی...... سید ابو بکر غزنویؒ﴾

وائس چانسلر بہاولپور یونیورسٹی

اللہ کا ذکر کائنات کی روح ہے...... اس روح کی حقیقت اور معرفت و اسرار
کا بیش بہا خزانہ اور بے قرار دلوں کی تسکین و راحت کا سامان

ذکر الٰہی

شیخ الاسلام امام ابن قیمؒ الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم، تحقیق، حواشی

شیخ الحدیث حافظ عبد العزیز علوی حفظہ اللہ

طارق اکیڈمی
ڈی گراؤنڈ (سوسہ چوک) فیصل آباد

بیمار روحوں کی دوا ذکر الٰہی ہے

● اہتمام .... محمد سرور طارق
● نقشِ اوّل .... رجب ۱۴۲۴ھ ستمبر 2003ء
● طباعت .... R.P.S پرنٹرز، لاہور

ناشر

TARIQ ACADEMY
D/Ground (samosa chok)
Faisalabad, PAKISTAN.
☎ 0092 41 546964, 715768 Fax:0092 41 733350
E-mail: tariqacademy1974@hotmail.com

ڈسٹری بیوٹر
دار السلام
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون 7120054 فیکس 7320703

فہرست

حسرت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں......

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیْسَ تَحَسُّرُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ اِلَّا عَلٰی سَاعَۃٍ مَرَّتْ بِھِمْ لَمْ یَذْکُرُوْا اللّٰہَ عَزَّوَ جَلَّ فِیْھَا

''اہل جنت کو اس ساعت کے سوا کسی چیز کا افسوس نہیں ہوگا جو ذکر الٰہی سے خالی گزر گئی۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

دوائے دل

دلوں کو تخلیق کرنے والے خالق نے اعلان فرمادیا کہ:

اَلا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب

''بے شک اللہ کا ذکر دلوں کے لئے سکون واطمینان کا باعث ہے''

دنیا پر حکمرانی کرنے والے بش جس کے بیڑوں اور ہتھیاروں کی ہیبت سے روئے زمین کا کوئی خطہ محفوظ نہیں وہ بھی اپنی ابلیسی پالیسیوں اور انسان دشمن حرکتوں کے خلاف اٹھنے والی آہوں اور نفرتوں کے سیلاب سے بے چین و بے قرار ہے......

دنیا کی مالدار ترین خاتون الزبتھ (ملکہ برطانیہ) بھی بدترین خاندانی بحران اور بے سکونی کا شکار ہے۔ یعنی انتہائی قوت و طاقت اور جاہ و جلال اور بے پناہ مال و دولت بھی دلوں کی دنیا کو آباد کرنے سے قاصر ہے اور جس کے دل کی دنیا برباد اور اجڑی ہوئی ہو وہ تمام تر نعمتوں کے باوجود بھی بدنصیب ہے۔

ذکر الٰہی اجڑی بستیوں اور بے قرار روحوں کے لئے متاعِ حیات اور اکسیر ہے۔

جب پیارے پیغمبر ﷺ کے ایک صحابی نے پوچھا کہ خیر و بھلائی کے بہت سے کام ہیں مجھے ایک ایسا عمل بتادیجئے جو ساری بھلائیوں کا خلاصہ ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْباً مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (ترمذی، ابن ماجه، مشکوٰة)

''ہمیشہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔''

ذرا تصور کیجئے کہ ذکر کی دولت جسے نصیب ہو جائے وہ کتنا خوش نصیب ہے۔ سید داؤد غزنویؒ فرمایا کرتے تھے:

''جب میں ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میں دنیا کا بادشاہ ہوں۔''

اللہ کریم کروڑوں اربوں رحمتیں فرمائے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور ان کے نامور شاگرد امام ابن قیمؒ پر جنہوں نے اسلامی علوم و معارف اور دین کے فلسفہ و معرفت کے وہ دریا بہائے کہ رہتی دنیا تک خلقت ان کے علم اور برکتوں سے فیض یاب ہوتی رہے گی۔ یہ کتاب امام ابن قیمؒ کی عظیم تصنیف ''الوابل الصیب'' کا ترجمہ ہے۔ جسے اردو قالب میں ڈھالنے کی سعادت ہندوستان کے نامور عالم دین مولانا مختار احمد ندوی کے حصہ میں آئی۔

طارق اکیڈمی علم و ادب کی خدمت سے سرشار اپنے بھائیوں کے دلوں کے گرد و غبار کو رحمت کے ان چھینٹوں کی بوئے عطر بیز سے معطر کرنے کے لئے اسے خوبصورت اور اعلیٰ معیار کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔

میں دل کی گہرائیوں سے قابلِ صد احترام شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالعزیز علوی حفظہ اللہ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے کمال شفقت سے مکمل کتاب پر نظر ثانی فرمائی اور مفید حواشی سے اس روحانی نسخۂ شفا کو کندن بنا دیا۔

برادر مکرم مولانا حافظ محمد خالد سیف حفظہ اللہ کے علمی نکات نے حسن و افادیت کو دو چند کر دیا...... محترم بھائی خالد اشرف اور عبداللطیف سرور صاحبان کے مشوروں اور تصحیح نے کتاب میں مزید نکھار پیدا کر دیا۔

آخر میں کتاب کے قارئین سے التجا ہے کہ ''ننھی فاطمہ'' کے لئے دعاء فرمائیں اللہ کریم اسے دنیا و آخرت کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے جس کی تیمارداری کے لمحات اس کتاب کے مطالعہ کا سبب بنے اور پھر دل میں ایسی اتری کہ جب تک دوسرے بھائیوں کے لئے شائع کرنے کا مرحلہ نہ آیا دل کو چین نصیب نہ ہوا۔

کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پڑھئے اور دل کی دنیا آباد کیجئے۔ آپ کو جس سے بھی محبت ہے اسے یہ گراں قدر تحفہ دیجئے اور یوں دلوں کو یاد الٰہی سے آباد کرنے کی عظیم نعمت حاصل کریں۔

خاکسار محمد سرور طارق (ڈائریکٹر)

طارق اکیڈمی

20 اگست 2003ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حافظ ابن قیمؒ (۶۹۱......۷۵۱ھ) کی عظیم الشان کتاب ''الوابل الصیّب و رافع الکلم الطیب '' یا ''الکلم الطیب و العمل الصالح '' کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

امام صاحب کے نزدیک ''ذکر'' کا معنی بہت وسیع ہے جس میں تمام دین آ جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے ذکر کی پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں۔

❶ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ذریعہ اس کی ثناء وتعریف اور تزکیہ وتقدیس بیان کرنا۔ یعنی ان کلمات کو زبان سے ادا کرنا جو اس کی تسبیح وتقدیس، توحید وتمجید اور اس کی عظمت وکبریائی پر دلالت کرتے ہیں۔

❷ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کا اقرار واعتراف کرنا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آوازیں سنتا ہے۔ ان کی حرکات دیکھتا ہے، ان کا کوئی پوشیدہ اور مخفی عمل اس سے اوجھل اور پوشیدہ نہیں ہے اور وہ انسانوں پر ان کے ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بندہ جب توبہ کرتا ہے تو وہ اس پر انتہائی خوش ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اس بندہ سے بھی زیادہ فرحت وانبساط کا اظہار فرماتا ہے جسے اس کی گمشدہ اونٹنی جس پر اس کا سامان زندگی تھا مل گئی اور اسے نئے سرے سے زندگی حاصل ہوگئی۔

❸ اس کے احکامات وتعلیمات یعنی اوامر ونواہی کا تذکرہ کرنا اور یہ بیان کرنا وہ کن چیزوں سے راضی ہوتا ہے اور کن سے خفا وناراض۔

۴ جب اس کے حکم وامر کا تذکرہ ہو تو فوراً اس کا امتثال کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا۔ اور جب کسی کام سے نہی اور روکنے کا تذکرہ ہو تو فوراً اس سے بھاگنا اور احتراز و اجتناب کرنا۔

۵ اس کی آلاء (نعمتوں) انعام و احسان اس کے ایادی (فضل و کرم) اور احسانات کا تذکرہ کرنا۔

ان پانچ اقسام کے ذکر کی اعلیٰ صورت یہ ہے کہ دل اور زبان قلب ولسان میں موافقت و یگانگت ہو۔ دوسرا درجہ یہ ہے، ان کا تذکرہ صرف قلب و دل سے ہو اور آخری درجہ یہ ہے کہ ذکر صرف زبان سے ہو۔

امام صاحب نے اپنی دوسری انتہائی بلند پایہ کتاب ''مدارج السالکین'' کی دوسری جلد میں ذکر اللہ کی عظمت واہمیت اور مقام ومرتبہ پر انتہائی بصیرت افروز اور روح پرور مضمون لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ذکر، ولایت کا منشور ہے جسے اس کی توفیق مل گئی اسے اللہ کا قرب واتصال نصیب ہو گیا اور جو اس سے محروم ہو گیا وہ اتصال سے محروم اور الگ رہا۔ یہ انسانوں کے قلوب کی غذا ہے، جب دل اس سے جدا ہوں گے، ان کے اجسام ان کی قبریں بن جائیں گے۔ ان کے مکانات کی آبادی صرف ذکر سے ہے۔ اس سے خالی ہونے کی صورت میں وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ ذکر ان کا وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ روحانیت کے راہزنوں سے جنگ لڑتے ہیں، وہ پانی ہے جس سے اپنے باطن کی حرارت وسوزش کو بجھاتے ہیں۔ ان کی بیماریوں کا علاج ہے جس کے بغیر وہ مرنے لگتے ہیں۔ یہ ان کو اللہ سے ملانے کا ذریعہ ہے۔ ان کے اور اللہ کے درمیان رابطہ وعلاقہ ہے۔ کیا خوب کہا گیا ہے۔

اذا مرضنا تداوینا بِذکرکم ۔۔۔ فنترک الذکر احیانا فتنتکس

''جب ہم بیمار پڑتے ہیں تو تمہاری یاد سے اپنا علاج کرتے ہیں، پھر جب کسی وقت یاد سے غافل ہو جاتے ہیں تو دوبارہ بیمار پڑھ جاتے ہیں۔ اس کے ذریعے وہ

آفات کا دفاع و مقابلہ کرتے ہیں۔ کربات وتکلیفات کو دور کرتے ہیں، مصائب کا جھیلنا ان کے لئے سہل ہو جاتا ہے۔ جب ان کو مصائب گھیر لیتے ہیں تو یہ ان کی پناہ گاہ ہوتا ہے، جب حوادثات کا شکار ہوتے ہیں تو یہ ان کی جائے پناہ ہوتا ہے، یہ ان کی جنت کا باغیچہ ہے جس میں وہ گھومتے پھرتے ہیں۔ حزین وغمگین دل کو یہ فرحت و مسرت بخشتا ہے، ان کی سعادت وخوش بختی کا اصل سرمایہ ہے جس سے وہ تجارت کرتے ہیں ۔ ذکر ذاکر کو مذکور (اللہ) تک پہنچاتا ہے، بلکہ ذاکر کے مذکور (یاد ہونے، تذکرہ ہونے) کا باعث بنتا ہے۔ یعنی اللہ کی بارگاہ میں اس کا تذکرہ ہوتا ہے، انسان کے ہر عضو اور جارحہ کی عبودیت و بندگی کا ایک مقررہ وقت ہے اور ذکر قلب ولسان کی عبودیت ہے۔ جس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ بلکہ حکم ہے کہ انسان اپنے محبوب ومعبود کو ہر حال میں کھڑے بیٹھے اور لیٹے یاد کرے جس طرح جنت چٹیل میدان ہے اور ذکر اس میں شجر کاری کا باعث ہے، دل بے آباد اور کھنڈر ہے ذکر اس کی تعمیر وتشکیل اور آبادی کا ذریعہ اور سبب ہے۔ یہ دلوں کی روشنی اور صقل (چمک دمک) ہے۔ علالت و بیماری کی دوا ہے۔ جیسے جیسے ذاکر ذکر میں مستغرق ہوتا جائے گا مذکور (اللہ جس کو ذاکر یاد کر رہا ہے) کو اس کی ملاقات کا اشتیاق بڑھتا جائے گا۔ جب ذکر میں دل اور زبان میں یگانگت وموافقت پیدا ہوگی۔ وہ ذکر کے مقابلہ میں ہر چیز کو بھول جائے گا اور اللہ اس کی ہر چیز کی حفاظت فرمائے گا اور ہر چیز کے عوض میں وہ اسے مل جائے گا۔ اس سے کانوں سے گرانی، زبانوں سے گونگا پن دور ہوتا ہے اور آنکھوں کی ظلمت وتاریکی چھٹ جاتی ہے۔ اس سے اللہ ذاکرین کی زبانوں کو زینت بخشتا ہے۔ دیکھنے والوں کی آنکھوں کو نور سے مزیّن فرماتا ہے۔ غافل زبان کی حیثیت اندھی آنکھ، بہرے کان اور ناکارہ وشل ہاتھ کی ہے۔ یہ اللہ کا عظیم ترین دروازہ ہے جو اس کے اور بندے کے درمیان کھلا ہے۔ بشرطیکہ بندہ اسے اپنی غفلت سے بند نہ کرے۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں...... تین چیزوں میں حلاوت وشیرینی تلاش کرو۔

① نماز...... ② ذکر...... ③ تلاوتِ قرآن۔

اگر مٹھاس مل جائے تو ٹھیک...... ورنہ جان لو کہ دروازہ بند ہے۔ ذکر کے ذریعہ شیطان کو چت کیا جاتا ہے۔ جس طرح شیطان اہلِ غفلت ونسیان کو چت گراتا ہے۔

بعض سلف کا قول ہے...... جب ذکر دل میں جگہ پکڑ لیتا ہے تو جب شیطان اس کے قریب آتا ہے تو وہ اسے پچھاڑ دیتا ہے۔ جب انسان اپنے قریب آنے والے شیطان کو پچھاڑ دیتا ہے تو شیاطین اس کے گرد جمع ہو کر پوچھتے ہیں کہ اس کو کیا ہوا؟ بتایا جاتا ہے اسے انسان نے مس کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ذکر اعمالِ صالحہ کی روح ہے۔ جب عمل ذکر سے خالی ہوگا تو وہ اس جسد کی طرح ہوگا جس میں روح نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں ذکر کی ترغیب وتحریص کے لئے دس اسلوب اختیار کئے گئے ہیں۔

① اس کا مطلق اور مقید دونوں طرح حکم دیا گیا ہے۔ مطلق انداز میں فرمایا......

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً...... (الاعراف: ۲۰۵)

''اپنے رب کا ذکر کرو اپنے جی میں گڑگڑا کر اور خوف کی کیفیت کے ساتھ''

جس کی دو صورتیں ہیں۔

(ا) پوشیدہ دل کے ساتھ۔ (ب) زبان سے اپنے آپ کو سنا کر۔

مقید (وقت کی قید) انداز میں فرمایا......

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا (الاحزاب: ۴۱)

''اے ایمان والو! اللہ کو بکثرت یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح

(پاکیزگی) بیان کرو۔ وہی ہے جو تم پر رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے تمہارے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور وہ مومنین پر بہت مہربان ہے۔''

② ذکر کی ضد غفلت اور نسیان سے منع فرمایا ہے۔ غفلت سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ (الاعراف:۲۰۵)

''نہ ہونا تم غفلت کرنے والوں میں سے''

نسیان سے منع کرتے ہوئے دوسری جگہ فرمایا:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ (حشر:۱۹)

''اور تم ان میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اس نے ان کو ان کے نفس بھلا دیئے (یعنی اپنا نفع ونقصان بھول گئے)۔

③ فلاح اور کامرانی کو اللہ کے ذکر کی کثرت اور اس پر دوام وہیشگی کے ساتھ مربوط ووابستہ کیا ہے۔ فرمایا:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الانفال:۴۵)

''اور کثرت کے ساتھ اللہ کو یاد کرو تاکہ تم فلاح وکامیابی حاصل کر سکو''

④ اہلِ ذکر کی تعریف کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے انہیں بخشش اور جنت حاصل ہوگی اور انہیں بہترین اجر سے نوازا جائے گا۔ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۵ کے آخر میں فرمایا:

وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا. (الاحزاب:۳۵)

''اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والے بندے اور بندیاں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (بہت بڑا ثواب) تیار کر

رکھا ہے۔"

⑤ جو لوگ اللہ کی یاد اور ذکر سے غافل رہیں گے ناکام اور نامراد رہیں گے۔فرمایا:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذَالِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ. (منافقون: ۹)

"اے ایمان والو! تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو لوگ اس غفلت میں مبتلا ہوں گے وہی گھاٹے اور نقصان میں رہیں گے۔

⑥ جو لوگ اللہ کو یاد رکھیں گے اللہ تعالیٰ اس کے صلہ اور بدلہ میں ان کو یاد رکھیں گے۔فرمایا:

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنَ○ (البقرۃ ۱۵۲)

"سو مجھے یاد رکھو! میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرے شکر گزار بنو میرے ناشکرے نہ بنو"

(بندے کی اس سے بڑی سعادت و خوش بختی کیا ہو سکتی ہے کہ اس پوری کائنات کا خالق و مالک منتظم و مدبر اس کو یاد رکھے۔)

⑦ اللہ کا ذکر ہر چیز کے مقابلہ میں عظمت و فوقیت رکھتا ہے۔اور وہ کائنات کی ہر چیز سے بلند و بالا ہے۔فرمایا:

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلَاۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ. (العنکبوت: ۴۵)

"اس کتاب کی تلاوت کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز کا اہتمام کیجئے بلاشبہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے۔"

''اللہ کا ذکر بزرگ تر ہے'' ......کے بارے میں چار اقوال ہیں۔

① اس کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے۔ سو وہ تمام اطاعتوں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ تمام اطاعتوں کا مقصد اللہ کے ذکر کا اہتمام و اقامت ہے۔ اس لئے وہ اطاعتوں کا سر (بھید) اور روح ہے۔

② جب تم اسے یاد کرو گے، وہ تمہیں یاد کرے گا۔ اس کا تمہیں یاد کرنا تمہارے اسے یاد کرنے سے عظیم تر ہے۔ اس صورت میں ذکر کی اضافت فاعل کی طرف ہے۔ جب کہ پہلی صورت میں مذکور (مفعول) کی طرف اضافت تھی۔

③ اللہ کا ذکر اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کے ساتھ فاحشہ اور منکر باقی رہ جائیں۔ ذکر مکمل ہو گا تو ہر لغزش اور معصیت کو مٹا دے گا۔ مفسرین نے یہی معنی لیا ہے۔

④ میں نے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ سے اس آیت کا یہ معنی سنا کہ نماز کے دو عظیم فائدے ہیں۔

(ا) نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

(ب) نماز اللہ کے ذکر پر مشتمل ہے اس کے اندر ذکر پایا جاتا ہے۔

اس کے اندر جو ذکر پایا جاتا ہے وہ اس کے بے حیائی اور برائی سے روکنے سے عظیم تر ہے۔

⑧ جس طرح ذکر سے اعمالِ صالحہ کا آغاز و افتتاح ہوا، ان کا خاتمہ اور اختتام بھی اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ نماز کے سلسلہ میں فرمایا:

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ (النسآء:۱۰۳)

''جب تم نماز ادا کر لو تو اس کا ذکر کرو، کھڑے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے۔''

جمعہ کے بارے میں فرمایا:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (الجمعة:۱۰)

''جب جمعہ کی نماز ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو اور اللہ کو خوب یاد کرو تا کہ تم کامیاب و کامران ہو سکو۔''

روزوں کے سلسلہ میں فرمایا:

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ...... (البقرة:۱۸۵)

''اور تا کہ تم مہینہ بھر کی گنتی پوری کر سکو اور جو اللہ نے ہدایت دی ہے اس پر اس کی کبریائی بیان کرو تا کہ تم شکر گزار بنو''

حج کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرة:۲۰۰)

''پھر جب تم اپنے مناسک (اعمالِ حج) سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کا ذکر کرو جیسے تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے۔ بلکہ اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑھ کر کرو۔''

ذکر کی اس اہمیت کے پیشِ نظر دنیوی زندگی کا خاتمہ اسی امر یعنی ذکر پر ہونا چاہئے اور جب بندے کی آخری بات ذکر ہوگا اللہ اسے جنت میں داخل فرما دے گا۔

⑨ ذاکر ہی اللہ تعالیٰ کی آیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور وہی دانش مند اور صاحبِ بصیرت انسان ہیں۔ (جس کا مفہوم یہ ہوا جو ذکر سے غافل ہیں وہ دانش و

بینش اور عقل سے محروم ہیں۔)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (ال عمران: ۱۹۰، ۱۹۱)

''یقیناً آسمان و زمین کی تخلیق میں اور رات دن کی آمد و رفت میں کھلی نشانیاں ہیں ان اربابِ عقل و دانش کے لئے جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔''

⑩ اللہ تعالیٰ نے تمام اعمال کے ساتھ ذکر کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کا مقصد اور روح ذکر اللہ کو قرار دیا ہے۔ نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ:۱۴)

''میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔''

بلکہ قرآن، رسول اور نماز تینوں کو ذکر سے تعبیر فرمایا ہے۔ قرآن کے بارے میں ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۹)

''یقیناً ذکر (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

رسول (ﷺ) کے بارے میں فرمایا:

''قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (الطلاق: ۱۰، ۱۱)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر اتارا ہے، ایک ایسا رسول جو

تمہیں اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے تاکہ ایمان لانے والوں اور عملِ صالح کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے''

اور نماز کے بارے میں فرمایا:

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا. فَاِذَآ اٰمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۝ (البقرة: ۲۳۹)

''اگر تم حالتِ خوف میں ہو (تو نماز ادا کرو) پیدل ہو یا سوار (جیسے ممکن ہو) اور جب حالتِ امن میسر آ جائے، اللہ کو یاد کرو (نماز پڑھو) جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے جسے تم پہلے نہ جانتے تھے''

اسے روزوں، حج اور اس کے مناسک کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بلکہ یہ حج کی روح اس کا لب (مغز) اور مقصد ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِاَقَامَةِ ذِكْرِاللّٰهِ (سنن ابی داؤد: ۱۸۸۸ باب فی الرمل)

''بیت اللہ کا طواف صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمرات کی رمی یہ سب چیزیں اللہ کے ذکر کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔''

جہاد کے سلسلہ میں مدِ مقابل کے مقابلہ میں آنے کے وقت اور دشمن سے دفاع اور تحفظ کے لئے ذکر اللہ کا حکم دیا۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (الانفال: ۴۵)

''اے ایمان والو! جب تمہاری مڈ بھیڑ ہو جائے، کسی دشمن فوج سے تو ثابت قدم رہو اور بکثرت اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم فلاح و کامرانی حاصل کر سکو۔''

ایک اور حدیث قدسی ہے:

اِنَّ عَبدِیْ کُلَّ عَبدِیْ اَلَّذِیْ یَذْکُرُنِیْ وَھُوَ مُلَاقٍ قِرْنَہٗ

''میرا بندہ مکمل بندہ وہ ہے جو اپنے حریف سے جنگ کرتے وقت بھی مجھے یاد کرتا ہے''

حافظ ابنِ تیمیہؒ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے اور میں نے ان سے یہ بھی سنا کہ محبت کرنے والے جنگ کی حالت میں اپنے محبوب کو یاد کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ جیسا کہ عنترہ کا شعر ہے:

ولقد ذکرتک والرماح کانّھا

أشطان بئرٍ فی لبان الادھم

''میں نے تجھے جنگ میں اس وقت یاد کیا جب کہ میرے نیزے سیاہ گھوڑے کے سینے میں، کنویں کی رسی کی طرح پیوست ہو چکے تھے۔'' (مراح کا معنی خوشی اور شادمانی ہوتا ہے، یہاں رماح کا مفہوم مراد ہے)

ایک اور شاعر کہتا ہے:

ذکرتک والخطیّ یخطر بیننا

وَقدنھلت منّا المثقّفةُ السُمُرٌ

میں نے تمہیں اس وقت یاد کیا جب کہ خطی نیزے ہمارے درمیان حرکت کر رہے تھے۔ جبکہ گندم گوں سیدھے نیزے ہمارا خون پی چکے تھے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

ولقد ذکرتک والرماح شواجر

تحوی وبیض الھند تقطر من دمی

''میں نے تجھے یاد کیا جب کہ نیزے سمٹ کر ایک دوسرے میں پیوست ہو چکے تھے۔ اور تیز تلوار سے میرا خون ٹپک رہا تھا۔''

اس قسم کے بہت اشعار ہیں جو قوی محبت کی دلیل ہیں۔ ایسی حالت میں محبوب کو یاد کرنا جب کہ انسان کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوں اس بات کی دلیل ہے کہ محبوب اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ **(مدارج السالکین: ۳۹۵ تا ۴۰۱ جلد ۲)**

قرآنِ مجید میں ذکر کی ترغیب و تحریص کے لئے اور بھی اسلوب اختیار کئے گئے ہیں۔ مثلاً:

❶ اللہ کو بھول جانا ہی اللہ کے نظر انداز کرنے کا باعث ہے۔ فرمایا:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (التوبة:٦٧)

''انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں بھلا دیا''

❷ دلوں کو طمانیت و تسکین، ذکرِ الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔ فرمایا:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:٢٨)

''یاد رکھو! دل اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوتے ہیں''

❸ ذکر سے غافل لوگ اطاعت کے لائق نہیں۔ فرمایا:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (الكهف:٢٨)

''اس کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے تجاوز کر گیا ہے''

❹ ذکر سے غفلت سے انسان شیطان کا رفیق بن جاتا ہے۔ فرمایا

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (زخرف:٣٦)

''جو شخص رحمٰن کے ذکر سے آنکھیں بند کرتا ہے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔''

❺ جو انسان ذکر سے اعراض کرتا ہے وہ دنیوی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا:

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

ذَالِکَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (النجم:۲۹،۳۰)

''جو شخص ہماری یاد سے منہ موڑتا ہے اور دنیا کی زندگی کے سوا کچھ اور نہیں چاہتا، آپ اس سے اعراض کیجئے! ان کے علم کی پرواز یہی ہے۔''

۶ شیطان کے تسلط کے سبب، انسان اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، فرمایا:

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَاَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ، اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ۝ (المجادلہ:۱۹)

''شیطان ان پر مسلط ہو گیا ہے جس نے انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کی پارٹی ہیں، خبردار شیطان کی پارٹی ہی کے لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں''

۷ اللہ کا ذکر بصیرت افروز اور چشم کشا ہے اور استغفار پر آمادہ کرتا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف:۲۰۱)

''بلاشبہ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، جب انہیں کوئی شیطانی وسوسہ چھو جاتا ہے، اللہ کو یاد کرتے ہیں اور فوراً صحیح صورتِ حال دیکھنے لگتے ہیں''

دوسری جگہ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (آلِ عمران:۱۳۵)

''ایسے لوگوں سے جب کوئی برا کام سرزد ہو جاتا ہے یا وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں۔''

۸ قربانی کا مقصد اللہ کا ذکر ہے۔ فرمایا:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ،

بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ (الحج:۳۴)

''ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے تاکہ جو جانور ہم نے انہیں عطا کئے ہیں، ان پر وہ اللہ کا نام لیں۔''

۹ کسی قسم کی مصروفیت و مشغولیت اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے۔ فرمایا:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور:۳۷)

''ایسے مردِ میدان ہیں کہ انہیں تجارت و سوداگری اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی''

۱۰ اللہ کے ذکر سے قسوۃ (سختی و شدت) ہلاکت و تباہی کا باعث ہے۔ فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝

(الزمر:۲۲)

''ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہیں، یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (الحدید:۱۶)

''کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کے لئے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر سے اور جو حق نازل ہوا ہے، اس سے ان کے دل پسیج جائیں۔''

اس طرح قرانِ مجید میں ذکر الٰہی کی ترغیب و تاکید کے لئے مختلف گوں ناگوں اسلوب اختیار کئے گئے ہیں اور احادیث مبارکہ میں بھی اس کی ترغیب کے لئے متنوع تعبیرات اختیار کی گئی ہیں۔ مثلاً بخاری اور مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں:

مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔

''اس شخص کی مثال جو اللہ کو یاد کرتا ہے، زندہ انسانوں کی طرح اور جو اس کو یاد نہیں کرتا وہ مردہ کے حکم میں ہے''

صحیح مسلم میں ہے:

مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِیْ يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ وَالْبَيْتِ الَّذِیْ لَايُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۝

''جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ زندہ انسانوں کا گھر ہے اور جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا وہ مردہ شخص کا گھر ہے''

گویا ذاکر کا دل اس زندہ انسان کی طرح ہے جو زندہ لوگوں کے گھروں میں ہے اور اللہ کے ذکر سے غافل اس مردہ کی طرح ہے جو مردہ لوگوں کے گھروں میں ہے۔ بلا شبہ غافلوں کے اجسام ان کے دلوں کی قبریں ہیں اور ان کے دل ان میں مردوں کی طرح ہیں جو قبروں میں ہیں۔

ایک شاعر کہتا ہے:

فنسیان ذکر اللّٰہ موت قلوبھم

واجسامھم قبل القبور قبور

''اللہ کے ذکر کو بھول جانا ان کے دلوں کی موت ہے اور ان کے اجسام قبروں سے پہلے ہی قبریں بن چکے ہیں''

وَارواحھم فی وحشة من جسومھم

ولیس لھم حتی النشور نشور

''اور ان کی روحیں ان کے جسم سے وحشت زدہ ہیں اور ان کے لئے زندہ کر کے اٹھائے جانے کے دن سے پہلے زندہ ہونا ممکن نہیں''

ایک اور شاعر کہتا ہے:

فنسیان ذکر اللہ موت قلوبھم

واجسامهم فهي القبور الدوارس

''اللہ کے ذکر کو بھول جانا، ان کے دلوں کی موت ہے اوران کے بدن وہ مٹی ہوئی بوسیدہ قبریں ہیں۔''

وارواحهم في وحشة من حبيبهم ولكنها عند الخبيث اوانس

''اوران کے روح اپنے محبوب سے وحشت زدہ ہیں۔لیکن خبیث شیطان کے نزدیک مانوس محبوب ہیں۔''

ایک حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِذَاكَانَ الْغَالِبُ عَلٰى عَبْدِىْ ذِكْرِىْ اَحَبَّنِىْ وَاَحْبَبْتُهٗ

''جب میرا بندہ عام طور پر مجھے یادرکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔''

اور حدیث قدسی ہے:

ابن آدم ماانصفتني اذكرك وَتَنسانى وَادعوك وَتقربُ اِلٰى غَيرِى؟ واُذهبُ عَنكَ البلايا و اَنت معتكف على الخطايا؟ يا ابن آدم ماتقول غدا اِذَا لقيتني؟

''اے انسان تو میرے ساتھ انصاف نہیں کرتا! میں تجھے یادرکھتا ہوں اور تو مجھے بھلادیتا ہے، میں تجھے بلاتا ہوں اور تو میرے غیر کی طرف بھاگتا ہے۔ میں تجھ سے مصائب دور کرتا ہوں اور تو گناہوں پر جمتا ہے،اے انسان کل جب تو مجھے ملے گا تو کیا جواب دے گا؟''[1]

ذکر کی اسی اہمیت اور شان ومقام کی بنا پرامام صاحب نے ذکر کا مفہوم، اس کا مقصد اوراس کے ستر سے زائد فوائد احادیث وآیات کی روشنی میں بیان فرمائے ہیں اوراس کے ضمن میں دین کے بہت سارے حقائق ومعارف بیان فرمائے ہیں۔ جو

---

[1] مدارج السالکین: ص ۴۰۱، ۴۰۲، ج ۲۔

قابلِ دید ہیں۔ چونکہ ذکر الٰہی ہر لحظہ، ہر گھڑی انسانوں کے سانس کی طرح مطلوب ہے، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں زندگی میں جتنے موڑ آتے ہیں ہر موڑ اور ہر کام کے لئے اذکار بیان فرمائے ہیں۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے جسے ہر وقت دل پر نقش رکھنا چاہئے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے تو وہ خود اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اسے یاد نہیں رہتا ہے کہ وہ دنیا میں کیوں آیا ہے۔ اس کا مقصد حیات کیا ہے۔ اس کو دنیا میں کس نے وجود اور زندگی بخشی ہے اور زندگی گزارنے کے اسباب و وسائل مہیا کئے ہیں۔ اس دنیا کی چند روزہ حیات کے بعد اس نے کہاں اور کس کے پاس جانا ہے اور کیوں جانا ہے۔ دنیا میں عطا کردہ تمام نعمتوں کے بارے میں اس سے سوال ہونا ہے۔

''**طارق اکیڈمی**'' کے باہمت، باصلاحیت اور دینی جذبہ سے سرشار مدیر جناب محمد سرور طارق حفظہ اللہ نے لوگوں کے اندر دینی جذبہ کی نشوونما کے لئے بڑی بلند پایہ اور ثقہ و قابلِ اعتماد ائمہ کی کتابوں کو بڑے دیدہ زیب اور حسین انداز میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ **طارق اکیڈمی** کے نگران مولانا محمد خالد سیف کا علمی مقام و مرتبہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ موصوف عرصۂ دراز سے بطور ریسرچ اسکالر ''اسلامی نظریاتی کونسل'' میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ کتاب بھی **طارق اکیڈمی** کے کاروانِ علم و ادب کی ایک سنہری کڑی ہے۔ جو آفتابِ آمد، دلیل آفتاب کے مصداق اپنے بلند پایہ مصنف کے سبب کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم و عمل، زندگی اور کاروبار میں برکت عطا فرمائے تاکہ وہ ایسے انمول تحفے قارئین کے سامنے پیش کرتے رہیں۔ (آمین)

عبدالعزیز علوی
شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد

ذوالقعدہ ۱۴۲۳ھ بمطابق جنوری ۲۰۰۳ء



وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

حضرت انسان اللہ تعالیٰ کے گونا گوں اور بے شمار ظاہری و باطنی احسانات وانعامات کا ہر وقت اور ہر ساعت ممنون احسان ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ اللہ عزوجل کے انعامات پر شکر بجالائے۔ امتحان وابتلائے مصائب میں صبر کرے اور گناہ سرزد ہونے پر توبہ واستغفار کرے اوران پر پوری قوت اور استقلال سے قائم ودائم رہے۔ کیونکہ یہی تین چیزیں ہیں جو دنیا وآخرت میں انسان کے لئے سعادت کا پیش خیمہ اور فلاح وکامیابی کی ضامن ہیں اور جن سے انسان کو کسی وقت بھی بے نیازی نہیں۔

جب بھی دیکھا جائے اللہ تعالیٰ کے فیضان رحمت ونعمت کی بارش انسان پر موسلا دھار بارش کی طرح پے درپے برس رہی ہے جسے قائم ودائم اور جاری رکھنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے ''شکر خداوندی۔''

❶ شکر

شکر کے تین ارکان ہیں یعنی اِس کی ادائیگی تین باتوں پر مبنی ہے۔

اوّل: دل میں اعتراف نعمت۔

دوم: زبان سے انعامات خداوندی کا تذکرہ یعنی تحدیث نعمت۔

سوم: منعم حقیقی کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اسی کے حسب مرضی ومنشا شکر بجالانا اور اس میں اپنی طرف سے کسی قسم کا تصرف اور کمی بیشی نہ کرنا اور ان شرائط کے مطابق شکر بجالائے تو گویا اس نے حق نعمت ادا کر دیا اور شکر بجالایا اگرچہ اس کے بعد بھی کما حقہ ادا کرنے سے انسان قاصر ہی رہے گا۔

❷ ارکان صبر

علیٰ ہذا القیاس بعض دفعہ بارگاہِ الٰہی سے انسان کی آزمائش اور امتحان لینا مقصود ہوتا ہے جس کے پیش نظر وہ مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے ایسی صورت میں انسان کا فرض ہے کہ کسی قسم کی گھبراہٹ کے بغیر اس پر پورا پورا صبر کرے۔

صبر کے بھی تین ارکان ہیں۔ حبسِ نفس، حبسِ لسان، حبسِ جوارح یعنی نفس کو تقدیر پر ناراض ہونے سے، زبان کو شکوہ کرنے سے اور اعضا و جوارح کو بے صبری و معصیت کے کاموں مثلاً سینہ کوبی، سر پیٹنے، گریبان پھاڑنے اور بال نوچنے وغیرہ سے روکنے کا نام صبر ہے اور یہی وہ تین باتیں ہیں جن پر صبر کا دارومدار ہے۔ اگر پوری قوت سے انسان کما حقہ انہیں بجالائے تو یہ تمام مشکلیں اس کے حق میں آسانیاں بن جاتی ہیں، وہ مصائب کو انعامات خداوندی تصور کرتا ہے اور ہر تکلیف دہ چیز اس کے لئے مرغوب طبع اور فرحت انگیز ثابت ہوتی ہے اس لئے وہ تمام مصیبتوں کو پورے انشراحِ صدر سے جھیل جاتا ہے کیونکہ اسے پورا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے خواہ مخواہ بے وجہ تنگ نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس سے اس کے انقیاد و عبودیت اور صبر کا امتحان لینا مقصود ہے۔ جس طرح امن و خوشحالی میں اس پر عبادتِ خداوندی کا حق عائد ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح تنگدستی و بدحالی میں بھی عائد ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جس طرح مکروہات میں ہوتا ہے۔ اسی طرح محبوبات میں بھی ہوتا ہے، اکثر لوگ امن و خوشحالی میں عبادت گذار بن جاتے ہیں لیکن مصائب و مشکلات میں ترک کر دیتے ہیں حالانکہ زمانۂ مصائب و مشکلات کی عبادت کارے دارد۔

آرام و تکلیف کی عبادات میں فرقِ مراتب

تو اس لحاظ سے انسان بھی مختلف المراتب اور مختلف المدارج ہیں اور اسی تناسب سے اللہ کے ہاں ان کی قدر و منزلت ہوگی۔

دیکھئے! شدت کی گرمی میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا عبادت ہے۔ اپنی خوبصورت اور چہیتی بیوی سے مباشرت کرنا بھی عبادت ہے۔ اہل وعیال اور بیوی بچوں اور اپنے نفس پر خرچ کرنا بھی عبادت ہے۔ اس کے بالمقابل شدت کی سردی میں سرد پانی سے وضو کرنا بھی عبادت ہے۔ اسی طرح کسی معصیت (زنا وغیرہ) کو ترک کرنا جب کہ نفس اس کے لئے از حد بیتاب ہو۔ مزید یہ کہ نہ کسی کا ڈر ہو نہ ہی کوئی دیکھ رہا ہو تو یہ بھی عبادت ہے اور قحط سالی اور تنگدستی میں خرچ کرنا بھی عبادت ہے لیکن ان دونوں قسم کی عبادات میں بڑا اور نمایاں فرق ہے۔

اللہ ہی کافی ہے

تو جو شخص تنگی وخوشحالی، آرام وتکلیف دونوں حالتوں میں عبادت خداوندی و اطاعت الٰہی کو کما حقہ بجالائے۔ تو ایسے شخص کے تمام معاملات اور کاروبار کا خود اللہ عزوجل کافی وکارساز ہو جاتا ہے۔ اور آیت ذیل کا مصداق بن جاتا ہے کہ:

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (الزمر: ۳۹)

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟

(ایک * قراءت میں عِبَادَہ' بصورتِ جمع بھی ہے۔ لیکن اس میں کچھ فرق نہیں کیونکہ یہاں مفرد بصورتِ مضاف ہے' جو جمع کی طرح عموم کا فائدہ دیتا ہے)

غرضیکہ عبودیتِ تامہ ہوگی تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے کفایت بھی تامہ ہوگی' عبودیت ناقص ہوگی تو کفایت بھی ناقص ہوگی۔ لہٰذا اگر کسی کو فائدہ حاصل ہو تو اسے اللہ کی حمد کرنا چاہئے۔ اگر نقصان ہو تو اپنے ہی نفس کو ملامت کرنی چاہئے۔

---

* ابن جریر فرماتے ہیں' کہ لفظ عَبْدَہ' میں قراء کا اختلاف ہے۔ مدینہ طیبہ کے قراء اور کوفہ کے عام قاری عِبَادَہٗ بصورتِ جمع پڑھتے ہیں' اس صورت میں اسکا مطلب یہ ہوگا کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں آنحضرت اور آپ سے سابق انبیاء کو کافی نہیں؟ کہ بت پرستوں کے اس خطرہ دلانے سے کہ ان کے معبودان باطلہ گزند پہنچائیں گے جملہ انبیاء کو محفوظ ومصئون رکھے اور مدینہ وبصرہ

یہی وہ اللہ کے برگزیدہ لوگ ہیں جن پر شیطان کا دام کم چلتا ہے اور وہ ان پر غالب نہیں آ سکتا جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

"اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ" (الحجر:۴۲)

"میرے بندوں پر تجھے کبھی غلبہ نہیں ہوگا۔"

اور ابلیس بھی بخوبی جانتا ہے، کہ اللہ عزوجل اپنے مخلص بندوں کو اس کے ہتھکنڈوں میں نہیں آنے دیتا اور نہ ہی ان پر مسلط ہونے دیتا ہے' کیونکہ قرآنِ حکیم میں اس کا اعتراف موجود ہے:

"فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔" (صٓ:۸۲)

"تیری عزت وجلال کی قسم تیرے مخلص بندوں کے سوا میں سب کو گمراہ کر ڈالوں گا۔"

اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَا کَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطَانٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِیْ شَکٍّ۔" (سبا:۲۱)

"ابلیس نے بندوں کے متعلق اپنے تخمینہ کو سچ کر دکھلایا، کہ تھوڑے سے ایمانداروں کے علاوہ تمام لوگ اس کے پیرو بن گئے۔ شیطان کو ان پر زور نہ تھا مگر ہمیں معلوم کرنا تھا کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کسے اس میں شبہ ہے۔" تو اللہ عزّ وجل نے اپنے دشمن کو اپنے مومن بندوں پر کبھی غلبہ نہیں دیا کیونکہ وہ اس کی حفاظت ونگہبانی اور یادداشت میں ہیں۔

(بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) کے عام قراء اور کوفہ کے بعض قاری عَبْدَہٗ پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے محمد ﷺ کو توحید پر جمے رہنے میں کافی نہیں؟

شیطانی ہتھکنڈے

البتہ جس طرح ایک عقلمند اور ہوشیار آدمی کو عقلمندی وہوشیاری کے باوجود ایک چور داؤ لگا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک مخلص مومن بھی شیطان کا داؤ کھا جاتا ہے اور اتنا سا داؤ تو وہ ضرور لگا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان سراسر شہوت وغفلت اور غضب کا پتلا ہے اور یہی تین چیزیں اس کے چور دروازے ہیں۔ جن سے وہ موقعہ پا کر انسان کو داؤ لگاتا ہے۔ انسان جس قدر بھی اپنا بچاؤ اور حفاظت کرے۔ آخر وہ کتنی حفاظت کرلے گا اس کے خمیر میں غفلت ونسیان موجود ہے۔ اس کے اندر شہوت کی آگ بھی ہے اور اس میں غضب وغصہ کی چنگاری بھی دبی ہوئی ہے۔ آخر وہ کس کس چیز کا مقابلہ کریگا؟ اور کس کس چیز سے اپنی حفاظت کرے گا۔

دیکھیے! ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام جو تمام انسانوں کے باپ ہیں آپ تمام مخلوق سے زیادہ عقلمند سب سے زیادہ ہوشیار اور سب سے زیادہ ثابت قدم تھے۔ اتنی حفاظتوں کے باوجود اللہ کے دشمن نے آپ کو پھسلا لیا، تو ہمارے تمہارے جیسے بیچاروں کا کیا پوچھنا جبکہ اُن کی اس قدر عقلمندی کے بالمقابل ہمارے عقول سراسر حماقت کہلانے کے سزاوار ہوں اور جن کے علم کے سامنے ہمارے علوم سمندر اور تھوک کی نسبت رکھتے ہوں۔ پھر بھی شیطان دشمنِ خدا ایک مومن مخلص تک براہِ راست کھلم کھلا نہیں پہنچ سکتا۔ وہ غفلت ولاپرواہی کے مواقع کی تاک میں رہتا ہے اور اس وقت ہی داؤ لگاتا ہے۔ پھر گناہ ومعصیت میں مبتلا کر کے خیال کرتا ہے کہ اب وہ کبھی رحمت خداوندی کا مستحق نہیں ہوگا اور اس معصیت نے اسے بالکل ہلاک وتباہ وبرباد کر دیا ہے لیکن ان تمام کے بعد اللہ تعالیٰ کا فضل عفو وکرم اور رحمت ومغفرت (خم ٹھونک کر) موجود ہے۔

رحمتِ الٰہی

تو جب اس کے عفو وکرم اور رحمت ومغفرت کا دریا جوش میں آتا ہے اور خدا؛

عزوجل اس کی خیر خواہی و بھلائی کے درپے ہو جاتا ہے تو اس پر توبہ و ندامت اور انکساری کے دروازے کشادہ کر دیتا ہے وہ اپنے قصور کو دیکھ کر شرم و ندامت سے پگھلا جاتا ہے اور خود کو ہر چیز میں اللہ کا محتاج سمجھ کر اس کے سامنے سر نیاز جھکا دیتا ہے۔ اس کے سامنے نہایت عجز و انکساری سے گڑگڑاتا ہے۔ چلا چلا کر دعائیں کرتا ہے، توبہ کے لئے بارگاہ ارحم الراحمین میں ہاتھ پھیلا کر سابقہ گناہوں کی معافی مانگتا ہے اور آئندہ کے لئے کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے۔ تقربِ الٰہی کے حصول کی خاطر نیکیوں کے لئے اس قدر جان لڑا دیتا ہے کہ اس کی برائیاں بھی نیکی بن کر اس کے حق میں رحمتِ الٰہی کا باعث بن جاتی ہیں، اور حتیٰ کہ شیطان اسے رحمتِ الٰہی کے دریا میں غوطہ زن دیکھ کر حسد کے مارے چیخ اٹھتا ہے کہ اے کاش میں اسے یہ گناہ کا کام نہ کرواتا تو آج وہ اللہ کی اس قدر گوناگوں نوازشات سے تو محروم رہتا۔

کیا گناہ جنت کا اور نیکی دوزخ کا سبب بن سکتی ہے؟

اور یہی مطلب ہے بعض سلف کے اس قول کا کہ ''انسان کبھی گناہ کرتے کرتے بہشت میں اور نیکی کرتے کرتے دوزخ میں چلا جاتا ہے'' لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ کیسے؟ بزرگ نے کہا جونہی انسان سے گناہ سرزد ہوتا ہے تو فوراً اس کی اس پر ٹکٹکی بندھ جاتی ہے اور وہ اپنے گناہ کو دیکھ دیکھ کر اس سے ڈرتا ہے، خوف کھاتا ہے، روتا ہے نادم ہوتا ہے، اللہ عزوجل سے شرمندہ ہوتا ہے اور شکستہ دل ہو کر اس کے سامنے سر نیاز جھکا دیتا ہے۔ تو یہ گناہ اس کے لئے ہزار ہا زائد طاعات سے بھی زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے کیونکہ اس ایک گناہ کے باعث اس سے کئی ایک ایسے کام سرزد ہو جاتے ہیں جو اس کی فلاح و نجات اور سعادت کا ذریعہ بنتے ہیں حتی کہ وہ گناہ اس کے لئے دخولِ جنت کا موجب ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف کبھی وہ بھولے بھلائے ایک آدھ نیکی کر بیٹھتا ہے تو اللہ پر

احسان چڑھانے اور اپنے کو کچھ بڑی چیز سمجھنے لگ جاتا ہے، دل ہی دل میں غرور اور تکبر سے پھولا نہیں سماتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ شاید میں نے کوئی بڑا تیر مار لیا ہے۔ کبھی اس کی نگاہ اس نیکی پر پڑتی ہے کبھی اس پر حتی کہ یہی ایک مغرورانہ نیکی اسے جہنم رسید کر کے دم لیتی ہے''۔

غرضیکہ جب اللہ تعالیٰ کسی مسکین سے خیر خواہی کرنا چاہتے ہیں تو اسے کسی ایسے کام میں مبتلا کر دیتے ہیں جو اس کی شکستہ دلی کا موجب ہوتا ہے جس سے اس کی اکڑی ہوئی گردن خم ہو جاتی ہے رہا سہا غرور و تکبر ٹوٹ جاتا ہے اور اپنے نفس کو بڑا سمجھنے کی بجائے ایک حقیر و ناتواں چیز سمجھنے لگ جاتا ہے لیکن جب بھلائی کا ارادہ نہ ہو تو اس کی رسی ڈھیلی کر دیتا ہے تب وہ لگتا ہے اکڑفوں کرنے اور اپنے کو کچھ بڑی چیز سمجھنے * اور یہی وہ چیز ہے جو رسوائی و ذلت کا پیش خیمہ اور انسان کے لئے تباہی و ہلاکت اور بربادی کا باعث ہے۔

کیونکہ تمام عارف اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ عزّ وجل کا تیرے نفس کو تیرے سپرد نہ کرنا ہی ''خذلان'' ہے۔

غرضیکہ جس کے حق میں اللہ عزوجل بھلائی کرنا چاہتا ہے تو غرور و تکبر و خود بینی کے بجائے اس کے سامنے عجز و انکسار کے دروازے کشادہ کر دیتا ہے وہ اپنے خالق و مالک کے سامنے ہمیشہ اور ہر وقت نہایت خشوع و خضوع اور تذلل کے ساتھ روتا گڑ گڑاتا ہے، بے نیازی کی بجائے اپنی محتاجی و بیچارگی کا اظہار کرتا ہے۔ نیکیوں کی بجائے اِدھر اپنے عیوبِ نفسانی اور گناہوں کو دیکھ کر اپنے نفس کو سراسر جاہل و سرکش

---

* بعینہ اسی مفہوم کو ابن عطاء اللہ الاسکندری نے مستعار لے کر اس جگہ حکمت میں یوں ادا کیا ہے کہ رُبَّ مَعْصِيَةٍ اَوْرَثَتْ ذِلًّا وَ اِنْكِسَارًا خَيْرٌ مِنْ طَاعَةٍ اَوْرَثَتْ عِزًّا وَاسْتِكْبَارًا. ''یعنی ذلت وانکساری پیدا کرنے والے گناہ ان نیکیوں سے ہزار ہا درجہ بہتر ہیں جن سے انسان میں غرور و تکبر کی بو پیدا ہو جائے۔''

خیال کرتا ہے تو اُدھر اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کے ساتھ ساتھ اس کے فضل واحسان رحمت ومہربانی اور عفو وغفران کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے جود وسخا کے بے پایاں خزانوں کو دیکھ پاتا ہے تو سرتاپا مصروف حمد وثنا ہو جاتا ہے اور اس کے ہر ذرہ و ہر منہ سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے نغمے نکلنے لگ جاتے ہیں۔

غرضیکہ ایک عارف و خدا طلب انسان ان دو بازوؤں (مشاہدۂ عیوب و فضل ربانی) سے ہی اڑ کر اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ دو بازو نہ ہوں اور وہ اللہ عزوجل کو مل سکے حتیٰ کہ ان میں سے اگر صرف ایک بازو بھی مفقود ہوگا تو وہ اس پرندے کی طرح اڑنے سے محروم و ناکام رہ جائے گا جس کا کوئی بازو ٹوٹ چکا ہو۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول

شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ہے کہ عارف انسان کو وصال باللہ کے لئے دو چیزوں کے درمیان سے ہو کر گذرنا ہوتا ہے۔ اوّل اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا مشاہدہ، دوم عیوبِ نفسانی کا مطالعہ اور اپنے اعمال کا جائزہ۔ [1]

عیوبِ نفسانی وفضلِ رحمانی کا مشاہدہ اور اس کا نتیجہ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں آنحضرت ﷺ کے اس مقولہ کا بھی یہی مفہوم ہے جو آنحضرت ﷺ نے سید الاستغفار (کے خط کشیدہ الفاظ) میں بیان فرمایا ہے کہ:

"اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ

[1] نوٹ: یہ قول شیخ الاسلام اسماعیل رحمہ اللہ مروی کا ہے، جس کی تشریح حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے مدارج السالکین میں کی ہے۔ اس سے اس کو حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں (الوابل الصیب تحقیق التعلیق شیخ اسماعیل رحمہ اللہ بن محمد انصاری ص ۲۲ حاشیہ نمبر ۲۔) (عبدالعزیز علوی)

اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اَنْتَ۔" (احمد، بخاری، نسائی)

"یا اللہ تو میرا پروردگار ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو میرا خالق اور میں تیرا ادنیٰ غلام ہوں اور تیرے عہد و اقرار اور وعدوں پر حتی المقدور کاربند ہوں، اپنی بداعمالیوں اور شرارتوں سے پناہ مانگتا ہوں تو نے جو انعامات فرمائے ہیں ان کا اقرار ہے ساتھ ہی اپنے گناہوں کا بھی اعتراف ہے لہٰذا مجھے بخش دیجئے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرسکتا۔"

دیکھیے! آنحضرت ﷺ نے اپنے پاکیزہ قول "اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ" میں مشاہدہ فضل الٰہی اور مطالعہ عیوبِ نفس وعمل دونوں کو یکجا کر دیا ہے۔ فضل الٰہی کے مشاہدہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان میں محبت الٰہی گھر کر جاتی ہے، حمدِ خداوندی اور دل میں نعمتِ (الٰہی) کی شکر گذاری کا جذبہ موجزن ہو جاتا ہے اور عیوب نفسانی اور عمل کی کوتاہی کے مطالعہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں غرور وتکبر کے بجائے عجز وانکساری جڑیں جما لیتی ہے۔ وہ اپنے کو شانِ خداوندی کے سامنے بالکل سراپا احتیاج سمجھنے لگ جاتا ہے اور ہر وقت اور ہر لحظہ اس کی زبان سے توبہ توبہ کی صدائیں گونجنے لگتی ہیں اور وہ اپنے نفس کو بالکل مجسمہ فقر وافلاس تصور کرنے لگ جاتا ہے۔

اور یہی سب سے زیادہ قریب ترین دروازہ ہے جس کے ذریعہ انسان اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے، لہٰذا جب وہ اپنے کو بالکل مفلس وقلاش سمجھنے لگ جاتا ہے تو نہ اسے اپنے نفس کے لئے کوئی باعزت مقام اور باعزت حالت دکھائی دیتی ہے اور نہ اسے ایسے اسباب نظر آتے ہیں، جن سے وابستہ ہو کر اللہ تک پہنچ سکے اور نہ ہی کوئی ایسا وسیلہ پاتا ہے کہ اللہ پر اس کا احسان چڑھائے۔ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر اور بالکل یکسو ہو کر خالص محتاجی اور افلاس محض کے دروازے سے ہو کر اللہ کے سامنے پیش ہوتا ہے اور وہ بالکل اس قلاش کی مانند داخل ہوتا ہے جسے فقر و

افلاس اور مسکینی نے بالکل شکستہ دل کر دیا ہو اور وہ دل کے ایک ایک رگ و ریشہ تک سرایت کر کے چاروں طرف سے اس پر چھا چکی ہوں اور اسے تخیل سے گزر کر یہ مشاہدہ و یقین ہو چکا ہو کہ ہر لمحہ اسے اللہ تعالیٰ کی ضرورت ہے اور وہ ہمہ دم، ہر لحظہ اس کا محتاج ہے۔ اتنا محتاج کہ جس سے زیادہ احتیاج کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، اور اس کے ایک ایک ذرہ میں خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطن نظر آتے ہوں یا نظر سے مخفی، فاقۂ تامہ اور اللہ تعالیٰ کی ضرورت کاملہ موجود ہے اور اگر وہ ان سے ایک سیکنڈ بھی خالی رہے تو وہ تباہ و برباد ہو جائے اور اسے اتنا خسارہ ہو۔ جس کی تلافی اسی صورت میں ممکن ہو کہ ارحم الرحمین ہی اس کو اپنے دامنِ رحمت و شفقت میں ڈھانپ لے۔

عبودیت کا دارومدار

خلاصہ یہ کہ عبودیت کے سوا کوئی ایسا راستہ نہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے سب سے زیادہ قریب تر ہو اور دعوائے زہد و تقدس کی لاف زنی سے بڑھ کر کوئی ایسا حجاب نہیں جو ان سے زیادہ سخت اور غلیظ تر ہو۔

رہا عبودیت کا دارومدار تو اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ اور وہی دونوں اس کا اصل الاصول ہیں۔ اوّل حُبِ کامل، دوم ذلِ تام اور ان کا منشا و منبع وہی دونوں اصول ہیں جن کا تذکرہ سابقاً ہو چکا ہے۔ یعنی مشاہدہ منت الٰہی جس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور مطالعہ عیوب نفس و عمل جن سے ذلِ تام حاصل ہوتی ہے۔

انسان اگر ان دونوں اصولوں پر اپنے سلوک الی اللہ کی بنیاد رکھ لے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ شیطان اس پر ظفریاب ہو سکے سوائے اس صورت کے کہ وہ بیخبری و غفلت میں داؤ لگا جائے تو اللہ عزوجل جلد از جلد اس کے اثر کو اکھاڑ پھینکے گا اور اپنی رحمت کاملہ سے ان تمام نقصانات کی تلافی کر دے گا۔

استقامت

رہی سلوک الی اللہ کی صحت و درستگی اور اس پر مضبوطی یہ تب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ دل اور اعضاءِ جوارح دونوں میں استقامت ہو۔

استقامت قلب کا نسخہ

اور استقامت قلبی دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

❶ حُبّ الٰہی تمام محبتوں پر غالب ہو

پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہر محبوب کی محبت پر مقدم ہو۔ جب غیر اللہ اور محبتِ الٰہی کا مقابلہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی محبت تمام ماسویٰ اللہ محبتوں سے فائق ہو اور صرف دعوائے فوقیت نہ ہو بلکہ اس کے مقتضیات پر اس کا عملدرآمد بھی ہو۔ مگر دعویٰ آسان اور اس پر عمل کر دکھانا بہت ہی مشکل ہے مشہور مقولہ ہے وعند الامتحان یکرم الرجل اویھان "یعنی امتحان ہونے پر انسان کی عزت ہوتی ہے یا رسوائی و ذلت۔"

لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی خواہشات و مرغوب طبع چیزوں کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح دیتا ہے جو اعمال اللہ کو پسند ہوں ان کو پس پشت ڈال دیتا ہے مگر جن کو خود پسند رکھتا ہو یا اس کے چوہدری و نمبردار، رشتہ دار اور شیخ و بزرگ کی نظروں میں محبوب ہوں ان پر پروانہ وار مرتا ہے۔

غیر اللہ کی محبت کی سزا

تو ایسے شخص کے دل میں نہ تو غیر اللہ کی محبت پر محبتِ الٰہی کو فوقیت ہوتی ہے اور نہ ہی اس محبت کو ملکۂ راسخہ کا سا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اور چونکہ ایسا شخص اپنی یا اپنے پیرو مرشد کی اور بزرگوں کی خواہشات کو ترجیح دیتا ہے۔ یا غیر اللہ کی محبت کو محبتِ الٰہی پر فوقیت دیتا ہے' اس لئے ایسے شخص کے متعلق سنتِ الٰہی اور قانونِ فطرت میں یہی سزا

چلی آ رہی ہے کہ اس کے اور اس کے محبوب میں اللہ تعالیٰ بغض وعداوت اور نفرت پیدا کر دیتا ہے اور ان کی محبت کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے جس سے وہی محبوب اس کے لئے وبالِ جان بن جاتا ہے اور ہزار دقتوں اور کوششوں کے بعد کہیں جا کر اسے ان فوائد کا ہزارواں حصہ میسر ہوتا ہے جن کی اسے توقعات ہوتی ہیں۔

اور پھر یاد رکھئے! اللہ عزوجل کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جو اسے چھوڑ کر غیر اللہ سے محبت کرے وہ اس کو اس کے لئے ذریعۂ عذاب بنا دیتا ہے۔ جو غیر اللہ کا خوف دل میں رکھے اسی کو اللہ تعالیٰ اس پر مسلط کرتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر غیر سے مشغول ہو وہی اس کے لئے وبال جان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح دے۔ اس میں کبھی برکت نہیں ہوتی اور جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے غیر اللہ کی رضا مندی حاصل کرنا چاہے اللہ تعالیٰ ان کو باہم کبھی راضی نہیں ہونے دیتا بلکہ ہمیشہ ان کی باہم چپقلش رہتی ہے اور کبھی ملاپ نہیں ہوتا۔

❷ امر و نہی کی تعظیم

استقامتِ قلبی کے لئے دوسری چیز ہے امر و نہی کی تعظیم اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت سے پیدا ہوتی ہے جو صاحب امر و نہی ہے کیونکہ جو اس کی یا اس کے امر و نہی کی تعظیم نہ کرے۔ اللہ عزّ وجل نے اس کی مذمت فرمائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت نہیں تو اس کے اوامر ونواہی کی کب ہو گی اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں اس شخص کی مذمت فرمائی ہے جو اس کی یا اس کے اوامر ونواہی کی عظمت کو نہ سمجھے اور قدر و منزلت نہ کرے چنانچہ ارشاد ہے۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا (نوح ۷۱)

''کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی پر اعتقاد نہیں''

مفسرین نے اس کی تفسیر مَا لَكُمْ لَا تَخَافُوْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰى عَظْمَةً سے کی ہے یعنی

تم عظمت الٰہی سے ڈرتے نہیں ہو۔؟

تعظیم امر و نہی کی تعریف

شیخ الاسلام (ابن تیمیہؒ) نے تعظیم امر و نہی کی کیا ہی خوب تعریف فرمائی ہے۔ کہ ''ان میں نہ بلاضرورت رخصت طلبی ہو نہ بے جا تشدد و غلو ہو اور نہ ایسی علت پر برانگیختہ کریں جو اطاعت و انقیاد میں رکاوٹ سستی و کمزوری اور بد عملی کا باعث بنے۔''

تعظیم امر و نہی کا مدار

شیخ الاسلامؒ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ تعظیمِ الٰہی کا سب سے پہلا مرتبہ یہ ہے کہ انسان اس کے اوامر و نواہی کی تعظیم کرے۔ کیوں کہ جس شریعت محمدی کے ذریعہ مومن اپنے رب کو پہچانتا ہے اس کا مقتضا ہی یہ ہے کہ اللہ عز و جل کے امر و نہی کی اطاعت کی جائے اور انقیاد و اطاعت اسی صورت متصور ہو سکتی ہے کہ دل میں اگر امر الٰہی کی عظمت ہو تو جوارح بھی اسے ادا کر رہے ہوں۔ دل میں نہیِ الٰہی کی قدر و منزلت ہو۔ تو ظاہری ارکان بھی اس کے ارتکاب سے مجتنب ہوں لہٰذا اگر کوئی شخص ایسی حالت میں نظر آئے تو یہ اس کی بین دلیل ہے کہ اس کے دل میں صرف امر و نہی کی تعظیم ہی نہیں بلکہ صاحبِ امر و نہی کی توقیر و منزلت بھی راسخ ہے اور جس قدر صاحب امر و نہی کی عظمت اور توقیر و منزلت ہو گی اسی تناسب سے اسے ان ابرار کے زُمرہ میں درجۂ شمولیت حاصل ہو گا جن کے حق میں ایمان و تصدیق، صحتِ عقیدہ اور خصوصاً نفاقِ اکبر سے براءت کی شہادت دی گئی ہے کہ فلاں شخص صحیح العقیدہ، ایماندار، اور صاحبِ اخلاص ہے۔ منافق نہیں کیونکہ بعض دفعہ انسان کسی کام کو اس لئے کر گذرتا ہے کہ لوگ اسے دیکھ پائیں یا ان کے ہاں اس کی جاہ و منزلت ہو۔ یا کسی امر ممنوع سے اس لئے کنارہ کشی کرتا ہے کہ لوگوں کی نظروں سے نہ گر جائے۔ یا ان شرعی حدود اور سزا کے خوف سے باز رہتا ہے جو شارع علیہ السلام نے مقرر فرمائی ہیں تو اس قسم کا فعل یا ترک

فعل نہ تعظیم امر و نہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور نہ صاحب امر و نہی کی عظمت و شوکت کی بنا پر۔

تعظیم امر و نہی کی مثالیں:

کیونکہ تعظیمِ اوامر کی تو علامت ہی یہ ہے کہ اس کے اوقات وحدود کی رعائت کی جائے اس کے ارکان وواجبات کی تکمیل کا خاص خیال رکھا جائے۔ اس کا ٹائم قریب ہونے سے پہلے اس کے لئے تیار و مستعد ہو، اور جب وقت وجوب آ جائے تو اسے ادا کرنے کے لئے فوراً کھڑا ہو جائے۔ اگر خدانخوستہ اس کے ارکان و واجبات وغیرہ کی ادائیگی میں خامی ہو جائے، یا حقوق ادا میں قصور پڑ جائے تو وہ اس طرح غمناک و اندوہگیں ہو جیسے کسی سے جماعت نماز فوت ہو جائے اور وہ جانتا ہو کہ اگر چہ انفراداً نماز تو ہو جائے گی مگر ستائیس درجات سے محروم رہ گیا۔ یا اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی تجارت پیشہ آدمی سے بلا مشقت وکلفت سفر وغیرہ گھر بیٹھے ایک ہی سودے سے ستائیس روپے رہ جائیں۔ تو وہ افسوس و ندامت کے مارے اپنی انگلیاں کاٹ کھاتا ہے تو کیا آپ یہ باور کر سکتے ہیں کہ اس سے کوئی جماعت بھولے سے بھی ترک ہو جائے گی؟ جب کہ نماز با جماعت کے ستائیس درجات میں سے ایک ایک درجہ ہزار نہیں لاکھوں نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔

نماز میں غفلت

تو جب انسان اس قدر فائدہ و نفع ضائع کر دے تو وہ یقیناً نقصان سے دوچار ہوا جبکہ اکثر علماء کے نزدیک نماز بلا جماعت نماز ہی نہیں۔ چہ جائیکہ وہ بے توجہی سے ادا کرے اور نماز کو ایک قسم کی مصیبت سمجھے اور اس کے ارکان و واجبات کی رعایت نہ کرے تو یہ حالت امر الٰہی کی عدمِ تعظیم کا واضح ثبوت ہے۔ علی ہذا القیاس جب کہ اس سے اول وقت جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے فوت ہو جائے۔ یا پہلی صف کی

شمولیت رہ جائے جس کے دائیں طرف پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور ملائکہءالٰہی کی دعائیں شامل ہوتی ہیں۔تو سمجھ لیجئے کہ اس کے دل میں احکامِ خداوندی کی کس قدر توقیر ومنزلت ہوگی؟ لیکن اگر اسے نماز با جماعت اور صفِ اول کے ثواب ودرجات اور فضائل کا پتہ چل جائے تو وہ اس کے حصول کے لئے لڑ مرے۔ اور قرعہ ڈال کر بھی پہلی صف میں گھس جائے۔ یہی حال نمازیوں کی قلت وکثرت کا ہے [1] جس قدر جماعت میں نمازیوں کی کثرت ہوگی۔ اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوں گے۔اسی طرح جس قدر دور سے چل کر آئیگا اتنا ہی ایک قدم معافی گناہ کا باعث اور دوسرا رفعت درجات کا موجب ہوگا۔

بے خشوع نمازیں اور بے روح لاشیں

علیٰ ہذا القیاس اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہوکر بھی جس کی نماز حضورِ قلبی اور خشوع وخضوع سے جو نماز کا روح وخلاصہ ہے، خالی ہو تو ایسی نماز اس مردہ بدن اور لاشے کی طرح ہے جو روح سے سراسر خالی ہو۔ کیا انسان اپنے جیسے مخلوقِ انسان کے سامنے مرا ہوا غلام یا مردہ لونڈی تحفہ پیش کرنے سے نہیں شرمایا کرتا؟ اور کیا اسے یہ گمان ہوسکتا ہے کہ جس بادشاہ یا امیر وغیرہ کے ہاں یہ تحفہ پیش کرنا چاہتا ہے اس کے صلہ میں اس کی جانب سے آفرین وشاباش اور عزت افزائی ہوگی؟ تو بس یہ بخوبی سمجھ لیجئے کہ جو نماز خشوع وخضوع اور حضورِ قلبی توجہ الی اللہ اور یکسوئی سے خالی ہو بعینہٖ وہ نماز اس مردہ غلام یا لونڈی کی طرح ہے جسے کسی بادشاہ یا امیر کی خدمت میں ہدیۃً پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ عزوجل اسے قبول نہیں کرتا اگرچہ اس نماز سے دنیوی احکام کے اعتبار سے ایک فرض ساقط ہو جائے گا مگر ثواب نہیں ہوگا

---

[1] اصل عبارت یوں ہے......! وکذالک فوت الجمع الکثیر الذی تضاعف الصلوٰۃ بکثرتہٖ وقلتہ "اسی طرح زیادہ جمعیت وتعداد کا فوت ہوجانا جس کی کثرت وقلت پر نماز کا ثواب بڑھتا ہے"

کیونکہ ثواب اسی نماز پر ملتا ہے جو غور وفکر اور تدبر کے ساتھ پڑھی جائے۔ جیسا کہ سنن اور مسند امام احمد وغیرہ میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:

"اِنَّ الْعَبْدَ لَيُصَلِّي الصَّلٰوةَ وَ مَا كُتِبَ لَهُ اِلَّا نِصْفُهَا اِلَّا ثُلُثُهَا اِلَّا رُبُعُهَا اِلَّا خُمُسُهَا حَتّٰى بَلَغَ عُشْرَهَا۔"

"انسان نماز پڑھتا ہے مگر اس کے نامہ اعمال میں صرف اس کا نصف، تہائی چوتھائی، پانچواں حصہ حتیٰ کہ بعض دفعہ دسویں حصے سے زیادہ درج نہیں ہوتے۔"

اخلاص وایمان

یہاں یہ بتلا دینا نامناسب نہ ہوگا کہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق جملہ اعمال کا یہی حال ہے اور جس قدر دل میں ایمان وخلوص، محبت اور لوازم محبت موجود ہوں گے۔ اسی تناسب سے اللہ کے ہاں درجات وفضیلت اعمال میں کمی بیشی ہوگی اگر مذکورہ اوصاف کا عنصر غالب ہوگا تو اعمال بھی اعلیٰ وافضل ہوں گے۔ یہی حال کفارہ بننے کا ہے کہ اگر اعمال خود بذاتہ کامل ہوں گے تو بطور اکمل کفارہ سیئات بنیں گے اور جس قدر ناقص ہوں گے اسی مقدار سے کفارہ ناقص ہوگا۔

گناہوں کا کفارہ (دو اصولی قاعدے)

یہی دو قاعدے ہیں جن کی رو سے کئی ایک اشکالات رفع ہو سکتے ہیں یعنی ① دل میں حقائق ایمان کے تفاضل سے اعمال میں تفاضل ② عمل کے نقصان وکمال کے تناسب سے کفارہ بننے میں نقصان وکمال اور انہی دو قاعدوں کی رو سے وہ اشکال بھی حل ہو سکتا ہے جو حقائق ایمانی سے ناواقف وبے بہرہ لوگوں کی جانب سے اس حدیث پر کیا جاتا ہے۔

"اِنَّ صَوْمَ عَرَفَةَ يُكَفِّرُ سَنَتَيْنِ وَيَوْمَ عَاشُوْرَاءَ يُكَفِّرُ سَنَةً."

"عرفہ کے دن کا روزہ دو سال کے گناہوں کا اور عاشورا (دس محرم) کا روزہ

ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔''

اعتراض یہ ہے کہ اگر ہمیشہ عرفہ و عاشورا دونوں کے روزے رکھتا جائے تو ایک ایک سال میں تین تین سالوں کا کفارہ کیسے؟ *

نیکیوں اور گناہوں کا کفارہ

بعض محدثین نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اگر اعمال کا کچھ حصہ تکفیر سیئات سے بچ رہے تو اس سے درجات بلند ہوتے ہیں مگر مقامِ تعجب ہے کہ انسان کو کیا معلوم شاید وہ اعمال جو کفارہ سیئات بنتے ہیں۔ اگر سب کے سب بجالائے جائیں تو وہ تمام مل کر بصورت اجتماعی کفارۂ سیئات بنتے ہوں۔

پھر اعمال کا کفارہ سیئات بننا بھی چند شرائط سے مشروط اور اس بات پر موقوف ہے کہ عمل کی قبولیت کے موانع داخلی و خارجی اندرونی و بیرونی سب منفی ہوں۔ اگر انسان کو یہ یقین ہو کہ اس نے کوئی عمل بشروط تمام ادا کرلیا اور ساتھ ہی جملہ موانع بھی

---

* سید رشید رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جاہل مسخروں کا یہ قول بالکل اسی قسم کا ہے کہ ''حجاجی نے عاشورہ کے دن ظہر تک روزہ رکھا اور کہا ششماہی کے لئے کافی ہے'' یہ تمسخر مورد واشکال سے معترض کی ناواقفیت پر بین دلیل ہے کیونکہ وہ کفارہ اور مکفر لہ دونوں کو مادی چیز سمجھتا ہے۔ کہ دونوں باہم مقابل و برابر ہوں جتنی نیکیاں ہوں اتنی ہی بدیاں ہوں کمی بیشی نہ ہو۔ کیونکہ جو (نیکیاں (مکفرہ) بدیوں (مکفر لہ) کا کفارہ بن کر زائد بچ رہیں گی وہ بیکار ہوں گی اور کفارہ نہیں بن سکیں گی اس لئے کہ جن گناہوں (لکفر لہ) کا نیکیوں کو کفارہ بننا ہے۔ ان کا تو وجود ہی موجود نہیں، یا اس کے برعکس نیکیاں (مکفر لہ) بدیوں سے کم ہوں اور قابل تکفیر گناہ زائد بچ رہیں، جیسا کہ حجاجی کے نصف سال کے گناہ باقی بچ رہے تو زائد گناہوں کے لئے کون سی چیز کفارہ بنے گی؟ غرضیکہ وہ گناہوں اور نیکیوں کو بھی مادی چیز تصور کرتا ہے۔ حالانکہ یہ تقدیرات معنویہ ہیں جو حسنات کے ذریعہ نفس سے بدیوں کا اثر زائل کرنے کے لئے مقدر ہوگئی ہیں۔ اس کی واضح تر محسوس مثال حدیث شریف میں آئی ہے جس میں پانچوں نمازوں کے گناہوں کا کفارہ بننے کو اس نہر جاری سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی کے دروازہ کے سامنے سے گذرتی ہو اور وہ روزانہ پانچ دفعہ اس میں نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ تھوڑی سی میل بھی باقی رہے گی؟

دور وزائل کیے ہیں تو اس وقت کہیں جا کر وہ کفارہ سیئات بن سکے، ورنہ بے شمار ایسے عمل نظر آتے ہیں جو اگر سرتا پا غفلت و بے توجہی سے نہیں ادا کیے جاتے تو کم از کم ان کا اکثر حصہ تو اسی غفلت بے رخی اور بے توجہی کی نذر ہو جاتا ہے مزید برآں یہ کہ اخلاص جو عمل کی جان ہے سے یکسر خالی ہوتے ہیں اور اس کے اکثر حقوق کو نہایت بیدردی سے پامال کر دیا جاتا ہے اور جو اعمال کما حقہ بجملہ حقوق ادا نہ کیے جائیں تو خود ہی بتلایئے کہ وہ کس کا کفارہ بنیں گے؟

اعمال کی بربادی

لیکن کیا انسان اپنے عمل کے متعلق پورے وثوق سے یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے کما حقہ اسے بجملہ حقوق ظاہری و باطنی ادا کر دیا ہے۔ بفرضِ محال اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے تو کیا اس بات کی قسم دی جا سکتی ہے کہ اسے کوئی مانع نہ پیش آیا ہو جس کی رو سے وہ کفارہ بننے کے قابل ہی نہ رہا ہو؟۔ یا غرور وخود بینی کی اس میں آمیزش نہ ہو گی جو اعمال کو یکسر ضائع اور برباد کر کے رکھ دیتی ہے، یا اس ایک معمولی سے عمل کے عوض لوگوں پر اس احسان نہیں چڑھایا کرتا؟ یا اس ایک معمولی سے عمل کے عوض لوگوں سے عزت و تعظیم کا طالب نہیں ہوا کرتا۔؟ یا توقیر نہ کرنیوالوں سے بغض وعناد اور نفرت و

بقیہ حاشیہ...... اس کی دیگر مثال یوں سمجھئے کہ ایک کپڑے کے متعلق آپ کہیں کہ یہ کپڑا صابن سے تین دفعہ دھونے سے صاف ہو گا دوسرے کے متعلق کہیں کہ اسے ضرور پانچ دفعہ دھویا جائے تو میل نکلنے کے بعد جتنی دفعہ زیادہ دُھلے گا اتنا زیادہ ہی صاف ہو گا چہ جائیکہ نیکیوں کا تو فائدہ ہی ایجابی ہوتا ہے: نہ سلبی مثبت ہوتا ہے نہ منفی۔ پہلی رونق کو کم کرنا نہیں دوبالا کرنا ہوتا ہے۔ کیوں کہ نیکیاں جس طرح نفس کا تزکیہ کرتی ہیں اور گناہوں کی میل دھوتی ہیں۔ اسی طرح نفس کو قوت ایمانی تقویٰ، اللہ اور رسول اور اولیاء اللہ کی محبت اور نیکیوں کی رغبت وغیرہ سے مزین وخوبصورت بنا دیتی ہیں۔ اگر نفس گناہوں سے میلا نہ ہوا ہو، یا وہ میل اس قدر قلیل ہو کہ چند نیکیوں سے ہی زائل ہو جائے تو باقی نیکیاں اس کی زیادہ صفائی ونظافت کا موجب ہوں گی اور چمکا دیں گی تو تف ہے محسوسات کے ماننے والوں پر وہ اسرار دیں بلکہ اپنے نفس تک سے کس قدر بے خبر و جاہل ثابت ہوئے ہیں۔

عداوت نہ رکھتا ہو؟ یا کم از کم اس کے دل میں ٹھیس تک بھی نہ لگتی ہو کہ فلاں شخص نے مجھے آفریں وشاباش تک نہ کہی۔ عدمِ تحسین کو اپنے لئے ہتک عزت کا باعث تک نہ خیال کرتا ہو تو پھر ایسا ردی عمل کس گناہ کا کفارہ بن سکے گا؟ غرضیکہ اعمال کو خراب و برباد کرنے والی چیزیں اس قدر ہیں جو حصر وشمار سے باہر ہیں۔ اور عمل کرنا تو کوئی بڑی بات نہیں۔ عمل کو خراب کرنے و برباد کرنے والی چیزوں سے محفوظ اور صحیح سالم رکھنا کارے دارد۔ دیکھئے! ریا تھوڑی سے تھوڑی کیوں نہ ہو عمل کو بالکل تہس نہس کر کے رکھ دیتی ہے اور اس کی اس قدر صورتیں ہیں جن کا شمار نا ممکن ہے۔

سنت سے اعراض کا نتیجہ

نیز اتباعِ سنت سے کسی عمل کا آزاد ہونا بطلانِ عمل کا موجب ہے، پھر دل ہی دل میں اللہ پر اس کا احسان چڑھانا یہ بھی مفسدِ اعمال ہے، علی ہذا القیاس صدقہ دے کر اس کے عوض لوگوں پر احسان چڑھانا۔ ان سے نیکی واحسان یا صلہ کی خواہش رکھنا بھی عمل کو برباد کر دیتا ہے [1] جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ۔“ (بقرہ : ۲)

”مومنو! احسان جتا کر اور تکلیف دے کر اپنے صدقات کو باطل مت کرو۔“

[2] اکثر لوگوں کو تو اتنا بھی پتہ نہیں کہ بعض بُرائیاں نیکیوں کو بھی برباد کر ڈالتی ہیں جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے۔

---

[1] اصل عبارت یوں ہے، كذالك المن بالصدقه والمعروف و البروالاحسان والصلة مفسدلها، اسی طرح صدقہ، نیکی، احسان اور صلہ رحمی کر کے احسان دھرنا ان کو برباد کرنے کا باعث ہے۔

[2] اصل عبارت ہے واكثر الناس ما عندهم خبرمن السيئات التى تحبط الحسنات ”اکثر لوگوں کو تو ان برائیوں کا پتہ ہی نہیں جو نیکیوں کو برباد کر ڈالتی ہیں۔“ (عبدالعزیز علوی)

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔'' (حجرات ۴۹)

''مومنو! اللہ کے پیغمبر کی آواز سے اونچی آواز کر کے اپنے اعمال مت برباد کرو اور نہ اسے اونچی آواز سے اس طرح بلاؤ جیسا کہ ایک دوسرے کو بلایا کرتے ہو کہ بے خبری میں اپنے اعمال ہی برباد کر کے بیٹھ جاؤ۔''

بربادی اعمال کی مثالیں

دیکھیے! ایک دوسرے کی طرح رسول اللہ ﷺ کو اونچی آواز سے مخاطب کرنا بربادی اعمال کا موجب ہے۔ جس سے اللہ عزوجل مومنوں کو تحذیر فرما رہے ہیں حالانکہ پیغمبر ﷺ کو بالجہر مخاطب کر لینا کوئی ارتداد نہیں ہے۔ ایک معصیت ہے جو عامل کی بیخبری وغیرہ میں ہی اعمال کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ تو آپ خیال فرمائیے! جو شخص اللہ کے پیغمبر ﷺ کے اقوال و احادیث اور طریقہ و ہدایت پر غیروں کے طریقہ و اقوال کو مقدم کرے یا ترجیح دے تو کیا اس نے جہالت و بے خبری میں اپنے اعمال کو تباہ و برباد نہیں کر ڈالا؟ حبط اعمال کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ایک دیگر ارشاد گرامی ملاحظہ فرمائیے ارشاد ہے:۔

''مَنْ تَرَکَ صَلٰوۃَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ۔'' *

''جس نے عصر کی نماز نہ پڑھی اس کے عمل ضائع ہو گئے۔''

زید بن ارقم کو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیع * عینہ کے موقعہ پر جو ارشاد فرمایا تھا اس

---

* بخاری و مسلم از بریدہ رضی اللہ عنہ ۱۲۔

* بیع عینہ یہ ہے کہ کسی کو کوئی چیز ادھار دے کر وہی چیز قیمت لینے سے پہلے نقد پہلی قیمت سے کم قیمت پر خرید لے۔

کا بھی یہی مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔

اِنَّہٗ قَدْ اَبْطَلَ جِھَادَہٗ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا اَنْ یَّتُوْبَ. (مسند امام احمد)

اس نے آنحضرت ﷺ سے مل کر جو جہاد کئے تھے وہ بھی برباد کر لئے مگر یہ کہ توبہ کرے۔

حالانکہ بیع عینہ ارتداد کی قسم نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک معصیت ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد بھی یہی ہے کہ یہ بیع معصیت ہے۔

لہٰذا جو چیزیں عمل کو فوراً یا بعد از وقوع خراب و برباد کر دیتی ہیں۔ ان کا کھوج نکالنا ان کا ایک ایک گوشہ چھان ڈالنا اور ان کے ہر پہلو سے واقف ہونا انسان کا اہم اور ضروری فریضہ ہے۔ اس طرح دل میں جذبۂ عمل کا ہونا اور عمل کو ہر طرح مدافعات سے محفوظ رکھنا از حد ضروری ہے۔

ایک معروف قول ہے:

"اِنَّ الْعَبْدَ لَیَعْمَلُ سِرًّا لَایَطَّلِعُ عَلَیْہِ اَحَدٌ اِلَّا اللّٰہُ تَعَالٰی فَیَتَحَدَّثُ بِہٖ فَیَنْتَقِلُ مِنْ دِیْوَانِ السِّرِّ اِلٰی دِیْوَانِ الْعَلَانِیَۃِ۔ ثُمَّ یُصِیْرُ فِیْ ذٰلِکَ الدِّیْوَانِ عَلٰی حَسْبِ الْعَلَانِیَۃ * فَاِنْ تَحَدَّثَ بِہٖ لِلسُّمْعَۃِ وَطَلَبِ الْجَاہِ وَالْمَنْتِزِ لَۃَ عِنْدَ غَیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَبْطَلَہٗ کَمَا لَوْ فَعَلَہٗ لِذٰلِکَ۔"

امام منذریؒ ابودرداء سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اِلَا بَقَاءَ عَلَی الْعَمِلِ اَشَدُّ مِنَ الْعَمَلِ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَعْمَلُ الْعَمَلَ فَیُکْتَبُ لَہٗ عَمَلٌ صَالِحٌ مَعْمُوْلٌ بِہٖ فِی السِّرِّ یُضَعَّفُ لَہٗ اَجْرُہٗ سَبْعِیْنَ ضِعْفًا فَلَا یَزَالُ بِہٖ الشَّیْطَانُ حَتّٰی یَذْکُرَہٗ لِلنَّاسِ وَیُعْلِنَہٗ فَیُکْتَبُ عَلَانِیَۃً وَیُمْحٰی تَضْعِیْفُ اَجْرِہٖ کُلِّہٖ. ثُمَّ لَا یَزَالُ بِہٖ الشَّیْطَانُ حَتّٰی یَذْکُرَہٗ لِلنَّاسِ الثَّانِیَۃَ اَوْیُحِبُّ اَنْ یُذْکَرَ بِہٖ

"بعض دفعہ انسان خفیہ طور پر نیکی کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خبر تک نہیں ہوتی، لیکن اس کے منہ سے کہیں اس کا تذکرہ نکل جاتا ہے تو اب وہ خفیہ نہیں رہا بلکہ دوسروں کے کانوں تک پہنچ کر علانیہ کے درجے میں آ گیا جہاں اس کے مختلف مدارج ہوتے ہیں [1] اگر اس نے ریا وسمعہ اور غیر اللہ سے طلب جاہ ومنزلت کے لئے اس کا تذکرہ کیا ہو تو وہ عمل باطل ہو جاتا ہے جیسے اسی غرض سے کیا ہوا برباد ہو جاتا ہے۔"

ضبط شدہ اعمال کا ثواب

یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر وہ توبہ کرے تو کیا اس عمل کا ثواب دوبارہ لوٹ کر اسے مل سکے گا۔ یا اس ثواب کا وجود باطل اور فنا ہو جانے کے باعث دوبارہ واپس ملنے کی کوئی توقع نہیں؟

بقیہ حاشیہ...... وَيُحْمَدُ عَلَيْهِ فَيُمْحَىٰ مِنَ الْعَلَانِيَةِ وَيُكْتَبُ رِيَاءً فَاتَّقَى لِلّٰهِ امْرَءٌ صَانَ دِينَهُ وَإِنَّ الرِّيَاءَ شِرْكٌ.

"عمل کرنے کی نسبت عمل کی حفاظت کرنا زیادہ مشکل ہے بعض دفعہ آدمی خفیہ طور پر کوئی عمل کرتا ہے تو اس کے لئے نامہ اعمال میں عمل صالح درج ہو جاتا ہے اور ستر درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے۔ تو شیطان لوگوں میں آہستہ آہستہ مشہور کر کے اسے علانیہ بنا دیتا ہے تو خفیہ کے بجائے اعمالنامہ علانیہ کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے اور وہ زائد ثواب کے ستر حصے محو ہو جاتے ہیں صرف اسی عمل کا ثواب باقی رہ جاتا ہے پھر دوبارہ اس کے پیچھے شیطان لگ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ دوبارہ اسے یاد دلاتا ہے اور اس کے دل میں ڈال دیتا ہے کہ یہ عمل لوگوں میں مشہور ہو کر اس کی تعریف ہو تو وہ ایسا کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ علانیہ کے درجہ سے محو ہو کر ریا کی فہرست میں درج کر دیا جاتا ہے (حتیٰ کہ ثواب کی بجائے انسان عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے) لہٰذا زیادہ متقی وہ شخص ہے جو اپنے دین کو ریا سے محفوظ رکھے کیونکہ ریا شرک ہے۔ اسے بیہقی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث افراد بقیہ بن ولید کی اپنے اساتذہ سے منفرد روایت ہے۔ حافظ منذری نے کہا کہ میں اسے موقوف خیال کرتا ہوں۔ واللہ اعلم

[1] ترجمہ یوں ہونا چاہئے، وہ دیوان سر و پوشیدہ دفتر سے کھلے دفتر میں آ جاتا ہے۔ پھر وہ اس دفتر میں اعلانیہ اور کھلے عمل کی صورت میں شمار ہوتا ہے۔ (علوی)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس نے غیر اللہ کے لئے کیا ہے اور نیت قلبی بھی یہی ہے تو وہ توبہ سے نیکی نہیں بن سکتا۔ البتہ توبہ کے باعث اسے عذاب نہ ہوگا اس صورت میں نہ اسے اس کا ثواب ہوا نہ عذاب۔ اور اگر اس نے محض خلصاً لوجہ اللہ کیا بعد ازاں اس کے دل میں قدرے عجب وغرور پیدا ہو گیا یا اس کے منہ سے اس کا تذکرہ نکل گیا پھر اس نے توبہ کر لی اور نادم وشرمسار ہوا تو اس صورت میں بعض دفعہ عمل کا ثواب دوبارہ مل جاتا ہے اور عمل ضائع نہیں ہوتا۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ثواب دوبارہ نہیں ملے گا عمل نئے سرے سے کرے۔

مرتد کے اعمال

حقیقت میں اس مسئلہ کی بنیاد اس مسئلہ پر ہے کہ محض ارتداد سے ہی عمل باطل ہو جاتے ہیں یا ارتداد پر مرنا بھی اس کے لئے شرط ہے؟ اس کے متعلق دو قول مشہور ہیں اور یہی دونوں روایتیں امام احمد سے مروی ہیں (1) اگر یہ کہیں کہ نفس ارتداد سے ہی باطل وحبط ہو جاتے تو جب مسلمان ہو جائے گا اس وقت وہ قبل از اسلام کے سابقہ اعمال سے از سرنو باطل کریں گے (2) اور اگر یہ کہیں کہ ارتداد پر مرنا شرط ہے تو اس صورت میں جب دوبارہ مسلمان ہوگا۔ اسی وقت اس کا ثواب واپس لوٹ آئے گا علی ہذا القیاس اسی اصول کی رو سے یہ مسئلہ بھی حل ہو سکے گا کہ اگر نیکی کے بعد انسان سے کوئی ایسی برائی سرزد ہو جائے جس سے وہ نیکی حبط ہو جائے بعد ازاں اس برائی کے بعد وہ توبہ کر لے تو کیا سابقہ نیکی کا ثواب ہی اسے واپس ملے گا یا ثواب جدید؟

مصنف کی تحقیق

غرضیکہ اس مسئلہ کے متعلق میرے (ابن قیم کے) دل میں ایک کھٹکا سا لگا رہا اور مجھے اس کی صحیح صورت معلوم کرنے کی خواہش رہی اور جہاں تک میرا خیال ہے اب کے متعلق کسی شخص نے کچھ تسلی بخش بیان نہیں کیا۔

نیکیوں اور برائیوں کی چپقلش

اور جو میرے ذہن میں آیا واللہ اعلم اللہ کی توفیق اور امداد سے جواب یہ ہے کہ نیکیوں اور برائیوں میں ہمیشہ جنگ چھڑی رہتی ہے اور دونوں ایک دوسری کو پچھاڑتی رہتی ہیں حتیٰ کہ جو فریق غالب آ جائے اس کے حق میں فیصلہ ہو جاتا ہے اور فریق ثانی مغلوب و شکست خوردہ ہونے کے باعث کالعدم کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے جب نیکیاں زیادہ ہو جائیں تو برائیوں کو دفع کر دیتی ہیں بعد ازاں جب انسان توبہ بھی کر لیتا ہے تو اس پر اور زیادہ نیکیوں کا اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ بڑھتے بڑھتے اتنی کثیر مقدار تک پہنچ جاتی ہیں کہ جو نیکیاں برائیوں نے مٹا ڈالی تھیں ان سے بھی بڑھ جاتی ہیں، پھر جب توبہ نصوح اور صحیح پختہ ارادے اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہو تو اس کی برائیوں کو جلا کر اس طرح کر دیتی ہیں۔ گویا ان کا وجود ہی نہ تھا۔

"فَاِنَّ التَّائِبَ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ۔" *

"کیونکہ گناہوں سے توبہ کرنے والا شخص یوں پاک ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔"

اس کی تائید حکیم بن حزام کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے زمانہ شرک و جاہلیت کے نیک کاموں، صلح رحمیوں اور عتق وغیرہ کے متعلق آنحضرت ﷺ سے دریافت فرمایا کہ ان پر ثواب ملے گا؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

"اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا اَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ۔" (احمد، مسلم، بخاری)

"قبل از اسلام کی سابقہ نیکیاں بھی تجھے ملیں گی۔"

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو نیکیاں بوجہ شرک باطل ہو چکی ہوں اسلام ان کا

---

* اسے ابن ماجہ نے سنن میں طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں مرفوعاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

ثواب واپس لوٹا دیتا ہے پھر جب انسان شرک سے توبہ کرے تو اس کی سابقہ نیکیوں کا ثواب اسے واپس مل جاتا ہے۔ اسی طرح جب انسان صدقِ دل سے خالص اور پختہ توبہ (یعنی توبۃ النصوح) کر لیتا ہے تو ایسی توبہ تمام برائیوں کو خاکِ سیاہ کر کے تمام نیکیوں کا ثواب دوبارہ واپس لوٹا دیتی ہے۔

مسئلہ کی وضاحت

ایک دوسرے طریقہ سے اس کی وضاحت یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح بعض امراض بدنی ہوتے ہیں اسی طرح بعض قلبی ہوتے ہیں مثلاً جیسے بخار اور درد بدنی امراض ہوتے ہیں اسی طرح گناہ اور برائیاں قلبی بیماریاں ہوتی ہیں اور جب مریض بیماری سے بالکل تندرست ہو جائے تو سابقہ تمام قوتیں عود کر آتی ہیں بلکہ وہ پہلے سے بھی کئی گنا طاقتور ہو کر یوں معلوم ہوتا ہے گویا آج تک وہ شائد بیمار و کمزور اور لاغر ہی نہیں ہوا تھا، تو خیر! اس مثال میں آپ قوت سابقہ کو بمنزلہ حسنات، مرض کو بے منزلہ گناہ اور صحت و عافیت کو توبہ کے قائم مقام تصور کر لیجئے پھر یہ بھی بخوبی سمجھ لیجئے کہ مریض مختلف طبیعت کے ہوتے ہیں مثلاً

1. بعض مریض ضعف عافیت کے باعث کبھی شفایاب نہیں ہو سکتے۔
2. بعض کی طبیعت میں چونکہ قوت مدافعت اور مقابلہ مرض کے اسباب اور پہلے سے بہتر حالت ہونے کی بدن میں صلاحیت موجود ہوتی ہے اس لئے وہ پہلے کی طرح دوبارہ تندرست ہو جاتے ہیں۔
3. بعض ایسے ہوتے ہیں جو پہلے سے بھی زیادہ تندرست، توانا و طاقتور ہو کر طبیعت میں پہلے سے بھی زیادہ نشاط و بشاشت پاتے ہیں کیونکہ ان کی طبیعت میں صحت و عافیت کے اس قدر قوی اسباب موجود ہوتے ہیں جو کمزوری و بیماری کے اسباب کو ایک منٹ ٹھہرنے کی اجازت نہیں دے سکتے حتیٰ کہ بعض دفعہ مریض کے لئے خود اس کا مرض ہی صحت کا موجب ہوتا ہے۔

جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے۔

لَعَلَّ عَتبَکَ مَحمُودُ عَواقِبُہٗ
وَرُبَّمَا صَحَّتِ الاَجسَامُ بِالعِلَلِ

''شاید تیرا عتاب ہی محمود العاقبت ثابت ہو اور بعض اوقات بیماری ہی جسم کے لئے صحت کا باعث ہوتی ہے''

اسی طرح توبہ کے بعد انسان کی تین حالتیں ہوتی ہیں کوئی پہلے درجے میں کوئی دوسرے میں اور کوئی تیسرے میں۔

وَاللّٰہُ المُوَفِّقُ لاَ اِلٰہَ غَیرُہٗ وَلَارَبَّ سِوَاہُ

''توفیق اللہ کی طرف سے ہے، اس کے سوا کوئی معبود اور رب نہیں ہے''

ممنوعات کا احساس

یہاں اس سوال کا جواب دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامِ امتناعی کی عظمت وہیبت اور امور ممنوعہ سے اجتناب کی علامات کیا ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کی علامات بے شمار ہیں مثلاً امور ممنوعہ کے نہ صرف دواعی اسباب سے دور رہنا بلکہ ہر اس وسیلہ وذریعہ کو ترک کر دینا جن کے ذریعہ ممنوعاتِ الٰہی کے ارتکاب یا کم از کم قریب ہونے کا شائبہ تک موجود ہو، تعظیم مناہی کی بین دلیل ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی تصویر دار مکان (تھیٹر وغیرہ جہاں ارتکابِ معصیت میں مبتلا ہونے کا خطرہ موجود ہوتا ہے) سے اس بنا پر دور رہے کہ مبادا وہ بھی کہیں اس میں مبتلا نہ ہو جائے علیٰ ہذا القیاس بے حرج چیز کو اس خطرہ سے ترک کر دینا کہ مبادا کہیں وہ باحرج میں داخلہ کا موجب نہوں یا ایک بے ضرورت مباح سے اس لئے اجتناب کرنا کہ وہ ارتکابِ مکروہ کا پیش خیمہ نہ ثابت ہو۔ علیٰ ہذا القیاس ہر ایسے شخص سے دور رہنا جو ممنوعاتِ الٰہیہ کا علانیہ ارتکاب کرتا ہو اس کی تحسین وتوصیف کرتا ہو۔ اس کی طرف دعوت دیتا ہو، اس

کا پروپیگنڈا کرتا ہو بلکہ وہ امتناعی امر کو پر کاہ کے برابر بھی نہ سمجھتے ہوئے بے دھڑک اس کا ارتکاب کرتا ہو۔ ممنوعاتِ الٰہیہ کی عظمت و ہیبت کی بہت بڑی علامت ہے کیونکہ ایسے شخص سے میل جول رکھنا اور اختلاط کرنا بھی غضبِ الٰہی وقہرِ خداوندی کا ذریعہ ہے ایسے آدمی سے تو وہی شخص میل جول رکھ سکتا ہے جس کے دل سے اللہ ذوالجلال نیز اس کی حرام ومنع کردہ چیزوں کی عظمت ہیبت اٹھ چکی ہو۔

تعظیمِ نہی کی علامات

دوسرا سوال:۔ تعظیم نہی کی علامات کیا ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ محارمِ الٰہی کی بے حرمتی ہوتے دیکھ کر غضب آلودہ ہو جانا اور خداوند قدوس کی زمین پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام کے قیام سے سراسر انحراف ہوتا دیکھ کر شکستہ دل اور غم و اندوہ سے لبریز ہو جانا جب کہ اسے ایسی صورت کو بدل ڈالنے کی طاقت نہ ہو تعظیم نہی کی واضح علامت ہے۔

امرونہی کی ادائیگی میں سُستی

امرونہی کی تعظیم وعظمت کی علامت یہ بھی ہے کہ بارگاہ الٰہی سے جب کسی کام کو کرنے کا حکم صادر ہو تو فوراً تیار ہو جائے یا کسی چیز کے متعلق امتناعی حکم نافذ ہو تو فوراً رُک جائے رخصت ومعافی کا بہانہ اور آڑ نہ تلاش کرے اور اگر کہیں کسی معاملہ میں کسی وقت شرع شریف سے رخصت ملتی ہو تو یہ نہ ہو کہ خود بدعمل ہو کر دوسروں کے لئے بدعملی کا نمونہ ثابت ہو یا رخصت کو دیکھ کر اس قدر سست وبدعمل ہو جائے کہ اگر کسی کو کسی وقت کسی ضرورت میں رخصت ملی بھی ہو تو وہ اس بدعمل کی بدعملی کو اسوہ بنا کر وقتی رخصت کو بے موقعہ و بے ضرورت استعمال کرنے لگ جائے اور جادۂ اعتدال سے یکسر منحرف ہو جائے۔

سخت گرمی میں نمازِ ظہر

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ شدت کی گرمی میں ظہر کے متعلق حدیث میں ابراد * کی رخصت آئی ہے تو اس رخصت کا مفاد یہ نہیں کہ ابراد کرتے کرتے نماز کا وقت ہی نکل جائے یا قریب الخروج تک پہنچ جائے۔ اگر ایسا کرتا ہے تو یہ "مترخص جافی" ہے یعنی رخصت میں حد سے زیادہ سستی ونرمی کرتے ہوئے اس کا غلط استعمال کرتا ہے۔

نرمی کی حِکمت

اور اس رخصت میں یہ حکمت ہے کہ شدتِ گرمی کے باعث انسان پوری طرح حضور قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا نہیں کرسکتا۔ اور ایک عبادت کو بددلی اور جبر واکراہ سے ادا کرتا ہے اس لئے شارع علیہ السلام کی یہ دانائی اور حکمت تھی کہ حرارت کی شدت ٹوٹنے تک تاخیرِ ظہر کا حکم صادر فرمایا کہ انسان حضور قلبی اور اطمینان سے نماز ادا کرسکے اور نماز کا اصل مقصود یعنی خشوع وخضوع اور اللہ کی طرف توجہ فوت نہ ہوجائے۔

* بخاری ومسلم اور اصحاب سنن نے ابوہریرہ ﷺ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِذَا اِشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوۃِ فَاِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَھَنَّمَ سخت گرمی میں ظہر کو قدرے تاخیر سے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کا جوش ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ وَلِمَنْ سَعٰی فِیْہِ

کھانا حاضر ہونے اور قضاء حاجت کے وقت نماز منع ہونے کی حکمت

اسی طرح نہی کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے کھانا حاضر ہونے اور پیشاب پاخانہ کی سخت حاجت لاحق ہونے...... کے موقع پر نماز پڑھنے سے منع [1] فرمایا ہے کیونکہ ایسے موقع پر تشویش ہوتی ہے، دل غیر حاضر ہوتا ہے اور نماز کا اصل مقصد (حضورِ دل اور خشوع وخضوع) فوت ہو جاتا ہے اس لئے انسان کی دانش مندی یہ ہوگی کہ پہلے اس کام کی طرف متوجہ ہو پھر فارغ القلب اور مطمئن ہو کر نماز ادا کرے ایسی صورت میں اگر وہ نماز ادا کریگا تو اس کا دل بالکل اللہ تعالیٰ کی طرف حاضر ہو گا۔ اس کی نماز توجہ الی اللہ کی طرف ہوگی اور اس کا ایک ایک عضو متوجہ الی اللہ ہوگا۔ تو اس قسم کی دو رکعتیں ہی اس کے لئے سابقہ گناہوں کی معافی کا باعث ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اس مثال سے بھی یہ بتلانا مقصود ہے کہ رخصت تاخیر کی آڑ لے کر وقتِ نماز ہی گذار دینا، رخصت کا غلط استعمال ہوگا اور اس کے عمل سے خود بخود ظاہر ہوگا کہ ایسے شخص کے دل میں تعظیم امر و نہی کا کس قدر جذبہ موجزن ہے؟

جمع بین الصلوٰتین کی حکمت اور اس کا غلط استعمال

علی ہذا القیاس جمع بین الصلوتین کو لے لیجئے آنحضرت ﷺ نے عذر کے وقت مسافر کو جمع بین الصلوتین کی رخصت دی ہے۔ کیونکہ اثناء سفر میں سواری سے اترنا متعذر نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہوتا ہے۔ لگاتار سفر کو جاری رکھتے ہوئے ہر نماز کو اپنے

---

[1] مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ لا صلوة محضرة الطعام ولا وهويد افعه الا خبثان "یعنی طعام حاضر ہونے اور پیشاب و پاخانہ کی شدید حاجت کے موقعہ پر نماز نہیں ہوتی۔"

اپنے وقت میں ادا کرنا مشکل ہے لہٰذا کسی منزل میں جب دو تین روز یا ایک دن کے لئے ہی قیام اور پڑاؤ کا موقعہ ہو تو وہاں جمع بین الصلوتین کا کوئی سبب نہیں کیونکہ وہ اس وقت ہر نماز اپنے اپنے وقت میں بلا مشقت ادا کر سکتا ہے۔ تو ایسی صورت میں خواہ مخواہ جمع بین الصلوتین کرنا سنت عامہ نہ ہوگا جیسا کہ اکثر اصحابِ سفر کا خیال ہوتا ہے کہ سفر میں دو دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا ہی سنت ہے خواہ عذر موجود ہو یا نہ ہو۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ قصر کرنا طریقہ نبوی ﷺ ہے۔ اور جمع بین الصلوتین ایک عارضی رخصت ہے۔ لہٰذا مسافر کے لئے چار رکعتوں کو دو پڑھنا یعنی قصر کرنا تو سنت ہے خواہ عذر ہو یا نہ ہو۔ مگر جمع بین الصلوتین ایک وقتی حاجت و رخصت ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں فرق ہے اس کی صورت اور ہے، اس کی اور۔

رخصتوں کا غلط استعمال

رخصت کی ایک دیگر مثال سنئے! کہ سیر ہو کر کھانے کی رخصت ہے اور یہ کوئی حرام امر نہیں۔ اب رخصت رخصت کر کے یہ مناسب نہیں کہ انسان کھاتے کھاتے اتنا ظلم ڈھائے کہ ناک کے نتھنوں تک بھر کر بیمار ہو جائے اور لگے چورن ڈھونڈھنے اور ہر وقت اسے کھانے سے پہلے بھی اور پیچھے بھی پیٹ ہی کی فکر ہو اس بھلے مانس کو چاہئے کہ کبھی سیر شکم ہو تو کبھی بھوکا بھی رہے اور کھاتے وقت طلب اشتہا باقی ہوتے ہوئے کھانا ترک کر دے۔ خود آنحضرت ﷺ نے طعام کی مقدار اور اس کا اندازہ بتلا دیا ہے کہ

"ثُلُثٌ لِطَعَامِهٖ وَ ثُلُثٌ لِشَرَابِهٖ وَ ثُلُثٌ لِنَفَسِهٖ۔" ✽

"تہائی کھانے کے لئے، تہائی پینے کے لئے اور تہائی سانس لینے کے لئے لہٰذا تینوں حصوں کو وقف طعام ہی نہیں کر دینا چاہئے۔"

✽ اسے ترمذی، ابن ماجہ، اور ابن حبان نے مقدام بن معدیکرب سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا

یہ تشریحات امرونہی کی ادائیگی میں نرمی وسستی اور بدعملی کے متعلق تھیں۔ اب تشدید وغلو کی صورت ملاخط فرمایئے۔

امرونہی میں غلو کی ممانعت

امرونہی میں تشدید وغلو کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک وسواسی شخص وضو کرتے کرتے نماز کا وقت گذار دے یا بار بار تکبیر تحریمہ کہتے کہتے اتنا وقت گذار دے کہ امام کے ساتھ سورہ فاتحہ نہ پڑھ سکے یا وہ رکعت ہی اس سے فوت ہونے لگے یا اتنا صوفی و پرہیز گار بنا پھرے کہ عام مسلمانوں کا طعام کھانا ہی ترک کردے کہ مبادا اس کے اندر حرام ومشتبہ مال چلا جائے اور بعض علم سے کورے اور جاہل صوفیہ وزہاد پر تو اس غلط ورع و پرہیز گاری کا جنون اس قدر سوار ہوا کہ اسلامی شہروں کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز تک کو حرام ومشتبہ سمجھ کر ٹال دیتے۔ اور نہ کھاتے مگر عیسائی شہروں سے آئی ہوئی چیزوں کو حلال وطیب جان کر ڈکار جاتے اور قصداً عیسائی شہروں سے کھانے کی چیزیں (بسکٹ وغیرہ) منگواتے تو دیکھئے ان جاہل صوفیوں کو جہل مفرط اور غالیانہ زہد نے ہی اہل اسلام سے بدظن کر دیا اور عیسائیوں کے حق میں حسن ظن وخوش فہمی کا بیج بو دیا۔ نعوذ باللہ۔

تو تعظیم امرونہی کی حقیقت یہ ہے کہ نہ وہ بے ضرورت کی رخصتوں سے ٹکرائیں اور نہ ان میں تشدد وغلو ہو، کیونکہ امرونہی سے اصل مقصود تو ہے صراط مستقیم جو اس پر چلنے والے کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔

شیطان کے دو حربے: افراط وتفریط

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہر امرِ الٰہی کے متعلق شیطان دو قسم کے حربے استعمال کرتا ہے۔ اوّل تقصیر وتفریط دوم غلو وافراط جس حربہ سے بھی اسے انسان پر کچھ کامیابی کے آثار نظر آرہے ہوں۔ اس پر ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ پہلے قلبِ انسانی کا گوشہ گوشہ ٹٹول کر جائزہ لیتا ہے کہ اس میں تفریط کا عنصر غالب ہے یا افراط کا اگر اس

میں لچک نرمی سستی وکمزوری اور رخصت پسندی نظر آئے۔تو اسی ذریعہ سے پھانس کر اسے امرِ الٰہی کی ادائیگی سے بالکل بُزدل بنا کر بٹھا دیتا ہے اور اس کے ایک ایک عضو پر ڈھیلا پن اور سستی و کاہلی کے قُفل جڑ جڑ کر اس پر طرح طرح کی تاویلات کے دروازے کشادہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی گونا گوں رحمتوں کی امیدوں کے سبز باغ دکھا دکھا کر اسے مغرور کر دیتا ہے حتیٰ کہ بسا اوقات اس حربہ کا اثر اس قدر ہوتا ہے کہ انسان جملہ ماموراتِ الٰہیہ کا تارک ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس بعض انسان جو شیلے، جلد باز، ہوشیار و چالاک اور ہر کام کر گذرنے والے ہوتے ہیں۔جن سے بزدلی کی توقع نہیں اور نہ بزدل بنائے بغیر ان سے کام نکلتا ہے اس لئے اس کو مزید جوش دلا کر حد سے زیادہ جدوجہد اور کوشش کی ترغیب دے کر پھنساتا ہے کہ میاں حقیر سا عمل تجھے کافی نہیں۔تجھے اس سے کئی گنا زیادہ عمل کی طاقت ہے اور دوسروں سے بڑھ چڑھ کر تجھے نیکی کرنا چاہئے۔مزہ تو جب ہے کہ جب وہ سو جائیں تو تم اس وقت بھی ہوشیار بیدار رہو۔وہ روزہ افطار کریں تو تم مت افطار کرو۔وہ عمل کرتے سست پڑ جائیں تو تم سستی کو قریب تک نہ آنے دو۔ دوسرے تین بار ہاتھ منہ دھو دیں تو تم سات دفعہ دھوؤ۔اور جب باقی لوگ وضو کر کے نماز پڑھیں تو تم نہا کر پڑھا کرو۔وغیرہ۔

غرضیکہ شیطان ہر وقت اسے اسی طرح افراط وغلو کی ترغیب دیتا اور صراطِ مستقیم کی حدود کو پھاند جانے کی تلقین کرتا رہتا ہے۔جیسا کہ پہلے کو تقصیر وتفریط اور سستی ونرمی بلکہ بدعملی پر ابھارتا رہتا ہے۔اصل غرض دونوں کو صراط مستقیم سے دور رکھنا ہوتا ہے پہلے کو صراط مستقیم سے چار قدم پیچھے ہٹا کر اور دوسرے کو چار قدم آگے بڑھا کر اور یہی شیطان کی سب سے بڑی فریب کارانہ چال ہے، جس میں اکثر لوگ پھنس کر رہ گئے اور جس سے بچنے کا صرف یہی ذریعہ ہے کہ انسان کے پاس علم راسخ ہو۔قوت ایمانی ہو۔شیطانی ہتھکنڈوں سے مقابلہ کی طاقت و جرات موجود ہو اور مزید براں افراط و

تفریط کی راہ سے بچ کر درمیانی راہ پر مضبوطی کیساتھ جم جائے تو پھر دیکھئے اللہ کی اعانت کس طرح دستگیری کرتی ہے۔ واللہ المستعان۔

امرونہی کی علت وحکمتِ شرعی کے علم کا فائدہ

تعظیم امرونہی کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ انسان کسی امر کو کسی ایسی علت پر محمول کرنا ترک کردے جو امرِ الٰہی کے متعلق ضُعفِ انقیاد اور عدمِ تسلیم کا باعث ہو بلکہ ارشاد خداوندی ملتے ہی اسے سرِ تسلیم خم کردینا چاہئے خواہ اس کی حکمت کا علم ہو یا نہ ہو اگر اس امرونہی کی حکمت شرعی کا پتہ چل جائے تو اسے مزید انقیاد وتسلیم اور اطاعت کا موجب ہونا چاہئے۔ نہ کہ وہ زندقہ والحاد اور بے دینی کا باعث ہو جیسا کہ اکثر زندیق فقیروں اور جعلی صوفیوں کے لئے زندقہ والحاد کا باعث ہوئی، کیونکہ اللہ نے پانچ نمازیں شروع فرمائی ہیں تو اس لئے کہ ذکر الٰہی ہمیشہ قائم ودائم رہے اور دل زبان اور اعضاءِ جوارح تمام اپنی اپنی جگہ اپنا اپنا مقرر شدہ وظیفہ عبودیت ادا کرتے رہیں جس کے لئے انسان پیدا ہوا۔ اس لئے نماز عبودیت کے اکمل ترین مراتب پر وضع ہوئی جس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں۔

ایمان وغفلت کا مرکب انسان

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو پیدا کر کے اشرف المخلوقات قرار دے کر جملہ کائنات سے چُن لیا۔ پھر اس کے دل کو ایمان وتوحیدِ اخلاص ومحبت، حیاو تعظیم اور خوف الٰہی کا گنج گراں مایہ بنایا۔ اور پھر ان پر عملدرآمد سے اس کا ثواب بھی سب سے زیادہ افضل واکمل یعنی دیدارِ الٰہی رضوانِ خداوندی اور جنت میں خداوند تعالیٰ کا قُرب تجویز فرمایا پھر اسے آزاد نہیں رکھا بلکہ اس میں امتحان کے لئے غضب وشہوت اور غفلت ونسیان کا مادہ رکھ دیا اور ساتھ ہی ایک انتھک دشمن (ابلیس) کو پیچھے لگا دیا۔ جو

اس کے انھیں طبعی و انسانی دروازوں سے داخل ہوتا ہے اور چونکہ نفسانی خواہشات کے ذرائع کو کام میں لاتا ہے جو خود نفس انسانی کو محبوب و پسندتر ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ خود بخود اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں شیطان انسان کا اپنا نفس اور اس کی خواہشات تینوں متفق ہو کر اس ایک پر مسلط و حکمران ہو جاتی ہیں اور اپنے اپنے کام کے لئے اعضاء و جوارح کو استعمال کرتی ہیں جو پہلے ہی ایک مطیع و منقاد آلہ ہے اس لئے اسے اٹھتے ہی بنتی ہے غرضیکہ اسی طرح وہ اعضاؤ جوارح کو استعمال کرتی رہتی ہیں اور اسے جدھر مروڑیں اور جو کام لینا چاہیں، وہ ہاتھ بندھے غلام کی طرح کام دیتے ہیں۔ یہ تو تھا انسانی حالت کا مقتضا۔ اب رحمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ جو لشکر اس کی ہلاکت کے درپے تھا اس کے مقابلہ کے لئے دیگر لشکر اور دیگر امداد سے اس کی اعانت کی یعنی اس کی طرف رسول بھیجا۔ اس کی خاطر کتاب نازل فرمائی پھر ساتھ ہی ایک طاقتور اور بزرگ فرشتہ سے اس کی امداد فرمائی جو اس کے ازلی دشمن کا مقابلہ کرتا ہے۔ جب شیطان اس کو شیطنت کی ترغیب دیتا ہے۔ تو وہ امرِ الٰہی کی اطاعت کا حکم دیتا ہے اور دشمن کی پیروی میں جو جو نقصانات و ہلاکتیں ہوتی ہیں وہ ایک ایک کر کے اس کے سامنے واضح کرتا ہے۔ غرضیکہ وہ بدی کی ترغیب دیتا ہے تو وہ نیکی پر آمادہ کرتا ہے۔ رہا شیطان سے محفوظ و مصئون رہنا تو یہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی منصور اور محفوظ ہوگا جس کی خود اللہ نصرت و حمایت فرمائیں۔

نفسِ امارہ و نفسِ مطمئنہ

پھر نفسِ امارہ کے مقابل اللہ نے اسے نفسِ مطمئنہ بھی عنایت فرمایا ہے۔ جب نفسِ امارہ برائی کی دعوت دیتا ہے تو نفسِ مطمئنہ اسے منع کرتا ہے اور جب نفسِ امارہ نیکی سے روکتا ہے تو نفسِ مطمئنہ اس کی دعوت دیتا ہے اور انسان ہے جو کبھی نفسِ مطمئنہ کی پیروی کرتا ہے تو کبھی نفسِ امارہ کی اطاعت کر گذرتا ہے اور جس کی زیادہ اطاعت

گذاری کرے وہی غالب اور دوسرا مغلوب رہتا ہے اور بعض دفعہ تو ان دونوں میں سے ایک اس قدر مغلوب و مقہور ہو جاتا ہے کہ بالکلیہ ہمیشہ کے لئے کالمعدوم ہو کر کبھی دوسرے کا مقابلہ ہی نہیں کر سکتا۔

خواہشاتِ نفسانی اور عقل و نورِ ایمانی

پھر اللہ نے شیطان اور نفسِ امارہ کی اطاعت پر برانگیختہ کرنیوالی خواہشات کے مقابل عقل و بصیرت اور نورِ ایمانی عطا فرمایا ہے۔ جو اسے خواہشات کی پیروی سے منع کرتا ہے۔ اور انسان جب بھی خواہشات کی ہوس پوری کرنا چاہتا ہے تو عقل و بصیرت اور نورِ ایمانی اسے زور سے آواز دیتے ہیں کہ خبردار! بچنا اس سے دور رہنا، دیکھ! تیرے سامنے سراسر ہلاکت و بربادیوں کا طوفان بپا ہے۔ اگر ہماری رائے کے برخلاف ایک قدم بھی اُٹھاؤ گے تو ڈاکوؤں اور راہزنوں کا شکار بنو گے۔ اب حضرت انسان ہے کہ کبھی ناصح کی نصیحت پر کاربند ہونے سے رشد و ہدایت پا کر طرح طرح کی بھلائی جمع کر لیتا ہے تو کبھی راہنمائے خواہشات کے پیچھے لگ کر اور ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ کر جب اپنے مال و اسباب بلکہ اپنے جسم کے چیتھڑوں تک سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، تو سر منڈا کر خود ہی شیشہ دیکھ کر پوچھتا ہے کہ بڑے میاں کہاں سے آئے؟ حالانکہ تعجب تو اس پر آتا ہے کہ اس کو خوب پتہ ہے کہ کہاں سے آیا اور کہاں، کس راستے، کس مقام پر، لوٹ کھسوٹ اور اس کی خاطر تواضع ہوئی؟ مگر پھر وہ ہے کہ اسی راستے بھاگتا دوڑتا ہے اور اس کو چھوڑتا نہیں کیونکہ رہبرِ خواہشات کا اس پر جادو چل چکا ہے اور ہوس نے پوری طرح اس پر قابض و حکمران ہو کر مغلوب کر رکھا ہے چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اس کی مخالفت کر کے اسے کمزور کرتا، وہ خواہش پرستی کی دعوت دیتا تو اسے دھتکار دیتا اور جب اس پر تسلط جمانا چاہتا تو لڑ کر اس کا تمام تسلط توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا۔ لیکن یہاں کیا کیا جائے جب کہ اس نے خود اپنا نفس اس کے حوالے کر دیا ہو۔ اور اپنا ہاتھ اس

التفات قلبی وبصری

نماز میں جو التفات (دائیں بائیں جھانکنا) منع فرمایا گیا ہے وہ دو قسم کا ہے اول ''التفات قلب'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل ہٹا کر غیر اللہ کی طرف لگانا دوم ''التفات بصر'' یعنی اللہ سے نظر ہٹا کر غیر اللہ کی طرف لگانا۔

یہ دونوں اقسام منع ہیں اور جب تک انسان نماز کی طرف متوجہ رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جب دل یا آنکھ کی توجہ غیر اللہ کی طرف ہٹا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اعراض کر لیتے ہیں۔ * رسول اللہ ﷺ سے نماز میں دائیں بائیں جھانکنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

''اِخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ۔'' *

''شیطانی جھپٹ ہے جو کہ شیطان نمازی کی نماز سے جھپٹ مارتا ہے۔

ایک حدیث میں یوں بھی آیا ہے۔''

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى خَيْرٍ مِنِّي ؟اِلٰى خَيْرٍ مِنِّي ؟ *

''عز وجل فرماتے ہیں کیا مجھ سے کسی بہتر ہستی کی طرف جھانکتا ہے؟ مجھ سے اعلیٰ کی طرف؟''

نماز میں اِدھر اُدھر جھانکنے کی مثال

نماز میں التفات قلبی و بصری (یعنی دل یا آنکھ سے اِدھر اُدھر جھانکنے والے کی

---

* احمد وابوداؤد اور نسائی نے بواسطہ ابی الاحوص ابوذر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا یزال اللہ مقبلا علی العبد فی صلوته مالم یلتفت فاذا صرف وجھه انصرف عنه یعنی نمازی جب تک نماز میں اِدھر اُدھر نہ جھانکے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں مگر جب اللہ سے دھیان ہٹا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی توجہ پھیر لیتے ہیں۔

* بخاری و مسلم از عائشہ۔ * حافظ منذری نے ترغیب وترہیب میں بصیغۂ تمریض بروائت جابر رضی اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ سے طویل حدیث میں ذکر کر کے کہا کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے۔

مثال اس شخص کی سی ہے جسے کوئی بادشاہ بلائے اور اپنے سامنے کھڑا کر کے اس سے بات چیت اور گفتگو کرنے لگے وہ بے وقوف اثناء کلام میں ہی بادشاہ سے توجہ ہٹا کر دائیں بائیں جھانکنے لگ جائے۔ اور توجہ قلبی نہ ہونے کے باعث بادشاہ کے کلام کا مفہوم تک نہ سمجھ سکے کیونکہ اس کا دل تو وہاں سے غیر حاضر ہوگا تو ایسے شخص کے متعلق بتلایئے! سلطان کا کیا رویہ ہوگا؟ کیا وہ کم از کم اتنی سزا کا مستحق نہ ہوگا کہ بادشاہ کی نظروں سے گر کر اور غضب سلطانی کی زد میں آ کر شاہی عدالت سے مار مار کر نکال دیا جائے؟

حضورِ قلب اور بے خشوع نماز میں فرق

غرضیکہ ایسا نمازی کبھی اس نمازی کے برابر نہیں ہوسکتا جس کی تمام تر توجہ نماز میں صرف اللہ جل شانہ کی ذات اقدس کی طرف مرکوز ہے اور جس نے اپنے دل کو (پہلے ہی) اس ذات کی عظمت وہیبت سے خبردار کر کے جس کے سامنے اب ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔

اپنے دل کے رگ وریشہ میں اللہ کی ہیبت وعظمت طاری کر لی ہے۔ اور وہ دہشت خداوندی سے تھر تھر کانپ رہا ہے اس کی گردن خم ہو چکی ہے اور وہ اپنے رب سے شرمسار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو چھوڑ کر غیروں کی طرف التفات کرلے یا جھانکے اور نہ ہی ان دونوں کی نمازیں یکساں ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ حسان ابن عطیہ کا قول ہے۔

"اِنَّ الرَّجُلَیْنِ لَیَکُوْنَانَ فِی الصَّلٰوۃِ الْوَاحِدَۃِ وَاِنَّ مَا بَیْنَھُمَا فِی الْفَضْلِ کَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔" (کتاب الزہد، از عبداللہ بن مبارک)

"دو آدمی ایک ہی نماز میں کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن دونوں کے درمیان زمین وآسمان کا تفاوت ہوتا ہے۔"

اس کی وجہ محض یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور

دوسرا غافل ۔تو یاد رکھئے سامنے حجاب ہوتے ہوئے جب انسان اپنے جیسی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتو وہ کوئی توجہ وغیرہ نہیں اور نہ اسے تقرب کا نام دیا جاتا ہے۔تو کیا اللہ تعالیٰ کے سامنے حجاب رکھ کر اسے توجہ الی اللہ اور تقربِ الٰہی کا نام دیا جاسکتا ہے؟ علیٰ ہذالقیاس جب انسان اللہ خالق و برتر کی طرف متوجہ ہو۔اور سامنے بُرے بُرے خیالات ووساوس اور شہوات کا حجاب چڑھا ہو۔جن سے طبیعت مشغوف ہوکر سرتا پا شہوانی خیالات وسواسات سے بھرپور ہو، تو یہ کیسے توجہ الی اللہ ہوگی جب کہ افکار و خیالات اور وسواسات نے اسے اللہ تعالیٰ سے غافل کر کے کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہو۔

نماز سے شیطان بے حد چڑتا ہے

انسان جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو شیطان کو غیرت آتی ہے کیونکہ انسان اس وقت ایک ایسے مقام میں ہوتا ہے جو تمام مقامات سے افضل واقرب الی اللہ، عظیم الشان اور شیطان کو از حد چڑانے اور غصہ چڑہانے کا موجب ہوتا ہے اس لئے وہ اسے اس مقام سے اکھیڑنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور صَرف کر دیتا ہے۔اسے جھوٹے وعدے دیتا ہے خواہشات کے سبز باغ دکھاتا ہے۔طرح طرح سے بھلاتا ہے اور اپنے تمام سوار و پیادے اس پر چھوڑ دیتا ہے۔حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کے دل سے نماز کی اہمیت کم ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ سستی کرتے کرتے آخر تارک و بے نماز بن جاتا ہے۔

نماز میں شیطان کے داؤ

اگر وہ اتنا نہ کر سکے اور انسان اس کے قابو سے باہر رہ کر اسی مقام میں قائم رہے تو شیطان دل میں طرح طرح سے وسواسات ڈالنے کے درپے ہو جاتا ہے اور انسان اور اس کے دل میں حائل ہوکر ہر طرح نماز میں وہ وہ چیزیں یاد دلاتا ہے جو نماز شروع کرنے سے پہلے اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتیں، حتیٰ کہ بسا اوقات بعض اہم ضروریات اور سخت ضرورت کی چیزیں یاد دلاتا ہے جن سے انسان بالکل مایوس و

ناامید ہو چکا ہوتا ہے یہ اس لئے کرتا ہے کہ انسان اللہ کی بجائے ان چیزوں کے دھیان میں لگا رہے اور نماز میں اس کا دل موجود ہی نہ ہوتا کہ اقبال وتوجہ الی اللہ سے جو انعامات واکرامِ الٰہیہ حاصل ہوتے ہیں ان سے محروم رہ جائے اور بعینہٖ اس کی یہی صورت ہوتی ہے کہ وہ خود تو نماز میں موجود ہوتا ہے مگر اس کا دل موجود نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو انعامات واکرام اللہ کی جانب سے نماز میں حاضر القلب اور متوجہ الی اللہ شخص کو حاصل ہوتے ہیں ان تمام سے وہ یکسر محروم رہتا ہے اور جس طرح گناہوں اور بدیوں کے گٹھڑے لے کر نماز میں داخل ہوا تھا ویسے کا ویسا ہی گناہوں سے لدا نماز سے فارغ ہوتا ہے ایک گناہ تک ہلکا نہیں ہوتا۔

حقیقی نماز سے راحت اور ٹھنڈک

حالانکہ نماز کی تو حقیقت ہی یہ ہے کہ جو اسے بکمالِ خشوع وخضوع اور حضورِ قلب کے ساتھ ادا کرے اور اپنے تن من، قلب وقالب سمیت متوجہ الی اللہ ہو جائے۔ اس کی بدیوں کا کفارہ بنجاتی ہے اور ایسا شخص جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اپنی طبیعت میں ہلکا پن سا معلوم کرتا ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بے شمار بوجھ اتر چکے ہیں۔ حتیٰ کہ طبیعت میں اس قدر نشاط وانبساط اور آرام وسرور پاتا ہے کہ اسے تمنا ہوتی ہے کاش! وہ نماز سے کبھی فارغ نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ نماز کیا تھی اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک، روح کی تسکین، دل کی راحت اور دنیا میں ہی اس کے دل کی جنت وآرام تھی، لہذا وہ جب تک نماز سے باہر رہتا ہے ماہی بے آب کی طرح بے چین اور اپنے کو تنگی ومصیبت اور قید خانے میں محسوس کرتا ہے۔ تا آنکہ دوبارہ نماز میں داخل ہو کر بآرام ہو نہ یہ کہ نماز سے بے آرام ہو کیونکہ اللہ کے محبّ تو کہا ہی یوں کرتے ہیں۔ کہ آؤ میاں!

نُصَلِّي فَنَسْتَرِيحُ بِصَلَاتِنَا نماز پڑھ کر طبیعت خوش کریں۔

چنانچہ اللہ کے پیاروں کے امام ومقتدا اور ان کے پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ۔

يَابِلَالُ اَرِحْنَا بِالصَّلٰوةِ. (ابو داؤد روایت سالم بن ابی الجعد)

اے بلال آیئے! ہمیں نماز سے خوش کیجئے یہ نہیں کہا تھا اَرِحْنَا مِنْهَا کہ نماز سے ہماری جان چھڑایئے۔

نیز آپ نے فرمایا تھا کہ

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ. (نسائی و حاکم بروایت انس)

نماز تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنائی گئی ہے۔

تو نماز جس ذات گرامی کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ انھیں اس کے بغیر صبر آ سکتا ہے؟ اور نماز کے بغیر ان کی آنکھیں کب ٹھنڈی ہو سکتی ہیں؟

نماز کی دعاء اور بددعاء

غرضیکہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسے حاضر القلب انسان کی نماز ہی وہ نماز ہے جو آسمان کی طرف صعود کرتی ہے۔ جس کی چمک دمک ہوتی ہے اور اس کے لئے نور و برہان ہوتا ہے حتیٰ کہ چڑھتے چڑھتے اللہ کے حضور میں پہنچتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف عزت کی نظر فرماتے ہیں تو اس نمازی کو دعا دیتی ہے کہ

"حَفِظَكَ اللّٰهُ كَمَا حَفِظْتَنِيْ"

"اللہ تیری حفاظت فرمائے جیسا کہ تو نے میری حفاظت کی"

لیکن اس کے برعکس جو شخص نماز میں افراط کرتا ہے اس کے حقوق و حدود اور خشوع وغیرہ کو ضائع کرتا ہے تو اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر اس کے منہ پر ماری جاتی ہے، تو وہ کہتی ہے کہ

ضَيَّعَكَ اللّٰهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِيْ

"جس طرح تو نے مجھے ضائع و برباد کیا اسی طرح اللہ تجھے ضائع و برباد کرے"

ایک مرفوع روایت جسے بکر بن بشر نے بواسطہ سعید بن سنان از ابی الزاہریہ از ابی

الشجرۃ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَامِنْ مومِنٍ يُتِمُّ الْوُضُوْءَ اِلٰى اَمَاكِنِهِ ثُمَّ يَقُوْمُ اِلَى الصَّلٰوةِ فِي وَقْتِهَا فَيُوَدِّيْهَا لِلّٰهِ عَزَّوَ جَلَّ لَمْ يَنْقُصْ مِنْ وَقْتِهَا وَرُكُوْعِهَا وَسُجُوْدِهَا وَمَعَالِمِهَا شَيْئًا اِلَّا رُفِعَتْ لَهُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بَيْضَاءَ مُسْفِرَةً يَسْتَضِيْٓئُ بِنُوْرِهَا مَابَيْنَ الْخَافِقَيْنِ حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهَا اِلَى الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَمَنْ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَمْ يُكْمِلْ وُضُوْءَهَا وَاَخَّرَهَا عَنْ وَقْتِهَا وَاسْتَرَقَ رُكُوْعَهَا وَسُجُوْدَهَا وَمَعَالِمَهَا رُفِعَتْ عَنْهُ سَوْدَاءَ مُظْلِمَةً ثُمَّ لَاتُجَاوِزُ شَعْرَ رَاسِهٖ تَقُوْلُ ضَيَّعَكَ اللّٰهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِيْ ضَيَّعَكَ اللّٰهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِيْ *

''کوئی مومن پوری طرح وضو کر کے نماز کے لئے وقت پر اُٹھ کر اُسے ادا کرے نہ اسے بے وقت کرے نہ اس کے رکوع وسجود اور باقی ارکان میں کسی قسم کا نقص آنے دے تو وہ سفید اور نور سے چمکتی ہوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھائی جاتی ہے جس کی روشنی سے مشرق و مغرب چمک اُٹھتے ہیں حتی کہ چڑھتے چڑھتے عزوجل کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ لیکن جو نماز کے لئے اُٹھے۔ نہ پورا وضو کرے نہ وقت پر ادا کرے اور چوروں کی طرح اس کے رکوع وسجود و دیگر ارکان کی چوری کرے تو سیاہ کالی ہو جاتی ہے اور اس کے سر سے بھی اوپر نہیں جاتی اور اسے بددعا دیتی ہے۔

* اس حدیث کی سند بہت تلاش کی مگر کہیں نہ ملی۔ البتہ طبرانی نے کبیر میں بروایت عبادہ بن صامت اس سے ملتی جلتی ایک حدیث بیان کی ہے اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ البتہ احوص بن حکیم کو ابن مدینی وعجلی نے ثقہ بتایا۔ مگر ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ طبرانی نے اس جیسی ایک اور حدیث بروایت انس بن مالک اوسط میں روایت کی ہے۔ مگر مجمع الزوائد میں ہے کہ اس کی سند میں عباد بن کثیر ہے جو اجماعًا ضعیف ہے۔ (رشید رضا مرحوم)

کہ جا اللہ تجھے اسی طرح ضائع و برباد کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع و برباد کیا۔

غرضیکہ صلوۃ مقبولہ اور عمل مقبول یہ ہے کہ انسان ایسی نماز پڑھے جو اللہ تعالیٰ کے پیش ہونے کے لائق و قابل ہو۔ لہٰذا جب نماز بارگاہ رب العزت میں پیش ہونے کے قابل ہو جائے اور صلاحیت رکھے۔ وہ نماز مقبول ہو گی۔

عمل مقبول کی اقسام

عمل مقبول کی دو قسم ہے۔

① اول یہ کہ انسان اس صورت نماز پڑھے، جملہ طاعات بجالائے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس میں محو ہو جائے اور علی الدوام اللہ کو یاد رکھے تو اس شخص کے اعمال اللہ تعالیٰ کے عین روبرو پیش کیے جاتے ہیں۔ عزوجل ان کی طرف نظر کرتا ہے تو انھیں خالص توجہ کیے ہوئے قابل ستائش پاتا ہے۔ جو ایک سلیم با اخلاص محبِ الٰہہ و متوجہ الی اللہ دل سے صادر ہوئے ہیں تو ان کو پسند فرماتا ہے۔ ان سے محبت کرتا ہے۔ اور انھیں قبول فرماتا ہے۔

② دوسرا یہ کہ انسان عادت کے مطابق غفلت سے ادا کرے اور دل میں نیت ہو کہ طاعت و تقرب الی اللہ کے لئے کر رہا ہے تو اس کے ظاہری اعضاء و جوارح طاعت میں مصروف ہوں گے مگر دل ذکرِ الٰہی سے غافل ہو گا۔ اس کے تمام اعمال کی یہی صورت ہو گی۔ لہٰذا جب یہ اعمال اللہ عزوجل کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں تو نہ اللہ تعالیٰ کے روبرو کیے جاتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ ان کو ملاحظہ فرماتے ہیں، بلکہ جہاں دفاتر اعمال پڑے ہوتے ہیں وہاں رکھ دیئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تب ان کے اعمال چھانٹے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں گے ان کا ثواب مل جائے گا۔ اور جو لوجہ اللہ نہ کیے گئے ہوں گے اس کے منہ پر مارے جائیں گے۔ یہ ہے بارگاہِ الٰہی میں اس عمل کی قبولیت عمل کی

صورت ۔اس عمل کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ثواب میں اپنی پیدا کردہ مخلوق چیزیں مثلاً قصور ومحلات ،کھانے پینے کی چیزیں اور حوریں عنایت فرمائے گا۔اور پہلی قسم کے لوگوں کو اپنی رضا اور قرب عنایت کرے گا اور ان کا مقام ومرتبہ اور درجے بلند کرے گا ۔تو گویا بے حساب چیزیں عنایت ہوں گی۔ بہر حال ایک مقام یہ ہے اور ایک مقام وہ۔

نمازیوں کی اقسام

نمازیوں کو بلحاظ نماز پانچ درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

اوّل مفرط یعنی اپنے نفس پر ظلم کنندہ شخص جو نماز کے اوقات ،حدود وارکان اور وضووغیرہ سے کوتاہی کرتا ہے۔

دوم جو نماز کے اوقات ،حدود، ظاہری ارکان اور وضووغیرہ کی حفاظت کرتا ہے لیکن وسوسوں کو دور کرنے میں زور نہیں صرف کرتا بلکہ نفس کو وسوسوں کی نذر کردیتا ہے اور خیالات وتفکرات میں ہی لگا رہتا ہے۔

سوم جو اس کے حدود وارکان کی بھی محافظت کرتا ہے اور افکار ووساوس کو دور کرنے میں بھی ہمت صرف کرتا ہے تو ایسا شخص چونکہ اپنے دشمن کے ساتھ جہاد میں مشغول ہوتا ہے کہ اس کی نماز کی چوری نہ کرسکے تو یہ صرف نمازی ہی نہیں بلکہ مجاہد بھی ہے۔

چہارم وہ شخص جو نماز کے لئے جب اٹھتا ہے تو اس کے جملہ حقوق ارکان اور حدود کو پوری طرح ادا کرتا ہے اور اس کی حدود وحقوق کی حفاظت میں اپنا دل مستغرق کرتا ہے۔کہ نماز کا کہیں کچھ نقصان نہ ہونے پائے۔صرف یہی نہیں بلکہ اس کی تمام قوتیں کما حقہ نماز کی تکمیل واحترام اور اقامت میں مصروف ووقف ہوتی ہیں اور نماز و عبادت خداوندی کی اہمیت نے اس کا دل کلیتہً نماز میں مستغرق کردیا ہوتا ہے۔

پنجم وہ شخص جو نماز کے جملہ حقوق ،ارکان، حدود کو پوری طرح ادا کرتا ہے مگر قسم

چہارم سے بھی چار قدم آگے ہے وہ اپنا دل حدود وارکان نماز کی تکمیل میں صرف مستغرق ہی نہیں کرتا بلکہ دل کو اٹھا کر خدائے عزوجل کی بارگاہ عالی میں رکھ کر دل کی آنکھوں سے اسے دیکھتا ہے۔ اوراس کی محبت وعظمت سے اس قدر بھرپور ہوتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے مشاہدہ کرر ہا ہے اور دل کے تمام افکارو وساوس زائل ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ اوراس کے تمام درمیانی حجابات اُٹھ چکے ہیں تو اس شخص اور غیروں کی نماز میں بلحاظ عظمت وفضیلت آسمان وزمین کا فرق ہوتا ہے اور ایسا شخص نماز میں اپنے رب سے مشغول ہوتا ہے اور مشاہدۂ الٰہی سے ہی اپنی آنکھیں بار بار ٹھنڈی کرتا ہے۔

پانچوں قسم کے نمازیوں کی الگ الگ جزا

پہلی قسم کا نمازی معاقب یعنی سزا کا مستحق ہوتا ہے قسم دوم محاسب یعنی حساب کے قابل ہوتا ہے۔ قسم سوم مکفر عنہ یعنی اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں قسم چہارم مثاب یعنی نماز سے گناہ معاف ہونے کے بعد اس پر ثواب بھی ملتا ہے۔ قسم پنجم مقرب یعنی اسے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہوتا ہے کیونکہ یہ اس جماعت کا فرد ہے جن کو نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور سرور وآرام حاصل ہوتا ہے۔ غرضیکہ جسے نماز پڑھنے سے دنیا میں قرۃ العین حاصل ہوا سے آخرت میں ہی قرب الٰہی کے باعث قرۃ العین حاصل نہیں ہوگی بلکہ دنیا میں بھی وہ اس مرتبہ سے محروم نہیں رہے گا اور جس کو ذاتِ باری تعالیٰ سے بھی خنک چشمی حاصل نہ ہوئی تو اس کا جینا کیا جینا؟ سراسر حسرت و ندامت ہے۔

التفات فی الصلوٰۃ سے حجاب

حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا قَامَ يُصَلِّي قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَ جَلَّ :اِرْفَعُوا الْحُجُبَ فَاِذَا الْتَفَتَ قَالَ اَرْخُوْهَا۔

''انسان جب نماز پڑھنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ حجاب اٹھادو۔لیکن جب وہ التفات کرتا یعنی ادھر ادھر جھانکنے لگ جاتا ہے تو فرماتے ہیں حجاب ڈال دو۔''

اس ''التفات'' کی تشریح سابقاً بیان ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دل ہٹا کر غیروں کی طرف لگانا۔ ''التفات'' کہلاتا ہے۔

غرضیکہ جب وہ غیروں کی طرف التفات کرتا ہے تو عز وجل اپنے اور اس کے مابین حجاب کر دیتے ہیں۔حجاب ہوتے ہی شیطان آ داخل ہوتا ہے اور اس کے دل پر دنیوی امور کے طرح طرح کے خیالات ووسوسے ڈالنے لگ جاتا ہے اور بعینہ ایسے کر دکھاتا ہے جیسے انسان شیشے میں سے مختلف چیزیں دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس جب وہ توجہ قلبی اللہ تعالیٰ کی جانب مبذول کر لیتا ہے اور ادھر ادھر نہیں جھانکتا تو شیطان کو اتنی قدرت نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ و انسان کے دل کے مابین حائل ہو کر وسوسے ڈال سکے۔شیطان اسی صورت ہی انسان پر داخل ہوسکتا ہے جب اللہ وانسان کے درمیان حجاب ہو جائے لیکن اگر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ کر چلا جائے۔اور اپنے دل کو حاضر رکھے تو شیطان فرار ہو جاتا ہے۔غرضیکہ نماز میں انسان اور اس کے دشمن شیطان کو یونہی ٹکر لگی رہتی ہے۔پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ نماز میں حضورِ قلب اور اشتغال باللہ کی طاقت انسان کو تب ہی حاصل ہوتی ہے کہ اپنی شہوات وخواہشات کو مغلوب ومقہور کر لے، ورنہ سمجھ لیجئے کہ شہوت نے اس کے دل کو مغلوب کر لیا ہے۔ خواہشات اس کو اسیر کر چکی ہیں اور شیطان نے اس کے اندر اپنا ٹھکانا بنا کر اس پر اپنا پورا قبضہ وتسلط جمالیا ہے۔تو وہ افکار ووساسات سے کیسے خلاص ہوسکتا ہے۔

دل تین قسم کے ہیں

پھر دل بھی تین قسم کے ہوتے ہیں۔

اوّل وہ دل جو ایمان اور تمام قسم کی خیر و برکت سے خالی ہوتا ہے یہ دل اندھیری کوٹھڑی کی طرح تاریک ہوتا ہے جسے دیکھ کر شیطان بیحد خوش ہوتا ہے کہ اس میں پوری آزادی سے وسوسے ڈالنے کا موقع ملتا ہے اور یقیناً یہ اس کے لئے خوشی کا مقام ہے کیونکہ اس قسم کا دل شیطانی اڈہ اور شیطانی جگہ ہوتا ہے اور شیطان بے دھڑک جس طرح چاہتا ہے اس پر حکمرانی کرتا ہے اور پوری طرح اس پر قبضہ جما لیتا ہے۔

دوم وہ دل جو نور ایمان سے چمک دمک رہا ہوتا ہے اس کے اندر نور ایمانی کی قندیل جگمگا رہی ہوتی ہے لیکن اس پر ظلمت شہوت اور خواہشات کی تیز و تند آندھیاں چل رہی ہوتی ہیں۔ تو اس قسم کے دل پر شیطان کبھی آتا ہے اور کبھی جاتا ہے کبھی چڑھتا ہے کبھی اترتا ہے۔ غرضیکہ دونوں میں باہم جنگ سی چھڑی رہتی ہے کبھی دل کا پلہ بھاری رہتا ہے کبھی شیطان کا اور بلحاظ قلت و کثرت دل کی مختلف حالتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ان میں سے بعض کے دشمن پر غلبہ کے اوقات زیادہ ہیں اور بعض کے دشمن کے ان پر غلبہ کے اوقات زیادہ ہیں اور ان میں بعض، بعض دفعہ غالب آتا ہے اور بعض دفعہ مغلوب ہو جاتا ہے۔

سوم ایمان سے بھرا ہوا دل جو نور ایمانی سے چمک رہا ہے جس سے تمام حجابات شہوانی دور ہو چکے ہیں۔ ظلمات کافور ہو چکے ہیں۔ غرضیکہ ایسا دل رکھنے والے سینے میں نور ایمانی کی روشنی ہے جس میں ایسی حرارت موجود ہے کہ وسواسات اس کے قریب جائیں تو جل کر راکھ ہو جائیں۔ گویا وہ دل اس آسمان کی مانند ہے جس کی ستاروں سے حفاظت کی گئی ہے۔ اگر کوئی شیطان اس کے قریب جاتا ہے تو چنگارہ (شعلہ) کھا کر جل جاتا ہے۔

مومن کی حرمت و عزت آسمان سے زیادہ ہے

یہ بخوبی یاد رکھنا چاہئے کہ آسمان مومن سے زیادہ باحرمت نہیں مومن کی عزت و

حرمت آسمان سے کہیں اعلیٰ و برتر ہے اور آسمان سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ مومن کی حفاظت کرتا ہے آسمان مستقرِ وحی، فرشتوں کی عبادت گاہ اور انوارِ طاعات کا مقام ہے مگر مومن کا دل مستقر توحید، منبع محبت، چشمۂ معرفت اور سرچشمۂ ایمان ہے۔ جس میں توحید الٰہی محبتِ خداوندی، معرفتِ الٰہی، اور ایمان باللہ کا نور جگمگا رہا ہے۔ تو یقیناً وہ اس قابل ہے کہ دشمن کی فریب کاریوں سے اسے محفوظ رکھا جائے اور اس کی حفاظت کی جائے تاکہ وہ اچانک اور غفلت کی حالت میں جھپٹ کے سوا کسی صورت اس کا نقصان نہ کر سکے۔

دل کی مثال مکان کی مانند

اس کی بہترین مثال یوں بھی دی جاسکتی ہے کہ مکانات تین قسم کے ہوتے ہیں۔

اوّل شاہی مکان جس میں شاہی جواہرات شاہی خزانے اور شاہی ذخیرے جمع ہوتے ہیں دوم انسان کا اپنا مکان جس میں صرف اس کے اپنے جواہرات وذخائر اور خزانے ہوتے ہیں لیکن وہ شاہی خزانوں اور شاہی ذخیروں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ سوم بالکل خالی مکان جس میں کچھ بھی نہیں۔ تو بتلایئے چور کس مکان کو نقب لگائے گا؟ اور کس سے چوری کریگا؟ آپ کہیں گے کہ خالی مکان سے کچھ چرانا محال ہے چونکہ خالی گھر میں چرانے کے قابل کوئی شے ہے ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ یہودی کہتے ہیں نماز میں ہمیں وسوسہ نہیں آتا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خوب جواب دیا کہ

وَمَا يَصْنَعُ الشَّيْطَانُ بِالْقَلْبِ الْخَرَابِ

''تباہ شدہ دل کے ساتھ شیطان کیا کرے گا؟''

اگر آپ یہ کہیں بادشاہ کے گھر سے چوری کرے تو یہ بھی محال اور ناممکن کی طرح ہے کیونکہ اس پر محافظ و پہرہ دار ہوتے ہیں اور اتنا سخت پہرہ ہوتا ہے کہ چور اس کے قریب تک نہیں

جا سکتا اور یہ بالکل درست ہے چور اس کے قریب کیسے آ سکتا ہے کیونکہ بادشاہ خود بنفسہ اس کا خیال رکھتا ہے۔ پھر اس کے اردگرد بیشمار فوجیں اور لشکر بھی سنگینیں لئے موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا اب چور کے لئے صرف تیسرا گھر ہی باقی رہ جاتا ہے جس پر وہ خوب ڈاکے ڈالتا ہے۔

اب دانشمند انسان کو اس مثال میں پوری طرح غور کرنا چاہئے اور مکانوں کی بجائے دلوں پر چسپاں کرنا چاہئے۔ تو تمام دل بعینہ ان مکانوں کی مثل معلوم ہوں گے۔

اوّل وہ دل جو ہر خیر و بہتری سے خالی ہو۔ یہ کافر و منافق کا دل ہے۔ یہی گھر ''بیت شیطان'' یعنی شیطان کا گھر ہے جو اس نے اپنے لئے وقف کر رکھا ہے اور اپنا مسکن وقیام گاہ اور مستقر (اڈہ) بنا رکھا ہے۔ تو اس کو اس سے کیا چرانا ہے؟ جس میں اس کے اپنے ہی ذخائر و خزینے اپنے شکوک و خیالات اور شبہات و وسواسات پڑے ہیں؟

دوم وہ دل جو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال، محبت و مراقبت اور حیا سے بھر چکا ہے، ایسے دل پر کس شیطان کو ہمت پڑ سکتی ہے؟ اور کون شیطان جرأت کر سکتا ہے؟ اور بفرض محال، اس سے کوئی چیز چوری کرنا چاہے گا تو کیا چرائے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ کبھی انسان کی غفلت و بے خبری میں کسی وقت جھپٹ مار کر چھین لینے میں کامیاب ہو جائیگا تو بعید از عقل نہیں ممکن ہے کیونکہ غفلت و نسیان تو پھر بھی اس کا فطری خاصہ ہے آخر وہ بشر ہے، اور بشریت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ بھول جاتا ہے اس سے غفلت ہو جاتی ہے ذہول و نسیان ہو جاتا ہے اور پھر غلبۂ طبع بھی موجود ہے۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مذکور ہے کہ انہوں نے کہا۔ ایک آسمانی کتاب میں ہے:

''لَسْتُ اَسْكُنُ الْبُيُوْتَ وَلَا تَسَعُنِيْ وَاَيُّ شَيْءٍ يَسَعُنِيْ وَالسَّمٰوٰتُ حَشْوُ كُرْسِيْ؟ وَلٰكِنْ اَنَا فِيْ قَلْبِ الْوَادِعِ التَّارِكِ لِكُلِّ شَيْءٍ سِوَايَ.''

''میں گھروں میں سکونت نہیں کیا کرتا اور نہ ہی گھروں میں سما سکتا ہوں اور مجھے کون سی چیز اپنے اندر سما سکتی ہے۔ حالانکہ تمام آسمان تو میری کرسی میں سمائے ہوئے ہیں۔ ہاں میں ہوں تو اس شخص کے دل میں جس نے میرے سوا تمام چیزوں کو خیر باد کہہ دیا ہے اور صرف مجھ سے لو لگائی ہے۔''

یہی معنی حدیث ذیل کا ہے کہ

مَاوَسِعَتْنِیْ سَمٰوَاتِیْ وَلَااَرْضِیْ وَوَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُوْمِنِ.

''مجھے میرے آسمان و زمین اپنے اندر نہیں سما سکتے۔ مگر مردِ مومن کا دل مجھے اپنے اندر سما سکتا ہے۔'' [1]

سوم وہ دل جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید، محبت، معرفت، ایمان باللہ اور اس کے وعدہ اور وعید کی تصدیق موجود ہوتی ہے ساتھ ہی اس میں شہوات نفسانیہ وعادات نفسانی اور دواعی طبع وخواہشات بھی موجود ہوتے ہیں۔ وہ دل جوان دو قسم کے دواعی اور محرکات میں گھرا ہوتا ہے اور وہ بالکل ان کے درمیان ہوتا ہے کبھی ایمان و معرفت، محبت الٰہی اور ارادت خداوندی کی دعوت دینے والے کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور کبھی خواہشات و طبیعت کی طرف دعوت دہندہ شیطان کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو ایسے دل کے متعلق شیطان کو بہت بڑی امیدیں ہوتی ہیں ہر وقت اس پر وار چلاتا ہے اور قسم قسم کے نقصانات کرتا ہے۔ رہی نصرت وکامیابی تو عزوجل جسے چاہے عنایت فرماتا ہے۔ کیونکہ

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ (آل عمران: ۱۲۶)

''نصرت صرف اللہ عزیز وحکیم کی جانب سے ہی عنایت ہوا کرتی ہے۔''

پھر یہ بھی یاد رکھیے! کہ جو اسلحہ وہتھیار اس دل کے ہاں موجود ہوتے ہیں۔

---

[1] بقول حافظ ابن تیمیہؒ یہ اسرائیلی روایت ہے جس کا معنی ہے مومن کے دل میں مجھ پر ایمان اور میری محبت میری معرفت سمائی ہوئی ہے۔ یہ کہنا کہ مومن کا دل میرا محل اور جگہ ہے۔ یہ تو کفر ہے۔
(حاشیہ الوابل الصیب ص ۶۰) (علوی)

انھیں سے شیطان کو قوت وقدرت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو اپنے ہی اسلحہ وہتھیار اس کے ہاں موجود پاتا ہے۔ لہٰذا وہ انھیں کو لے کر اس سے لڑنے لگ جاتا ہے۔ اس کے ہتھیار کیا ہیں؟ یہی شہوات و شبہات وسواسات اور جھوٹی امیدیں ہی اس کے اسلحہ جات ہیں جو دل میں موجود ہوتے ہیں لہٰذا جب شیطان اس کے ہاں جاتا ہے تو اسے جنگی سامان سے تیار بر تیار پاتا ہے۔ اس لئے انھیں کو اُٹھا کر دل پر حملہ آور ہوتا ہے اگر انسان کے ہاں اس جنگی سامان سے زیادہ ایمان و اخلاص کا حربہ وسامان بر وقت تیار موجود ہو جس سے وہ ان کا مقابلہ کر سکے تو شیطان سے انتقام لے سکتا ہے۔ اگر ایمانی حربہ موجود نہیں تو دشمن غالب رہے گا۔ وہ حربہ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ ہے لیکن جب انسان خود ہی شیطان کو بلا کر اپنے گھر کا دروازہ کھول دے اور اسے اندر داخل کر کے تمام ہتھیار اسے دیدے جن سے وہ اسی پر حملہ کر دے تو انسان خود قابلِ نفرین وملامت ہوگا۔

فَنَفْسَکَ لُمْ وَلَا تَلُمِ الْمَطَایَا وَمُتْ کَمَدًا فَلَیْسَ لَکَ اِعْتِذَارٌ.

لہٰذا سواریوں کو ملامت نہ کیجئے۔ بلکہ اپنے نفس کو ملامت کیجئے۔ اور غم سے مرتے رہئے اب تمہیں عذر کرنے کا حق نہیں رہا۔

حدیث حارث کے لفظ وَاٰمُرُکُمْ بِالصِّیَامِ کی تشریح

اب ہم حدیث حارث کے بقیہ الفاظ کی تشریح کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جس میں شیطان سے بچنے کی چیزوں کا تذکرہ ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”وَاٰمُرُکُمْ بِالصِّیَامِ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِکَ مَثَلُ رَجُلٍ فِیْ عِصَابَۃٍ مَعَہٗ صُرَّۃٌ فِیْھَا مِسْکٌ فَکُلُّھُمْ یَعْجَبُ اَوْ یُعْجِبُہٗ رِیْحُہٗ وَاِنَّ رِیْحَ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ۔“

”میں تمہیں روزہ رکھنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ روزہ دار کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی جماعت میں کستوری کی تھیلی لئے موجود ہو۔ جس کی خوشبو سے سب کا دماغ معطر ہوتا ہے یا اپنا ہی معطر ہو، اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی بہتر ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے روزہ دار کی مثال اس تھیلی والے سے دی ہے جس میں کستوری بھری ہو۔ کیونکہ کستوری کی تھیلی آنکھوں سے اوجھل کپڑوں کے نیچے ہوا کرتی ہے جیسا کہ عطاروں اور کستوری والوں کی عادت ہے بعینہ اسی طرح روزہ دار کا روزہ لوگوں کے مشاہدہ سے مخفی و مستور ہوتا ہے اور حواسِ ظاہری کے ادراک سے باہر ہوتا ہے۔

روزۂ شرعی

رہا یہ کہ صائم یعنی روزہ دار کون ہوتا ہے؟ تو بخوبی جان لیجئے کہ روزہ دار وہ ہوتا ہے کہ جس کے اعضاء و جوارح گناہوں سے، زبان کذب و فحش اور جھوٹے کلام سے پیٹ کھانے پینے سے اور فرج زنا سے محفوظ ہو، لہٰذا جب وہ بولے گا تو زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہیں نکالے گا۔ جس سے اس کا روزہ مجروح ہو یا کوئی کام کرے گا۔ تو ایسا فعل ہرگز نہیں کرے گا جس سے روزہ فاسد ہوتا ہو اس لئے اس کے منہ

سے جو کلمہ نکلے گا صالح و فائدہ مند ہوگا۔ علی ہذا القیاس جو عمل کرے گا صحیح و درست کرے گا۔

لہٰذا یہ کلمات و اعمال اس خوشبو کی مانند ہیں۔ جو کستوری والے کے پاس بیٹھنے والے کے دماغ کو معطر کرتی ہے بعینہ اسی طرح جو شخص روزہ دار کے پاس بیٹھتا ہے اس کی مجلس سے کچھ نہ کچھ فائدہ لے اٹھتا ہے اور کذب و فجور اور ظلم و جھوٹ سے بچا رہتا ہے۔ یہ ہے روزۂ شرعی نہ یہ کہ صرف کھانے پینے منہ سے بند کر لے۔ اور باقی سب کچھ دبائے چلا جائے۔

چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ

"مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ." (صحیح بخاری، باب الادب)

"جو شخص جھوٹ بولے جھوٹ پر عمل کرے اور جاہلانہ افعال کو ترک نہ کرے تو اللہ کو اس کے کھانا پینا ترک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

نیز ایک حدیث میں یوں بھی آتا ہے۔

رُبَّ صَائِمٍ حَظُّهُ مِنْ صِيَامِهِ الْجُوْعُ وَالْعُطْشُ۔ (ابن خزیمہ، سنن بیہقی)

"اکثر روزہ داروں کو بھوک پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

لہٰذا روزہ وہی ہے کہ اعضا و جوارح گناہوں سے بند ہوں اور پیٹ کھانے پینے سے بند ہو کیونکہ جس طرح اکل و شرب روزہ کو توڑ دیتا ہے اور فاسد کر ڈالتا ہے۔ اسی طرح گناہ بھی روزہ کا ثواب منقطع کر دیتا اور اس کا ثمرہ خراب و برباد کر ڈالتا ہے حتیٰ کہ روزہ دار بالکل بمنزلہ بے روزہ ہو جاتا ہے۔

روزہ دار کے منہ کی بُو کا کستوری سے زیادہ ہونا

(قیامت میں یا دنیا میں)

پھر یاد رکھئے! روزہ دار کے منہ کی اس بُو کے متعلق اختلاف ہے کہ اس کا وجود دنیا میں ہوتا ہے یا آخرت میں ہوگا؟ اس میں دو قول ہیں۔ اور دو استادوں یعنی ابو محمد بن عبد السلام اور ابو عمرو بن صلاح کے مابین اس کے متعلق نزاع چل گئی کہ یہ بو دنیا میں بھی ہوتی ہے یا صرف آخرت میں ہوگی تو ابو محمد اس طرف مائل ہوئے کہ یہ صرف آخرت میں ہی ہوگی اور اس کے ثبوت میں ایک کتاب لکھ ڈالی اور شیخ ابو عمرو ﷫ اس طرف مائل ہو گئے۔ کہ یہ دنیا و آخرت دونوں میں ہوتی ہے آپ نے بھی اپنے ثبوت میں ایک کتاب لکھ ڈالی جس میں ابو محمد کی تردید کی ہے اور ابو حاتم بن حبان کا مسلک اختیار فرمایا ہے کیونکہ ابو حاتم نے اپنی صحیح میں پہلے اس مسئلہ کے متعلق یوں باب باندھا ہے کہ ذکر البیان بان خلوف فم الصائم اطیب عند اللہ تعالیٰ من ریح المسک یعنی اس مسئلہ کا بیان کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بہتر ہے، پھر اعمش کی وہ حدیث لائے ہیں جو بواسطۂ ابی صالح ابو ہریرہ ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّيَامُ وَالصِّيَامُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ. *

” آدمی کے جملہ اعمال اسی کے ہوتے ہیں لیکن روزہ میرا ہوتا ہے اور میں ہی

---

* اسے بخاری و مسلم وغیرہما نے بالفاظ مختلف روایت کیا ہے۔ ”خُلُوف“ بفتح فاء و ضم کھانا پینا ترک کرنے سے منہ کی خراب ہوا کا نام ہے۔ اور سفیان بن عیینہ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کل عمل ابن ادم لہ الا الصوم فانہ لی (یعنی انسان کے تمام عمل اسی کے ہیں مگر روزہ میرے لئے ہے)

روزہ میرا ہے اور میں ہی اس کی جزا دونگا اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے یقیناً روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں قیامت کے دن کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ ہوگی اور روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک افطاری کے وقت دوسرے جب اللہ سے ملاقی ہوگا تو اپنے روزہ کی وجہ سے خوش ہوگا۔"

ابو حاتم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دوسری امتوں سے فرق کے لئے مومنوں کی پہچان تحجیل یعنی اعضاء وضو کی چمک سے ہوگی۔ جو دنیا میں وضو کی وجہ سے دھوتے رہے۔ اسی طرح قیامت کو روزہ داروں کی شناخت کے لئے ان کے لئے مونہوں کی بو کستوری سے زیادہ خوشبو میں بدل جائیگی تا کہ وہ اس عمل کی وجہ سے تمام لوگوں سے خود بخود پہچانے جاسکیں۔ جعلنا اللہ منھم . آمین

بعد ازاں ایک اور باب باندھتے ہیں جس کا عنوان ہے **ذکر البیان بان خلوف فم الصائم قد یکون ایضا اطیب من ریح المسک فی الدنیا** یعنی یہ بیان کہ روزہ دار کے منہ کی بو کبھی دنیا میں بھی کستوری کی خوشبو سے زیادہ ہوتی ہے۔

پھر شعبہ کی حدیث لاتے ہیں جو بواسطہ سلیمان ذکوان سے وہ ابو ہریرہؓ سے اور ابو ہریرہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ۔

"كُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا ابْنُ آدَمَ بِعَشْرِ حَسَنَاتٍ اِلٰى سَبْعِمَائَةِ ضِعْفٍ يَقُولُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا الصَّوْمَ فَهُوَ لِي وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ يَدَعُ الطَّعَامَ مِنْ اَجْلِي وَالشَّرَابَ مِنْ اَجْلِي وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ حِيْنَ يُفْطِرُ وَفَرْحَةٌ حِيْنَ يَلْقٰى رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ حِيْنَ يَخْلُفُ مِنَ الطَّعَامِ اَطْيَبُ عِنْدَاللهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ."

"انسان جو نیکی کرتا ہے وہ ثواب میں دس سے سات سو تک چلی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لیکن روزہ میرا ہے اور میں ہی اس کی جزا دونگا میرے

اس کی جزا دونگا اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی بہتر ہے۔''

اس کے بعد دوسرا باب باندھتے ہیں جس کا عنوان ہے ذکر البیان بان خلوف فم الصائم یکون اطیب عند الله من ریح المسک یوم القیمة یعنی اس مسئلہ کا بیان کہ روزہ دار کے منہ کی بو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بہتر ہوگی پھر ابن جریج کی حدیث لاتے ہیں جو بواسطہ اعطاء ابو صالح زیات سے مروی ہے کہ اس نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّیَامَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ بِفِطْرِهٖ وَاِذَا لَقِیَ اللّٰهَ تَعَالٰی فَرِحَ بِصَوْمِهٖ.''

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان کے جملہ اعمال اس کے اپنے ہوتے ہیں مگر

☜ (بقیہ حاشیہ پچھلا صفحہ) کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ قیامت کے دن جب عزوجل حساب لیں گے تو انسان کے تمام عمل ان مظالم کے عوض لوگوں کو دیدیں گے جو انسان کے ذمہ ہوں گے حتیٰ کہ صرف روزہ ہی باقی رہ جائیگا تو عزوجل اس کے باقی مظالم کو خود اپنے ذمے لے کر اسے جنت میں داخل کر دیگا۔ ابی عبیدہ سے مروی ہے کہ روزہ میں جزا نہیں آتی جیسا کہ دوسرے عملوں میں آجاتی ہے بعض نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اس کی جزا دونگا اور صرف مجھے ہی یہ علم ہے کہ اس کے ثواب کی مقدار کیا ہے؟ اور یہ کتنے گنا بڑھ سکتا ہے؟ کیونکہ بعض عملوں کا ثواب اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ دس سے سات سو تک ہوتا ہے مگر روزہ کا ثواب کسی کو معلوم نہیں کہ کس قدر ہے کیونکہ وہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بے حساب اجر دوں گا بعض نے اس کا مطلب بتایا ہے کہ روزہ اللہ کو سب عملوں سے زیادہ محبوب اور وہی اللہ کے ہاں سب سے مقدم ہے ابن عبد البر کا قول ہے کہ تمام عملوں پر روزہ کی فضیلت کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہی قول کافی ہے کہ الصوم لی یعنی روزہ میرے لئے ہے۔ حافظ بن حجر نے اس مسئلہ پر نہایت لمبی چوڑی بحث کی ہے۔ (فتح الباری)

لئے کھانا چھوڑتا ہے اور میری خاطر ہی پینا ترک کرتا ہے لہذا میں ہی اس کا بدلہ دونگا اور روزہ دار کے لئے دو فرحتیں ہوتی ہیں ایک فرحت اس وقت جب روزہ افطار کرتا ہے دوسری فرحت جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا اور طعام سے فراغت ⓵ کے وقت روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بہتر ہوتی ہے۔

اور ابو محمد نے اس حدیث سے حُجت پکڑی ہے جس میں وہ خوشبو قیامت کے روز سے مقید ہے۔

میں (ابن قیم) کہتا ہوں ابو محمد کے اس قول کی شاہد وہ متفق علیہ حدیث بھی ہے جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

”وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَامِنْ مَکْلُوْمٍ یُکْلَمُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَنْ یُکْلَمُ فِیْ سَبِیْلِہٖ اِلَّا جَآءَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَکَلْمُہٗ یَدْمٰی اَللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ وَالرِّیْحُ رِیْحُ مِسْکٍ۔“ (بخاری و مسلم از ابوھریرہ رضی اللہ عنہ)

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں زخمی انسان اور اللہ کو ہی زیادہ علم ہے کہ کون اس کے راستہ میں زخمی ہوا؟ قیامت کو بہتے خون ہی پیش ہوگا رنگ خون کا ہوگا مگر خوشبو کستوری کی ہوگی۔“

تو اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ بتلایا ہے کہ مجروح فی سبیل اللہ کے زخم کی بو قیامت کو کستوری کی خوشبو کی مانند ہوگی۔

اور یہ حدیث خلوف فم الصائم والی حدیث کی نظیر ہے کیونکہ دنیا میں تو حواس یہی پتہ دیتے ہیں کہ وہ خون ہے وہ بو ہے، ہاں یہ بجا ہے کہ عز وجل ان دونوں (خون شہید و خلوف صائم) کو قیامت کے دن کستوری سے بدل دے گا۔

⓵ خلف من الشئی کا معنی ہوتا ہے کہ کسی شے سے منہ موڑنا، اعراض کرنا۔ اس لئے معنی ہوگا۔ جب روزے دار کا معدہ کھانے سے خالی ہوتا ہے تو اس کے منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے

اور شیخ ابو عمرو نے ابو حاتم کی اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جس میں اس کو خلوف یعنی منہ کی بدبو کے وقت سے مقید فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خلوف دنیا میں موجود ہے کیونکہ جب مبتدا خلوف فم الصائم کو ظرف حین یخلف سے مقید کیا گیا۔ تو اس کی خبر اطیب عند اللہ بحالت تقیید کی خبر ہوگی کیونکہ مبتدا کو جب وصف یا حال یا ظرف سے مقید کر دیا جائے تو اس کی خبر بھی تقییدی حالت کی خبر ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی خوشبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک فراغت طعام کے وقت ہی ثابت ہوتی ہے۔

ابو عمرو فرماتے ہیں اور حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اُعْطِیَتْ اُمَّتِیْ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ خَمْسًا۔"

"میری امت کو ماہ رمضان میں پانچ چیزیں عنایت کی گئی ہے۔"

یہ حدیث بیان کی اور کہا اس نے یہ الفاظ ہیں:

"وَاَمَّا الثَّانِیَۃُ فَاِنَّھُمْ یُمْسُوْنَ وَرِیْحُ اَفْوَاھِھِمْ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ۔"

"دوسری فضیلت جب شام کرتے ہیں تو ان کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ بہتر ہوتی ہے۔"

بعد ازاں شارحین نے طیب کے معنی اور طیب کی تاویل کے متعلق جو کلام کیا ہے اسے ذکر کیا ہے کہ طیب کا معنی روزہ دار کی مدح وثنا اور اس کے اس فعل پر رضامندی کا اظہار ہے اور بس جیسا کہ اکثر شارحین کی یہ عادت ہے کہ وہ بلا ضرورت ہر چیز کی اس قدر تاویلیں کرتے پھرتے ہیں گویا تاویلات میں اللہ تعالیٰ کی خاص برکت رکھی ہوئی ہے جس پر ٹوٹ مرے ہیں یا انہوں نے اس کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ آخر اس تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کہ اطیب عند اللہ من ریح المسک سے مراد فاعل کی

مدح کرنا اور اس کے اس فعل پر اسے شاباش دینا مقصود ہے؟ اور پھر ایسی تاویل سے فائدہ ہی کیا ہے کہ لفظ اپنی اصل حقیقت سے ہی خارج ہو جائے؟ اکثر ایسے لوگ کسی لفظ کا خود ہی ایک معنی گھڑ لیتے ہیں۔ بعدازاں خود ہی مدعی بن بیٹھتے ہیں کہ فلاں نص کے فلاں لفظ سے یہی معنی مراد ہے جو ہم نے بیان کیا۔ حالانکہ نہ انھیں یہ پتہ ہے کہ فلاں لفظ کا استعمال اس کے ان معین کردہ معنوں میں ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ اور نہ انہیں یہ معلوم ہے کہ لغوی لحاظ سے یہ لفظ کون سے معنی کا احتمال رکھتا ہے؟ اور یہ واضح امر ہے کہ اس طرح کے بے تکے معنی اللہ اور رسول ﷺ پر اس بات کی شہادت دینا ہے کہ شارع علیہ السلام کے کلام کا فلاں فلاں مطلب یہی ہے کیونکہ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں لفظ فلاں معنی کے لئے موضوع ہے یا عرف شارع میں اس کا یہ معنی ہے۔ یا عام عادت کی رو سے اس کا یہی معنی ہے یا اس لفظ کا اکثر استعمال اسی معنی میں ہی ہوتا ہے یا شارع نے فلاں لفظ کی فلاں تفسیر فرمائی ہے تو یا تو اس کا ثبوت پیش کرنا ہوگا ورنہ وہ ایک جھوٹی شہادت ہوگی جس کی کم تر وادنیٰ صورت یہ ہے کہ وہ علم کے بغیر دی گئی ہو۔ یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ لوگ تمام خوشبوؤں سے کستوری کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے مثال دے کر سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کو روزہ دار کے منہ کی بو ایسی اچھی لگتی ہے، جیسی ہمیں کستوری، بلکہ اس سے بھی زیادہ، رہی اللہ تعالیٰ کی طرف اسے طیب و بہتر سمجھنے کی نسبت تو یہ کوئی نئی نسبت نہیں بلکہ بعینہ ایسے ہے جیسے ہم اس کی جملہ صفات اور اس کے تمام افعال کو اس کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں کیونکہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا طیب سمجھنا مخلوق کے بہتر سمجھنے کے مماثل نہیں، جیسا کہ اس کی رضا غضب کسی چیز سے خوش ہونا۔ کسی کو ناپسند فرمانا کسی سے محبت کرنا، کسی کو دشمن جاننا مخلوق کے رضا و غضب، خوشی و کراہت اور حُبّ و بغض کے مماثل نہیں۔ جس طرح اس کی ذات مخلوق کی ذات کے مشابہ نہیں۔ اس کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں اس کے افعال مخلوق کے افعال کے مشابہ نہیں ہیں۔ اسی طرح اس کے بہتر سمجھنے اور ہمارے

بہتر سمجھنے میں کوئی مشابہت نہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پاک و بلند و بالا اچھے بولوں کو پسند فرماتا ہے۔اس لئے وہ اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل صالح کو پسند فرماتا ہے تو اسے اوپر اٹھاتا ہے۔

جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ہے۔

اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُهٗ (فاطر ۳۵)

''کلمات طیبہ اس کی طرف صعود کرتے ہیں اور عمل صالح کو اپنی طرف اٹھالیتا ہے۔''

تو عزوجل کا یہ پسند فرمانا ہمارے پسند کرنے کی طرح نہیں۔

پھراس کی یہ تاویل بھی رفع اشکال نہیں کرسکتی کیونکہ جو اشکال اسے استطابہ (یعنی بدبُو کو اللہ تعالیٰ کے بہتر سمجھنے) میں آتا ہے ویسا ہی اللہ تعالیٰ کی رضا پر وارد ہوتا ہے۔ اگر کہیں کہ وہ مخلوق کی رضا جیسی نہیں تو جواب دینا چاہیئے کہ یہ اچھا جاننا بھی مخلوق کے اچھا جاننے کی طرح نہیں اور اسی پر آئندہ آنے والے مسائل کی بنیاد ہے۔

پھرابو عمر وتقیید قیامت کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث میں یومِ قیامت کا اس لئے ذکر کیا گیا کہ روزِ جزا ہے اور اسی دن ہی اعمال تُلنے سے پتہ چلے گا کہ خلوف (منہ کی بدبُو) رضائے الٰہی کی خاطر بدبو دور کرنے کے لئے لگائی ہوئی کستوری سے بھی فائق وراجح ہے۔جیسا کہ اس نے مساجد اور نماز وغیرہ عبادت کے لئے بدبُو رفع کرنے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا ہے تو بعض روایات میں روز قیامت کو خصوصاً اسی طرح ذکر فرمادیا جیسا کہ اس آیت

اِنَّ رَبَّهُمۡ بِهِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ (عادیات:۱۰)

یقیناً لوگوں کا رب ان کے متعلق اس قیامت کے دن باخبر ہوگا۔

میں خاص فرمایا ہے۔اور باقیوں میں اس لئے مطلق چھوڑ دیا کہ اس کی اصل افضلیت دونوں جہان میں ثابت ہے۔

میں (ابن قیم) کہتا ہوں۔ تعجب ہے کہ آپ ابو محمد کا اس چیز میں رد کرتے ہیں جس سے نہ انہیں انکار ہے نہ اور کوئی انکار کرتا ہے کیونکہ دنیا میں استطابت مذکورہ (اللہ تعالیٰ کا اس بدبو کو دنیا میں بہتر سمجھنا) حاصل ہونے کی تفسیر جو آپ نے روزہ دار کی بارگاہ الٰہی سے مدح وثناء اور روزہ رکھنے پر اللہ کی رضامندی سے کی ہے وہ تو ایک ایسا امر ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب قرآنِ مجید میں نیز ان احادیث میں روزہ داروں کی مدح وثنا فرمائی ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ نے عزوجل کی طرف سے لوگوں کو بیان فرمائی ہیں اور ان کے اس فعل پر اپنی رضا مندی کا اظہار فرمایا ہے۔ لہٰذا اگر وہ یہی استطابت (بدبو کو بہتر سمجھنا) ہے تو کیا آپ شیخ ابو محمد کو اس سے منکر تصور کرتے ہیں؟ انہیں تو اس سے ہرگز انکار نہیں۔ شیخ ابو محمد نے جو ذکر فرمایا ہے۔ وہ تو یہ ہے کہ اس بدبُو کی خوشبو کا کستوری کی خوشبو پر فوقیت کا ظہور اس دن ہوگا جس دن خونِ شہیداں کی خوشبو ظاہر ہوگی اور وہ کستوری کی خوشبو کی مانند ہوگی اور یقیناً اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ ظہور قیامت کے روز ہوگا کیونکہ روزہ دار جب اس دن پیش ہوگا تو اس کے منہ کی بدبُو کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوگی جیسا کہ اس دن مجروح وشہید فی سبیل اللہ حاضر ہوگا تو اس کے خون کی مہک کستوری کی طرح ہوگی۔ حالانکہ جہاد روزہ سے افضل ہے تو اگر خونِ شہید کی مہک کا ظہور قیامت کے دن ہوگا۔ تو روزہ دار کی خوشبو کا بھی قیامت کو ہی ظہور ہوگا۔

رہی جابر کی حدیث

فَاِنَّهُمْ يُمْسُوْنَ وَ خَلُوْفُ اَفْوَاهِهِمْ اَطْيَبُ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ.

''وہ شام کرتے ہیں اور ان کے مونہوں کی بدبو کستوری کی خوشبو سے زیادہ بہتر ہوگی۔''

تو یہ جملہ خبریہ نہیں بلکہ حالیہ ہے۔ کہ اس کے (امسا، شام کرنا) کی خبر مقرون بالواو نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مبتدا کی خبر ہے۔ لہٰذا اسے واؤ کے ساتھ مقرون کرنا جائز نہیں

اور اگر جملہ حالیہ ہو تو ابو محمد یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ حال مقدرہ ہے اور حال مقدرہ اپنے عامل فعل کے زمانہ سے مؤخر کرنا جائز ہے۔ اسی لئے اگر ایسی صورت اس مسئلہ میں قیامت کے دن سے تصریح کرنا چاہیں اور یوں کہیں۔

"يُمْسُوْنَ وَ خَلُوْفُ اَفْوَاهِهِمْ اَطْيَبُ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

''شام کرتے ہیں حالانکہ ان کے مونہوں کی بد بو قیامت کے دن کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ بہتر ہوگی۔''

تو یہ ترتیب فاسد نہیں ہوگی۔ گویا یوں کہا ہے:

"يُمْسُوْنَ وَهٰذَا حَالُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ."

''شام کرتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی یہ حالت ہوگی۔''

رہا آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ

لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ حِيْنَ يَخْلُفُ

''جب روزہ دار طعام سے ہٹتا ہے'' تو اس کے منہ کی بد بو'

تو یہ ظرف مبتدا کے معنی کی تحقیق (اثبات) کے لئے ہے یا اس کی تاکید ہے اور اس بات کا بیان کرنا مقصود ہے کہ یہاں وہی حقیقت مراد ہے جو اس سے سمجھی گئی ہے۔ نہ مجاز مراد ہے نہ استعارہ اور یہ ایسے ہے جیسے آپ کہیں۔

"جِهَادُ الْمُؤْمِنِ حِيْنَ يُجَاهِدُ وَ صَلَاتُهُ حِيْنَ يُصَلِّي يَجْزِيْهِ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَرْفَعُ بِهَا دَرَجَتَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔"

''مومن کا جہاد کرنا، جب جہاد کرتا ہے اور اس کا نماز پڑھنا، جب نماز پڑھتا ہے، قیامت کو اللہ تعالیٰ اس کی جزا دیں گے اور ان کے ذریعے قیامت کو اس کے درجات بلند کرے گا۔''

اور یہ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے قریب ہے۔

جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا یَـزْنِی الزَّانِی حِینَ یَزْنِی "وَھُوَ مُؤْ مِنٌ وَلَا یَشْرَبُ اَلْخمرَ حِینَ یَشْرَبُھَا وَ ھُوَ مُؤمِنٌ۔

''زانی زنا نہیں کرتا جبکہ ''زنا کرتا ہے'' بحالیکہ وہ مومن ہواور شراب نہیں پیتا۔جس وقت کہ شراب پیتا ہے حالانکہ وہ مومن ہو۔''

یہاں فقط ان افعال کے ارتکاب کی حالت میں ہی ایمان مطلق کی نفی کو مقید کرنا مرادنہیں کہ جب مباشرت ختم ہو جائے یا شراب پینے سے فارغ ہو جائے تو پھر اس کی طرف ایمان لوٹ آئے گا اور وہ مومن بن جائے گا بلکہ یہ نفی توبہ تک جاری و مستمر ہے اگر توبہ تک اس نفی کا استمرار نہ رکھا جائے تو خواہ وہ زنا و شراب کا ارتکاب نہ کرے جب تک ان پر اصرار، نفی موجود رہے گی، نہ مذمت سے بچ سکے گا اور نہ ہی اس سے وہ احکام ٹل سکیں گے جو ان کے ارتکاب سے اس پر مرتب ہوں گے الّا یہ کہ توبہ نصوح یعنی پختہ توبہ کر لے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ [1]

روزہ دار کے منہ کی بُو (مصنف کا اہم فیصلہ)

مسئلہ ہذا کی نزاع کا فیصلہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ احادیث نبوی ﷺ میں روزہ دار کے منہ کی بدبو کا کستوری کی مانند خوشبودار ہو جانا دواوقات سے مقید ہے اوّل قیامت کے دن سے دوم طعام سے فراغت، اور شام کو افطاری کے وقت سے جن میں قیامت کے دن کا ذکر ہے وہ اس لئے کہ یہی وقت ثواب اعمال اور اچھے بُرے عملوں کے نتائج کے ظہور کا اصلی وقت ہے لہٰذا اسی وقت لوگوں کو پتہ چلے گا کہ ''خلوف'' کی بو کستوری کی خوشبو کی مانند ہے اور اس کے بے شمار نظائر موجود ہیں۔ مثلاً فی سبیل اللہ زخمی ہونے والے

---

[1] وگرنہ جب تک وہ اس کے ارتکاب پر اڑا ہے تو اس سے ایمانِ مطلق کی نفی جاری رہی۔(اس لئے اس جملہ کا مذکورہ بالا معنیٰ کرنا درست نہیں ہے۔عبدالعزیز علوی)

کا خون قیامت کے دن کستوری کی طرح مہکتا ہوگا۔ قیامت کے دن ہی دل کے اندرونی خفیہ راز چہروں پر ٹپک رہے ہوں گے اور خفیہ کی بجائے بالکل علانیہ کی صورت اختیار کرلیں گے علی ہذا القیاس قیامت کے روز ہی کفار کے کفر کی نجاست وگندی بدبو کا پتہ چلے گا اور ان کے چہروں کی سیاہی کا ظہور ہوگا (ورنہ آج تو اکثر کفار کے چہرے آفتاب کی طرح چمکتے دمکتے دکھلائی دیتے ہیں) دوسری صورت جن میں ''خلوف'' کا خوشبودار ہونا۔ طعام سے خالی ہونے اور شام کے وقت سے مقید ہے۔ تو یہ اس لئے کہ عبادت کے اثر کے ظہور کا وقت ہے اور اس وقت کی اس کی خوشبو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ الٰہی کے نزدیک ''کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ بو انسانوں کے نزدیک بُری ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں موجود ہیں جو بندوں کو بُری لگتی ہیں مگر اللہ کو محبوب اور پسند ہوتی ہیں وبالعکس کیونکہ لوگوں کو تو وہ طبعی نفرت کے باعث بُری لگتی ہے مگر عزوجل انہیں اس لئے پسند فرماتا ہے اور اس لئے راضی ہوتا ہے کہ اس کے فرمان اور اس کی رضا ومحبت کے موافق ہے۔ لہٰذا اس کے نزدیک ایسے ہی اطیب وبہتر ہوتی ہے جیسے ہمارے ہاں کستوری کی خوشبو بہتر واطیب ہوتی ہے لیکن جب قیامت کا دن ہوگا تو اس وقت لوگوں پر بھی اس کی خوشبو ظاہر ہوگی اور خفیہ کی بجائے علانیہ معلوم ہوگی۔ وعلیٰ ہذا القیاس جملہ اچھے بُرے عملوں کے نتائج وآثار سب کا اسی دن ظہور کامل ہوگا اور آخرت کو ہی علانیہ کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور بعض دفعہ تو عمل میں اس قدر قوت وطاقت موجود ہوتی ہے کہ دنیا میں ہی اس کا کچھ نہ کچھ اچھا بُرا اثر انسان پر ظاہر ہوجاتا ہے جیسا کہ نظر وفکر دونوں سے مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

''اِنَّ لِلْحَسَنَةِ ضِیَاءً فِی الْوَجْهِ وَنُوْرًا فِی الْقَلْبِ وَقُوَّةً فِی الْبَدَنِ وَسَعَةً فِی الرِّزْقِ وَمَحَبَّةً فِی قُلُوْبِ الْخَلْقِ وَاِنَّ لِلسَّیِّئَةِ سَوَادًا فِی الْوَجْهِ وَ ظُلْمَةً فِی الْقَلْبِ وَوَهْنًا فِی الْبَدَنِ وَنَقْصًا فِی

الرِّزْقِ وَبُغْضَةً فِی قُلُوْبِ الْخَلْقِ۔"

"نیکی سے چہرے پر نور دل میں روشنی بدن میں قوت، رزق میں فراخی ہوتی ہے اور لوگوں کے دل میں آدمی کی محبت بیٹھتی ہے مگر برائی سے چہرہ سیاہ دل میں ظلمت بدن میں کمزوری رزق میں کمی پیدا ہوتی ہے اور لوگوں کی نظروں میں مبغوض ہو جاتا ہے۔"

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

"مَاعَمِلَ رَجُلٌ عَمَلاً اِلَّا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی رِدَاءَهٗ اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ۔

"ہر عمل کے عوض انسان کو اللہ تعالیٰ اسی قسم کی چادر پہنا دیتا ہے۔ نیک ہوں تو اچھی بد ہو تو بُری چادر پہناتا ہے۔"

اور یہ ایک بدیہی امر ہے ہر کوئی اسے جانتا ہے اور سب اس میں یکساں شریک ہیں۔ خواہ اربابِ بصیرت ہوں یا جاہل۔ حتیٰ کہ ایک نیک پاک اور اچھے شخص سے خود بخود اچھی خوشبو آتی ہے، خواہ خوشبو نہ بھی لگائی ہو۔ گویا اس کی روحانی خوشبو اس کے بدن اور کپڑوں پر مہک رہی ہوتی ہے اسی طرح ایک فاجر شخص سے اس کے بالعکس مگر خواہشات کے زکام کے مارے ہوئے شخص کو نہ اس کی خوشبو آتی ہے نہ فاجر کی بدبو۔ بلکہ اس کا زکام اسے خوشبو و بدبو کا اقرار نہیں کرنے دیتا۔

غرض یہ تھا اس مسئلہ کے متعلق فصلِ خطاب واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

حدیث حارث کے جملہ وَاٰمُرُکُمْ بالصدقة کی تشریح

اب پھر ہم حارث رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث کی طرف آتے ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

"وَاٰمُرُکُمْ بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِکَ مَثَلُ رَجُلٍ اَسَرَهٗ

الْعَدُوُّ فَاَوْثَقُوْا يَدَهٗ اِلٰى عُنُقِهٖ وَقَدَّمُوْهُ لِيَضْرِبُوْا عُنُقَهٗ فَقَالَ اَنَا اَفْدِيْ نَفْسِيْ مِنْكُمْ بِالْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ فَفَدٰى نَفْسَهٗ مِنْهُمْ.''

''اور تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہوں کیونکہ صدقہ کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے دشمن نے پکڑ کر اس کے دونوں ہاتھ گردن سے باندھ دیئے ہوں اور قتل کرنے کے لئے قتل گاہ کی طرف لے جا رہا ہو اور وہ کہے میں تمہیں اپنے نفس کے فدیہ میں تھوڑا بہت سب دیتا ہوں۔ اس طرح ان سے اپنی جان چھڑا لے۔''

یہ کلام بھی ایسا ہے جس کا منہ سے نکلنا ہی اس کی دلیل اور خود اس کا اپنا وجود اپنی دلیل ہے ع آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ کیونکہ صدقہ میں طرح طرح کی مصیبتوں کو رفع کرنے کی عجیب وغریب تاثیر ہے۔ خواہ فاسق وفاجر ظالم وکافر ہی کیوں نہ کرے کیونکہ صدقہ سے اللہ تعالیٰ انسان سے قسم قسم کے مصائب دور کر دیتا ہے اور یہ ایک بدیہی امر ہے جسے خواص وعوام سب جانتے ہیں اور روئے زمین کے لوگوں کو اس کا اعتراف ہے۔ کیونکہ ان کی تجربہ شدہ چیز ہے۔

فضائل صدقات اور زکوٰۃ

امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں انس بن مالکؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ الصَّدَقَةَ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ.

''صدقہ غضب الٰہی کو مٹاتا ہے بری موت سے بچاتا ہے۔''

تو جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ بعینہ اسی طرح صدقہ غضب الٰہی کو بجھا دیتا ہے اور گناہوں اور خطا کاریوں کو مٹا ڈالتا ہے۔

اور ترمذی میں ہی معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

میں ایک سفر میں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھا۔ چلتے چلتے ایک دن آپ کے قریب تر ہوتا گیا۔ آپ نے فرمایا:۔

اَلَادُلُّکَ عَلٰی اَبْوَابِ الْخَیْرِ؟

میں تمہیں مختلف قسم کی نیکیاں نہ بتلاؤں؟

''اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِیءُ الْخَطِیْئَةَ کَمَا یُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِی جَوْفِ اللَّیْلِ شِعَارُ الصَّالِحِیْنَ ثُمَّ تَلَا تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ.'' (سورۂ سجدہ:۱۶)

''روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو اور رات کو تہجد پڑھنا مومنین کی علامت ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی تتجافی یعنی ان کے پہلو بستر سے علیحدہ ہو جاتے ہیں امید وبیم سے اللہ کو پکارتے ہیں اور اللہ کے دیئے سے خرچ کرتے ہیں۔''

بعض آثار میں ہے۔

''بَاکِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَایَتَخَطَّی الصَّدَقَةَ۔''

''صبح سویرے صدقہ کیا کرو کیوں کہ کوئی بلا صدقہ سے تجاوز کر کے انسان تک نہیں آ سکتی۔''

آنحضرت ﷺ کا صدقہ کرنیوالے کو اس شخص سے تمثیل دینا ہی صدقہ کی فضیلت کے لئے کافی ثبوت ہے کہ کسی کو دشمن پکڑ کر گردن ہاتھ سے باندھ کر قتل کرنے کے لئے قتل گاہ میں لیجا رہا ہو۔ تو وہ فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا لے۔ کیونکہ صدقہ انسان کے لئے عذابِ الٰہی سے فدیہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ گناہ وخطا کاریاں انسان کو ہلاک کرنا چاہتی ہیں تو صدقہ آ کر عذاب الٰہی سے فدیہ بن کر اسے چھڑا لیتا ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے عید کے دن عورتوں کو خطبہ دیا۔ اس میں فرمایا کہ

"یَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْمِنْ حُلِیِّکُنَّ فَاِنِّی رَأَیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ۔"

"عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو خواہ اپنے زیور ہی کیوں نہ ہوں کہ میں نے دوزخ میں عورتیں زیادہ دیکھی ہیں۔"

گویا آپ نے انہیں ایسی چیز کی ترغیب فرمائی جسے وہ آگ سے بچنے کے لئے اپنی جان کا فدیہ بنا سکیں۔

صحیحین میں عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَامِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَیُکَلِّمُہٗ رَبُّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ تَرْجُمَانٌ فَیَنْظُرُ اَیْمَنَ مِنْہُ فَلَا یَرٰی اِلَّا مَا قَدَّمَ وَ یَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْہُ فَلَا یَرٰی اِلَّا مَا قَدَّمَ وَیَنْظُرُ بَیْنَ بَدَیْہِ فَلَا یَرٰی اِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْھِہٖ فَاتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْبِشِقِّ تَمْرَۃٍ."

"عنقریب ہی (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ تم سے کسی ترجمان کے واسطہ کے بغیر گفتگو فرمانے والے ہیں تو آدمی ہر طرف نظر نہ دوڑائیگا دائیں دیکھے گا تو اسے اپنا عمل نظر آئے گا۔ بائیں دیکھے گا تو ادھر بھی اس کا عمل ہوگا سامنے دیکھے گا تو سامنے آگ نظر آئے گی۔ (تو اس کے ہوش اڑ جائیں گے) لہذا آگ سے بچنے کی کوشش کرو خواہ آدھی کھجور دے کر۔"

ابوذر ؓ کی حدیث ہے۔

"اِنَّہٗ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا ذَا یُنْجِی الْعَبْدَ مِنَ النَّارِ؟ قَالَ اَلْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ قُلْتُ یَانَبِیَّ اللّٰہِ مَعَ الْاِیْمَانِ عَمَلٌ؟ قَالَ اَنْ تَرْضَخَ مِمَّا خَوَّلَکَ اللّٰہُ اَوْتَرْضَخَ مِمَّارَزَقَکَ اللّٰہُ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ فَاِنْ کَانَ فَقِیْرًا لَایَجِدُمَا یُرْضِخُ؟ قَالَ یَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ قُلْتُ: اِنْ کَانَ لَایَسْتَطِیْعُ اَنْ

يَأمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰى عَنِ الْمُنكَرِ؟ قَالَ فَلْيُعِنِ الاَخْرَقَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ لَايُحْسِنُ اَنْ يَصْنَعَ؟ قَالَ فَلْيُعِنْ مَظْلُوْمًا قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ ضَعِيْفًا لا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُعِيْنَ مَظْلُوْمًا؟قَالَ مَا تُرِيْدُ اَنْ تَتْرُكَ فِيْ صَاحِبِكَ مِنْ خَيْرٍ؟لِيُمْسِكْ اَذَاهُ عَنِ النَّاسِ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ فَعَلَ هٰذَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ مَامِنْ مُؤْمِنٍ يُصِيْبُ خَصْلَةً مِنْ هٰذِهِ الْخِصَالِ اِلَّا اَخَذَتْ بِيَدِهٖ حَتّٰى اَدْخَلَتْهُ الْجَنَّةَ۔ ①

ذَكَرَهُ الْبَيْهَقِي فِيْ شُعَبِ الاِيْمَانِ."

"کہ اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کونسا عمل انسان کو دوزخ سے نجات دلا سکتا ہے؟ فرمایا اللہ پر ایمان لانا میں نے کہا یا نبی اللہ ﷺ ایمان کے ساتھ ساتھ کوئی عمل بھی بتلائیے؟ فرمایا اللہ کے دیئے ہوئے مال سے صدقہ کرنا میں نے دریافت کیا اگر فقیر ہو اور صدقہ کی طاقت نہ ہو تو فرمایا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے میں نے پوچھا اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو؟ تو فرمایا جاہل و بے کسب ② انسان کی امداد کرے میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر کام اچھے طریقے سے نہ کر سکتا ہو۔ فرمایا تو مظلوم کی امداد کرے۔ میں نے کہا اعانت مظلوم کی طاقت بھی نہ ہو تو فرمانے لگے۔ کیا تو اپنے ساتھی میں خیر و بھلائی چھوڑنا نہیں چاہتا یعنی اس کو خیر سے محروم دیکھنا چاہتا ہے؟ اسے چاہئے کہ لوگوں کو دکھ نہ پہنچائے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر یہ کام ادا کرتا ہے تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔ فرمایا جو مومن مذکورہ اعمال میں سے کوئی عمل بجا لائے تو میں خود اس کا ہاتھ

---

① بہتر ہے ضمیر مؤنث کا مرجع فصلت کو بنایا جائے کہ فصلت اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جائے گی۔

② اصل میں اَخْرَقْ ہے جس کا معنی ہے اناڑی، بے ہنر، بے وقوف جو کام صحیح طریقہ سے نہ کر سکے۔

پکڑ کر جنت میں داخل کر دوں گا۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر فرمایا ہے۔"

حضرت عمر بن خطاب ﷛ فرماتے ہیں:

ذُكِرَ لِىْ اَنَّ الْاَعْمَالَ تَتَبَاهٰى فَتَقُوْلُ الصَّدَقَةُ اَنَا اَفْضَلُكُمْ۔

"مجھے بتلایا گیا کہ اعمال باہم ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں۔ صدقہ کہتا ہے میں تم سے افضل ہوں۔" (صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم)

سخی اور بخیل کی مثال

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ:

ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلَ الْبَخِيْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ اَوْجُنَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطَرَّتْ اَيْدِيْهِمَا اِلٰى ثُدِيِّهِمَا وَتَرَاقِيْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ. اِنْبَسَطَتْ عَنْهُ حَتّٰى تُغْشِىَ اَنَامِلَهُ وَتَعْفُوَ اَثَرَهُ وَجَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَاَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَكَانَهَا قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَاَنَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ بِاِصْبَعِهٖ هٰكَذَافِىْ جُبَّتِهٖ فَرَاَيْتُهٗ يُوَسِّعُهَا وَلَا تَتَّسِعُ۔"

"رسول اللہ ﷺ نے بخیل و صدقہ کرنے والے کی مثال دو آدمیوں سے دی ہے جن پر لوہے کے دو ایسے کرتے (زرہیں *) ہوں جنھوں نے

* آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو زرہ سے تعبیر کیا ہے کیونکہ سخی جب خرچ کرتا ہے تو عزوجل اسے اور دے دیتا ہے لہٰذا اس کے ہاں نعمتیں وسیع و وافر ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ نعمتوں کے انبا[ر] میں چھپ جاتا ہے لیکن بخیل جب بھی خرچ کرنے لگتا ہے تو اسے بخل و حرص اور اندیشہ نقصان خرچ کرنے سے بند کر لیتے ہیں۔ کیونکہ اللہ پر اسے دنیا و آخرت دونوں کے اندر پختہ اعتقاد نہیں ہوتا اطمینان و تسلی نہیں ہوتی اس لئے عزوجل بھی دنیا و آخرت دونوں جگہ اس پہ رزق تنگ کر دیتا ہیں۔

ان کے دونوں ہاتھ سینے اور ہنسلی پر جکڑ دیئے ہوں تو صدقہ کرنے والا شخص جوں جوں صدقہ کرتا ہے کُرتہ کھلتا جاتا ہے حتیٰ کہ سرتاپا اسے چھپالیتا ہے اور بخیل جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کرتہ سکڑ جاتا ہے اور تمام کنڈیاں اپنی اپنی جگہ پھنس جاتی ہیں اور ابوہریرہ ﷺ فرماتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ کو اپنے ہاتھوں سے کرُتا کھولتے دیکھا کہ آپ اسے کھولتے ہیں مگر نہیں کھلتا۔''

چونکہ بخیل احسان کرنے سے محبوس اور نیکی وخیر سے ممنوع اور بند ہوتا ہے اسے سزا بھی اسی قسم کی ہوئی کہ اس کا سینہ تنگ، کھلنے سے بند ہوتا ہے، وہ بیٹھنے سے تنگ اسے انشراح صدر نہیں ہوتا بلکہ اس کا سینہ تنگ اس کا بیٹھنا مشکل چھوٹا سانس خوشی کم فکروغم اور پریشانی بہت اتنا نہیں کہ اس کا کوئی بھی کام پورا ہو یا کوئی مطلوب حاصل ہو تو گویا وہ اس شخص کی مانند ہے جس پر لوہے کی زرہ ہو اور اس کے دونوں ہاتھ اس طرح گردن سے لگ چکے ہوں کہ ان کا نکالنا اور ہلانا تک مشکل ہو جب بھی وہ ہاتھ نکالنا چاہے یا کُرتہ کو چوڑا کرنا چاہے تو تمام کنڈیاں اپنی اپنی جگہ زور سے پھنس جائیں۔علیٰ ہذا القیاس بخیل جب بھی صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو بخل اسے روک دیتا ہے لہذا اس کا دل جس طرح صدقہ سے پہلے زنداں میں تھا ویسے ہی زنداں میں محبوس رہتا ہے لیکن اس کے برعکس صدقہ کرنے والا انسان جب صدقہ کرتا ہے تو فرح وسرور سے اس کا سینہ کشادہ ہو جاتا ہے اور دل میں انشراح ہو جاتا ہے تو گویا یہ کُرتہ کھلنے کے قائم مقام ہے۔لہٰذا جوں جوں وہ صدقہ کرتا ہے وہ کُرتہ وسیع تر ہو جاتا ہے اور اس کا دل کشادہ ہوتا جاتا ہے اور خوشی بڑھتی جاتی ہے اور سرور میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اگر صدقہ میں یہی ایک ہی فائدہ پایا جائے تو اس قابل ہے کہ انسان اس سے بہت بہت فائدہ اٹھالے اور لپک لپک کر اسے حاصل کرلے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (تغابن ۶۴)

''جو نفس کے بخل سے بچالیا گیا۔ تو یہی لوگ ہی فلاح یاب ہیں۔''

عبدالرحمٰن بن عوف یا سعد بن ابی وقاص بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تو عموماً آپ کی عادت مبارک تھی کہ یہی دعا کیا کرتے۔

رَبِّ قِنِيْ مِنْ شُحِّ نَفْسِيْ. رَبِّ قِنِيْ مِنْ شُحِّ نَفْسِيْ۔ (۱)

''خدایا مجھے میرے نفس کے بخل سے بچائے پروردگار مجھے میرے نفس کے بخل سے محفوظ رکھئے۔''

دریافت کیا گیا آپ کو اور کوئی دُعا نہیں آتی؟ تو آپ نے جواب دیا۔

اِذَا وُقِيْتُ شُحَّ نَفْسِيْ فَقَدْ اَفْلَحْتُ.

''میں اپنے نفس کے بخل سے بچ گیا تو فلاح یاب ہو گیا۔''

بُخل اور شح میں فرق

شح اور بخل میں یہ فرق ہے کہ کسی چیز کی شدید حرص کرنا اس کی طلب میں نہایت کوشش و مبالغہ کرنا اسے حاصل کرنے میں انتہائی قوت صرف کر دینا اور ٹوٹ مرنا شح کہلاتا ہے اور کوئی چیز حاصل ہو جانے پر خرچ نہ کرنا اس سے محبت رکھنا اور بند رکھنا بخل کہلاتا ہے تو بخیل مال حاصل ہونے سے پہلے ''شحیح'' (شح والا) ہوتا ہے اور حصول کے بعد بخیل۔ تو بخل شح کا ثمرہ ہے اور شح سے ہی بخل پیدا ہوتا ہے جو طبیعت میں چھپی ہوتی ہے لہٰذا جس نے بخل کیا اس نے شح کی اطاعت کی اور جس نے بخل نہ کیا تو اس نے شح کی نافرمانی کر کے اپنے نفس کو اس کے شر سے بچا لیا اور یہی فلاحیاب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۱) قِنِیْ فعل کے ساتھ مِنْ لانے کی ضرورت نہیں ہے، قرآن مجید میں مِنْ کا استعمال نہیں ہوا اور انکے جواب میں بھی مِنْ نہیں ہے۔

وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر: ۹)

''جولوگ نفس کی بخیلی سے بچالئے گئے تو وہ فلاح پائیں گے۔''

فضیلت سخاوت اور قباحت بخل

سخی اللہ تعالیٰ کا مقرب لوگوں کے قریب اپنے اہل کے قریب اور جنت کے بھی قریب مگر دوزخ سے بعید ہوتا ہے لیکن بخیل اللہ سے بھی دور خلقت سے بھی دور اور بہشت سے بھی دور مگر دوزخ کے قریب ہوتا ہے تو سخاوت انسان کو دشمنوں میں محبوب کر دیتی ہے۔ مگر بخل اپنی اولاد میں بھی مبغوض بنا دیتا ہے

وَيُظْهِرُ عَيْبَ الْمَرْءِ فِي النَّاسِ بُخْلُهٗ

''بخل انسان کے عیوب لوگوں میں فاش کرتا ہے۔''

وَيَسْتُرُهٗ عَنْهُمْ جَمِيْعًا سَخَاؤُهٗ

''اور سخاوت تمام عیبوں پر پردہ ڈالتی ہے۔''

تَغَطَّ بِأَثْوَابِ السَّخَاءِ فَاِنَّنِيْ

''سخاوت کا لباس زیب تن کیجئے''

اَرٰى كُلَّ عَيْبٍ فَالسَّخَاءُ غِطَاؤُهٗ

''کیونکہ سخا تمام عیبوں کی غطاء (چادر) ہے۔''

وَقَارِنْ .اِذَاقَارَنْتَ. حُرًّافَاِنَّمَا

''جب دوستی لگائیں تو کسی بہتر وشریف آدمی سے لگائیں۔''

يَزِيْنُ وَيُزْرِيْ بِالْفَتٰى قُرَنَاؤُهٗ

''کیونکہ انسان کو بنانے یا بگاڑنے میں عموماً دوستوں کا ہی ہاتھ ہوا کرتا ہے۔''

وَاَقْلِلْ اِذَا مَااسْتَطَعْتَ قَوْلًا فَاِنَّهٗ

''بولیں تو حتی المقدور کم بولئے''

اِذَا قَلَّ قَوْلُ الْمَرْءِ قَلَّ خَطَاؤُهٗ

''کیونکہ جس کی باتیں کم ہوں گناہ بھی کم ہوتے ہیں۔''

اِذَا قَلَّ مَالُ الْمَرْءِ قَلَّ صَدِیْقُهٗ

''مال گھٹ جائے تو دوست بھی گھٹ جاتے ہیں۔''

وَضَاقَتْ عَلَیْهِ اَرْضُهٗ وَسَمَاؤُهٗ

''اور اتنی وسعت کے باوجود اس پر زمین وآسمان تنگ ہو جاتے ہیں۔''

وَاَصْبَحَ لَایَدْرِیْ وَاِنْ کَانَ حَازِمًا اَقُدَّامَهٗ خَیْرٌ لَّهٗ اَمْ وَرَاءَهٗ؟

''اور تمام چالاکیوں اور عقلمندیوں کے باوجود حواس باختہ ہو جاتا ہے کہ آگے بھلائی ہے کہ پیچھے۔؟''

اِذَا الْمَرْءُ لَمْ یَخْتَرْ صَدِیْقًا لِنَفْسِهٖ

''جب انسان اپنے لئے کوئی دوست نہ انتخاب کرے۔''

فَنَادِبِهٖ فِی النَّاسِ هٰذَا جَزَاءُهٗ

''تو ایسے شخص کے متعلق اعلان کر دیجئے کہ اس کی یہی جزا ہے۔''

حدِ سخاوت

سخاوت کی حد یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ضرورت کی چیز کو خرچ کیا جائے اور حتیٰ المقدور ضرورت کی چیز اس کے مستحق تک پہنچا دی جائے۔ یہ تعریف نہیں ہے جو کسی کم علم نے بتائی ہے کہ

حَدُّ الْجُوْدِ بَذْلُ الْمَوْجُوْدِ

''سخاوت کی تعریف یہ ہے کہ جو کچھ موجود ہو خرچ کر ڈالے۔''

اگر تعریف یہی ہوتی جو قائل نے بتلائی ہے تو اسراف وتبذیر کا نام ہی نہ رہتا۔ حالانکہ قرآن حکیم میں دونوں کی مذمت آئی ہے اور حدیث شریف نے دونوں

سے منع فرمایا ہے۔

جب سخاوت قابلِ ستائش ٹھہری تو جو حد سخاوت پر ٹھہر جائے سخی کہا جائے گا اور قابل تعریف ہوگا اور جو اس سے قاصر رہے گا بخیل کہلائے گا اور مذمت کا مستحق ہو گا۔ ایک اثر میں بھی آیا ہے کہ

''اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَقْسَمَ بِعِزَّتِهٖ اَنْ لَا يُجَاوِرَهٗ بَخِيْلٌ.''

''اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھائی ہے کہ بخیل کو اپنے قریب بھی نہ آنے دوں گا۔''

سخاوت کی قسمیں

سخاوت دو قسم کی ہے۔ اول غیروں کے مال کی حرص نہ کرنا۔ دوم اپنے پاس کچھ ہو تو اسے خرچ کرنے سے نہ جھجکنا۔ مگر پہلی قسم دوسری سے اشرف واعلیٰ ہے کیونکہ کبھی انسان بڑا سخی ہوتا ہے حالانکہ کسی کو دیتا کچھ نہیں تو اسے اس لئے سخی کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کے مال سے بے پرواہ اور بے طمع ہوتا ہے یہی مطلب بعض سلف کے اس قول کا ہے کہ:

اَلسَّخَاءُ اَنْ تَكُوْنَ بِمَالِكَ مُتَبَرِّعًا وَعَنْ مَالِ غَيْرِكَ مُتَوَرِّعًا

''سخاوت ہے کہ اپنا کچھ دے کر معاوضہ نہ لے اور غیروں کے مال کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے اور کنارہ کش رہے۔''

ابراہیم علیہ السلام کے خلیل اللہ بننے کی وجہ

میں (حافظ ابن قیمؒ) نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ کو خود یہ کہتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی طرف وحی فرمائی۔

اَتَدْرِیْ لِمَ اتَّخَذْتُكَ خَلِيْلًا؟ قَالَ لَا يَا رَبِّ، قَالَ لِاَنِّیْ رَاَيْتُ الْعَطَاءَ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِنَ الْاَخْذِ۔

’’آپ جانتے ہیں میں نے آپ کو اپنا کس لئے خلیل بنایا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس لئے کہ آپ لینے کے بجائے دینے کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔‘‘

اور یہ صفات الٰہی جل جلالہٗ میں سے ایک صفت ہے۔ کیونکہ وہ دیتا ہے لیتا نہیں کھلاتا ہے کھاتا نہیں اور وہ تمام سخیوں سے بڑا سخی تمام کریموں سے بڑا کریم ہے تمام لوگوں سے وہی اسے زیادہ محبوب ہے جو اپنے آپ کو صفات الٰہیہ کے مقتضیات سے متصف کرلے جو اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حسنہ پیدا کرے۔ کیونکہ وہ کریم ہے۔ کریم لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ عالم ہے عالموں سے محبت کرتا ہے۔ قادر ہے بہادروں کو پسند فرماتا ہے جمیل وخوبصورت ہے۔ جمال کو پسند کرتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے کہ ہمیں محمد بن بشار نے انہیں ابو عامر نے حدیث سنائی کہ ہمیں خالد بن الیاسؒ نے صالح بن حسانؒ سے یہ خبر دی کہ میں نے سعید بن میبؒ کو یہ کہتے سنا کہ

”اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيْمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ جَوَّادٌ يُحِبُّ الْجُوْدَ فَنَظِّفُوا اَخْبِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُوْدِ“

’’اللہ تعالیٰ طیب ہے طیب لوگوں سے محبت رکھتا ہے نظیف ہے۔ نظافت پسند ہے کریم ہے کرم کو پسند رکھتا ہے سخی ہے سخاوت پسند ہے لہٰذا اپنے گھروں کو ستھرا رکھا کرو۔ اور یہودیوں سے مت مشابہت کرو۔‘‘

صالح بن حسان فرماتے ہیں۔ میں نے مہاجر بن مسمار کو یہ حدیث سنائی تو فرمانے لگے مجھے عامر بن سعد نے اپنے والد کے واسطہ سے حدیث سنائی اس نے آنحضرت ﷺ سے مذکورہ حدیث جیسی حدیث سنائی مگر اس میں یہ الفاظ ہیں فَنَظِّفُوا أُفْنِيَتَكُمْ (اپنے صحنوں کو صاف رکھو) یہ حدیث غریب ہے۔ خالد بن الیاس کو ضعیف کہا گیا ہے۔

ایضاً ترمذی کتاب البر میں ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حسن بن عرفہ نے اسے سعید بن محمد بن وراق سے بواسطہ یحیٰ بن سعید از اعرج ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلسَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِنَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِيْبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِيْدٌ مِنَ النَّارِ۔ وَالْبَخِيلُ بَعِيْدٌ مِنَ اللّٰهِ بَعِيْدٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِيْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِيْبٌ مِنَ النَّارِ وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ۔

''سخی اللہ کے قریب جنت کے قریب لوگوں کے قریب اور آگ سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے دور جنت سے دور ہوتا ہے۔ لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ اور آگ کے قریب ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو جاہل سخی عابد بخیل سے محبوب تر ہوتا ہے۔''[1]

صحیح حدیث میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ۔

''اللہ تعالیٰ وتر (اکیلا) ہے۔ اور وتر (نماز) کو پسند کرتا ہے۔''

اللہ کے اوصاف اپنانے کی تاکید

اور خدائے سبحانہ وتعالیٰ رَحِیْم ہیں۔ رحمت کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں اور اپنے مہربان ورحمت کنندہ بندوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں سِتِّیْر یعنی خود پردہ ڈالنے والے ہیں۔ اور لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے والے کو پسند فرماتے ہیں عَفُوٌّ یعنی صاحب عفو ہیں معاف کرنے والے سے محبت رکھتے ہیں غَفُوْر ہیں بخشنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں لَطِیْفٌ یعنی نرمی والے ہیں۔ نرم دل انسان کو پسند فرماتے

---

[1] یہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ حافظ امام ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ''المنار المنیف فی الحدیث الضعیف'' میں اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن وضع کا حکم لگانا تشدد ہے۔ (الوابل الصیب تحقیق الشیخ اسماعیل بن محمد انصاری۔ حاشیہ ص ۷۹۔)

ہیں اور بد خلق و بد کلام، سخت گیر، ظالم اور تکبر سے پھونکے پھونکائے اور بھو کے فرعون سے بغض ونفرت رکھتے ہیں خود رفیق ہیں رفق ونرمی کو پسند فرماتے ہیں حَلِیم ہیں حلیم الطبیعت کو دوست رکھتے ہیں بِر یعنی نیکی واحسان کرنے والے ہیں نیکی واحسان اور نیکوکار ومحسن لوگوں کو پسند فرماتے ہیں۔ عدل یعنی بڑے عادل ہیں عدل کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ قابل المعاذیر یعنی عذر قبول کرنے والے ہیں۔ لوگوں کے عذر قبول کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ غرضیکہ انسان میں جیسی بھی مذکورہ بالا وجودی و عدمی صفات موجود ہوں ویسی ہی اسے جزا دیتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص لوگوں کو معاف کرے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیں گے۔ جو بخش دے، اسے بخش دینگے جو درگزر کرے اس سے درگذر کریں گے اور جو شخص اپنے حق کے لئے جھگڑا کرے تو وہ اپنے حق کے لئے جھگڑا کریں گے۔ کوئی اس کے بندوں سے نرمی کرے اسے محبت کرینگے جو رحم کرے اس پر رحم کریں گے جو لوگوں سے سلوک واحسان کرے اس سے سلوک و احسان کریں گے۔ جو ان پر سخاوت کرے اس پر سخاوت کریں گے۔ جو لوگوں کو نفع دے اسے نفع دیں گے۔ جو لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرے اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے جو معاف کرے اس سے درگذر کریں گے۔ جو لوگوں کے عیب ٹٹولے اس کا بھانڈا پھوڑیں گے جو ان کو رسوا وخراب کرے اسے رسوا کریں گے۔ جو لوگوں سے خیر و بھلائی بند کرے اس سے خیر و بھلائی روک لیں گے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرے اللہ تعالیٰ اس کی مخالفت کریں گے اور جو اللہ تعالیٰ سے مکر کرے اللہ تعالیٰ اس سے کریں گے جو اللہ کو دھوکا دے اللہ تعالیٰ اسے دیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی مخلوق سے اچھا یا بُرا جیسا بھی معاملہ کرے گا۔ ویسا ہی اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ دنیا و آخرت میں معاملہ کریں گے۔ اچھا کرے گا تو اچھا معاملہ کرے گا۔ بُرا کرے گا تو بُرا کرے گا۔ جو بوؤ گے وہی پاؤ گے غرضیکہ اللہ تعالیٰ انسان سے اسی طرح پیش آئے گا۔ جیسا وہ اس کی مخلوق سے پیش آئے گا۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ۔

”مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰى حِسَابَهُ وَمَنْ اَقَالَ نَادِمًا اَقَالَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَثْرَتَهُ وَمَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْوَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي ظِلِّ عَرْشِهٖ.“ ❁

”جو مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے عیوب کی پردہ پوشی کریں گے جو کسی مومن کو کسی دنیوی مصیبت سے بچائے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی مصیبتوں سے نجات دلائیں گے۔ جو تنگدست پر آسانی کریگا اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں آسانی کریں گے اور جو نادم کی ندامت دور کرے گا تو اللہ اس کی لغزشات رفع کرے گا اور جو تنگدست کو مہلت دے دے یا معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا۔“

تنگدست کو مہلت دینے یا معاف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ عرشِ الٰہی کے سایہ میں جگہ دے گا کہ اس نے اس پر مہلت و صبر کا سایہ کر دیا مطالبہ کی حرارت اور عجز و تنگی سے ادا کرنے کی گرمی اور دھوپ سے بچایا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ بھی اسے سورج کی گرمی و حرارت سے بچا کر اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے۔

اسی طرح ترندی وغیرہ میں حدیث ہے کہ پیغمبر اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا:

يَامَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوْا

❁ اسے مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے ابوہریرہ سے لفظ والآخرۃ تک روایت کر کے یہ الفاظ بڑھائے ہیں واللہ فی عون العبد ما فی عون اخیہ (یعنی جب تک انسان اپنے بھائی کی مدد کرتا ہو عزوجل اس کی امداد کرتے ہیں، امام ترمذی نے اس حسن صحیح کہا ہے۔

اَلْمُسْلِمِیْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهُ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يُفْضِحْهُ وَلَوْفِيْ جَوْفِ بَيْتِهٖ ❶

''اے وہ جماعت! جو زبان سے ایمان لائے ہیں مگر ان کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا نہ مسلمانوں کو ایذا دو اور نہ ان کے پیچھے پڑو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیبوں کے پیچھے پڑ جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کے پیچھے پڑ جائیں گے اور جس کے عیبوں کے پیچھے اللہ تعالیٰ لگ گیا۔ تو وہ گھر میں ہی کیوں نہ گھسا رہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب ظاہر کر کے رسوا کر دے گا۔

لہٰذا جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ آپ خواہ کوئی صورت اختیار کر لیجئے۔ جیسا اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق سے معاملہ رکھیں گے۔ ویسا ہی اللہ تعالیٰ آپ سے معاملہ رکھے گا اور جو حالت آپ بدلیں گے وہ بھی بدل دے گا۔

دیکھئے! اہل نفاق نے ظاہراً اسلام قبول کر لیا مگر دل میں کفر چھپا رکھا اللہ تعالیٰ بھی قیامت کو ان سے ویسا ہی معاملہ کریں گے کہ پل صراط پر ایک نور ظاہر کریں گے جس سے منافقین یہ سمجھیں گے کہ پل صراط کو عبور کرنا کچھ مشکل نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ یہ بات ان سے مخفی رکھیں گے کہ آگے چل کر بجھ جائے گا اور وہ عبور نہیں کر سکیں گے۔ غرضیکہ جیسا ان کا عمل تھا اسی جنس اور اسی قسم کا انہیں بدلہ دیا گیا۔

علی ہذا القیاس جو شخص اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کے خلاف عمل کرے یا مسئلہ بتائے تو اللہ تعالیٰ بھی دنیا و آخرت میں اس پر فلاح و کامیابی کے اسباب ظاہر کریں گے مگر ان کی تہ میں اس کے خلاف نتیجہ کو مخفی رکھیں گے۔ ایک حدیث شریف

---

❶ بروایت عبداللہ بن عمر مگر اس میں مَنْ آمَنَ الخ کے بجائے یا معشر من اسلم بلسانه ولم یفض الایمان الی قلبه (یعنی وہ جماعت جو زبان سے اسلام لائی ہے۔ مگر ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا، اور بیته کے بجائے ولو فی رحله (یعنی خواہ اپنے مقام میں ہو) کے الفاظ ہیں۔

میں یوں بھی آیا ہے کہ:

مَنْ رَائٰی رَاءَ ی اللّٰہُ بِہٖ وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰہُ بِہٖ

''جو دکھاوا کرے اللہ اس سے دکھاوا کرے گا اور جو سناوا کرے اللہ اس سے سناوا کرے گا۔'' ٭

بہر صورت اس لمبی چوڑی بحث سے مقصود یہ ہے کہ صدقہ کرنیوالے سخی و کریم انسان کو اللہ تعالیٰ وہ وہ انعامات عنایت کرتا ہے جو بخیل وممسک اور کنجوس آدمی کو کبھی نہیں دیتا۔ اور سخی پر ہر طرح وسعتیں ہی وسعتیں کر دیتا ہے مثلاً وسعتِ قلب، وسعتِ خلق، وسعتِ رزق، وسعتِ نفس اور اسبابِ معیشت میں وسعت کر دیتا ہے تاکہ جس طرح اس نے وسعت قلبی سے کام لیا تھا ویسا ہی اسے بدلہ مل جائے۔

حدیث حارث کے لفظ وَاٰمُرُکُمْ اَنْ تَذْکُرُوا اللّٰہ کی تشریح

اب پھر ہم حارث ﷜ کی مذکورہ طویل حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حضرت یحییٰ ؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔

''وَاٰمُرُکُمَ اَنْ تَذْکُرُوا اللّٰہَ تَعَالٰی۔''

''میں تمہیں ذکر الٰہی کا حکم دیتا ہوں۔''

ذکر کرنے والے کی مثال

کیونکہ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کے پیچھے جلدی سے دشمن چڑھ دوڑے اور وہ بھاگتے بھاگتے جلدی سے کسی مضبوط قلعے میں داخل ہو کر اپنے آپ کو بچالے اسی طرح انسان اپنے آپ کو شیطان لعین سے صرف ذکرِ الٰہی کے ذریعے ہی بچا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر ذکر میں صرف اسی ایک فائدہ کے سوا کوئی دیگر فائدہ موجود نہ ہوتو

٭ بخاری ومسلم بروایت جندب بن عبداللہ اس میں روائی کے بجائے ومن یراء اللہ بہ بصیغہ مضارع آیا ہے۔

بھی انسان کا فرض ہے کہ ذکرِ الٰہی سے کسی دم بھی اس کی زبان سست نہ ہونے پائے اور ذکرِ الٰہی کے لئے ہر دم بیتاب رہے کیونکہ ذکرِ الٰہی کے باعث ہی وہ اپنی جان دشمن سے بچا سکتا ہے اور ذکر سے غفلت کے موقعہ پر ہی دشمن اس پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ہر دم اسی گھات میں رہتا ہے کہ انسان کب ذکر سے غافل ہو کہ میں اس پر چڑھ دوڑوں۔ لہٰذا جونہی انسان ذکرِ الٰہی سے غافل ہوتا ہے۔ دشمن اسے جا دبوچتا ہے۔ اور پھر چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں منہمک ہو جاتا ہے، تو اللہ کا دشمن ہٹ کر بالکل چڑیا اور مکھی کی طرح حقیر و ذلیل بن کر دور جا بیٹھتا ہے اسی لئے اس کا نام اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ رکھا گیا ہے یعنی دل میں وسواس ڈالتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو خنس کرتا ہے یعنی منقبض ہوتا اور رک جاتا ہے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''شیطان انسان کے دل سے چمٹا رہتا ہے جب وہ سہو و غفلت سے دوچار ہوتا ہے تو وہ وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے۔''

فضائل ذکر

مسند احمد میں عبدالعزیز بن ابی سلمہ ماجشون سے روایت ہے وہ زیاد بن ابی زیاد غلام عبداللہ بن عباس بن ابی ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ زیاد کو معاذ بن جبل سے یہ خبر پہنچی انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

''مَاعَمِلَ آدمِيٌّ عَمَلاً قَطُّ اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.''

''ذکرِ الٰہی سے زیادہ انسان کے لئے کوئی چیز عذابِ الٰہی سے نجات دہندہ نہیں۔''

اور معاذ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَاَرْفَعِهَا

فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٍ لَکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَمِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَیَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ؟ قَالُوْا: بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ ذِکْرُ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ.''*

''میں تمہیں تمام عملوں سے بہتر اللہ کے نزدیک زیادہ پسند تمہارے درجات کی رفعت کے بہت بڑے سبب سونا چاندی خرچ کرنے سے بہتر اور دشمنوں سے لڑ کر مرنے اور مارنے سے بھی بہتر چیز نہ بتاؤں؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بتلایئے!'' فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔''

اور صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف کے راستے سفر کر رہے تھے چلتے چلتے جمدان پہاڑ سے گذرے تو فرمانے لگے یہ جمدان آ گیا اور فرمایا۔

''سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قِیْلَ: وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَلذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتِ.''

''مفردون سبقت لے گئے۔ دریافت کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مفردون کون لوگ ہیں۔ فرمایا کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد و عورتیں۔''

اور سنن ابی داؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَامِنْ قَوْمٍ یَّقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ تَعَالٰی فِیْہِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِیْفَۃِ حِمَارٍ وَکَانَ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً.''

---

* منذری نے باسناد و جید کہا ہے مگر اس میں انقطاع ہے امام احمد نے اسے بسند حسن روایت فرمایا ہے ابن ابی الدنیا ترمذی، ابن ماجہ، اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے حاکم نے اسے صحیح الاسناد بتایا ہے۔ اور بیہقی نے ابو درداء سے روایت کیا ہے۔

''جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس سے جب لوگ اٹھتے ہیں تو وہ ایسے ہوتے ہیں جیسے گدھے کی لاش سے اٹھے ہیں اور وہ ذکر سے خالی ساعت ان پر حسرت کا باعث رہے گی۔''

ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

''مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيهِ وَ لَمْ يُصَلُّوا عَلٰى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَآءَ غَفَرَ لَهُمْ.''

''جس مجلس میں نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور نہ ہی پیغمبر اللہ ﷺ پر درود بھیجیں تو وہ ان کے لئے نقص وحسرت کا موجب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو بخش دے یا عذاب کرے۔''

اور صحیح مسلم میں اغرّ ابی مسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں شہادت دیتا ہوں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وابوسعید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ شہادت دی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ فِيهِ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ.''

''ذکرِ الٰہی کے لئے کوئی قوم جب اور جہاں بیٹھتی ہے تو ملائکہ ان پر گھیرا ڈال لیتے ہیں رحمت الٰہی کا ان پر سایہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مجلس میں ان کا تذکرہ کرنے لگ جاتے ہیں۔''

اور ترمذی میں عبداللہ بن بُسر سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خیر ونیکی کی بیشمار صورتیں ہیں مگر میں تمام کو ادا نہیں کر سکتا، مجھے ایسی چیز بتلایئے جس کا میں اہتمام کر سکوں اور مجھے زیادہ نہ بتائیں کہ میں بھول جاؤں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میرے سامنے اسلامی احکام وقوانین بہت ہیں اور میں بوڑھا ہو

چکا ہوں اس لئے کوئی ایسی شے بتلائیے جس پر خوب جم جاؤں اور مرتے دم تک اسے قابو میں رکھوں۔ آپ نے فرمایا:

"لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی."

"تجھے ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں رطب اللسان رہنا چاہئے۔"

نیز ترمذی میں ابو سعید ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ:

"اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ وَاَرْفَعُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ؟ قَالَ: اَلذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا. قِیْلَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَ مِنَ الْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ؟ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَیْفِہٖ فِی الْکُفَّارِ وَالْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یَتَکَسَّرَ وَ یَخْتَضِبَ دَمًا لَکَانَ الذَّاکِرُ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَفْضَلَ مِنْہُ دَرَجَةً." *

"کونسا شخص اللہ کے نزدیک قیامت کو افضل واعلیٰ اور بلند مرتبہ ہوگا؟ فرمایا کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے لوگ۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ غازی فی سبیل اللہ سے بھی؟ فرمایا خواہ تلوار لے کر کفار ومشرکین سے لڑتے لڑتے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر خون سے کیوں نہ رنگ جائے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا شخص اس سے کئی درجے بہتر ہے۔"

اور صحیح بخاری میں ابو موسیٰ ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ.

"اللہ کے ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی مثال سمجھئے۔"

اور صحیحین میں ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

* ترمذی نے اسے غریب کہا ہے اور بیہقی نے مختصراً روایت کیا ہے۔

کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَامَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِنْهُمْ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَاِذَا اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً."

"میں اپنے بندے کے ظن کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہوں جب مجھے یاد کرتا ہے میں علم کے لحاظ سے اس کے پاس ہوتا ہوں۔ اگر مجھے دل میں یاد کرے تو میں دل میں اسے یاد کرتا ہوں۔ مجلس میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجلس میں یاد کرتا ہوں۔ میری طرف بالشت بھر آئے تو میں ہاتھ برابر آتا ہوں۔ ہاتھ بھر آئے تو میں دو ہاتھ برابر قریب آتا ہوں چل کر آئے تو میں دوڑ کر آتا ہوں۔"

اور ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"اِذَامَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَارِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّکْرِ۔"

"جنت کے باغوں سے گذرو تو وہاں کچھ کھایا کرو۔ صحابہ نے پوچھا جنت کے باغ کون سے؟ فرمایا ذکر الٰہی کے حلقے۔"

ایضاً ترمذی میں آنحضرت ﷺ سے حدیث قدسی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّ عَبْدِیْ کُلُّ عَبْدِیَ یَذْکُرُوْنِیْ وَهُوَ مُلَاقٍ قِرْنَهٗ۔"

"وہ بندہ میرا پورا غلام ہے جب کہ وہ اپنے مدِ مقابل دشمن سے ٹکرا رہا ہوتا ہے یعنی لڑتے وقت بھی اللہ کو یاد کرتا ہے۔"

یہ حدیث ذاکر اور مجاہد کے باہمی فرقِ فضیلت کے متعلق ایک فصل الخطاب

ہے کہ ذاکر مجاہد ذاکر غیر مجاہد و مجاہد غافل دونوں سے افضل ہے علیٰ ہذا القیاس ذاکر غیر مجاہد، مجاہد غافل سے افضل ہے لہٰذا ذاکروں میں سے وہ ذاکر افضل ہے جو محض تسبیح پر ہی نہ رہے بلکہ مجاہد بھی ہو اور مجاہدوں میں سے وہ مجاہد افضل ہے جو صرف مجاہد ہی نہ بنا پھرے۔ ذکر الٰہی کا بھی خاص خیال رکھے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

''يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.'' (الانفال: ۸)

''ایماندارو جب کفار سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو۔ اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم فلاحیاب ہوسکو۔''

دیکھئے! اس آیت میں ذکر کثیر اور جہاد دونوں کو معاً یکجا بیان فرمایا ہے تاکہ فلاح و کامیابی کی امید رہے۔ پھر ذکر کثیر کے متعلق کئی جگہ ذکر فرمایا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب: ۳۳)

مومنو اللہ کو بہت بہت یاد کیا کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

''فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔'' (البقرة:)

''جب اعمالِ حج ادا کرلو۔ تو اللہ کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے آباؤاجداد کا تذکرہ کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔''

دیکھئے! مذکورہ آیات میں شدت و کثرت سے ذکرِ الٰہی کی تقیید کی گئی ہے کیوں کہ انسان ذکرِ الٰہی کا سخت محتاج ہے اور ایک لحظہ بھی وہ ذکر سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسان کا جو لحظہ بھی ذکرِ الٰہی سے خالی گذرے گا۔ فائدہ مند نہیں۔ نقصان دہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہ کر اس نے جو فائدہ اٹھایا۔ اس سے کئی گنا زیادہ خسارہ ہوگا۔

کسی عارف کا قول ہے کہ انسان ہزار ہا سال اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے کرتے صرف ایک لحظہ ذکر کرنے سے رک جائے تو سمجھ لیجئے کہ اتنا حاصل نہیں ہوا۔ جتنا رہ گیا۔

اور بیہقی نے عائشہ ﷞ سے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَامِنْ سَاعَةٍ تَمُرُّ بِابْنِ اٰدَمَ لَا یَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰی فِیْهَا اِلَّا تَحَسَّرَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ.''

''انسان پر جو ساعت ذکرِ الٰہی سے خالی گذری وہی قیامت کو حسرت کا موجب ہوگی۔''

اور معاذ بن جبل ﷛ سے مرفوعاً مذکور ہے کہ

''لَیْسَ تَحَسُّرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا عَلٰی سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ یَذْكُرُوا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فِیْهَا.''

''اہلِ جنت کو اس ساعت کے سوا کسی چیز کا افسوس نہیں ہوگا۔ جو ذکرِ الٰہی سے خالی گذر گئی۔''

اور ام المومنین اُمِ حبیبہ ﷞ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''كَلَامُ ابْنِ اٰدَمَ كُلُّهٗ عَلَیْهِ لَا لَهٗ اِلَّا اَمْرٌ ابِمَعْرُوْفٍ اَوْنَهْیًا عَنْ مُنْكَرٍ اَوْذِكْرَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.''

''امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ذکرِ الٰہی کے علاوہ انسان کا ہر کلام اس کے لئے وبالِ جان بن جائے گا۔ اور اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔''

معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ:

''اَیُّ اْلاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ؟ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.''

''کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا مرتے دم تک ذکرِ الٰہی میں انسان کا رطب اللسان رہنا اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔''

دل کا زنگ اور صیقل

ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

"لِكُلِّ شَيْءٍ جِلَاءٌ وَاِنَّ جِلَاءَ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ"

''ہر شئے کے لئے کوئی نہ کوئی چمکانے والی چیز موجود ہے اور دلوں کو چمکانے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔''

بیہقی نے مرفوعًا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث ذکر فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

"لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَاِنَّ صِقَالَةَ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ مَامِنْ شَيْءٍ اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قَالُوْاوَلَاالْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ؟ قَالَ وَلَوْ اَنْ يَّضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ۔"

''ہر شئے کے لئے صیقل ہے۔ دلوں کی صیقل ذکر الٰہی ہے عذابِ الٰہی سے بچانے کے واسطے انسان کے لئے ذکر الٰہی سے زیادہ کوئی چیز موجب نجات نہیں۔ صحابہ نے دریافت کیا۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بھی؟ فرمایا خواہ تلوار مارتے مارتے خود ہی شہید و پرزہ پرزہ کیوں نہ ہو جائے۔''

بلاشبہ جس طرح تانبا اور پیتل اور چاندی وغیرہ زنگ آلود ہو جاتے ہیں اسی طرح دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا زنگ ذکرِ الٰہی سے دور ہوتا ہے کیونکہ ذکرِ الٰہی دل کو شیشے کی مانند صاف و روشن کر دیتا ہے ذکرِ الٰہی ترک کر دیا جائے تو دل زنگ آلود ہو جاتا ہے جب شروع کر دیا جائے تو دل چمکا دیتا ہے۔

دل کو زنگ آلود اور مصفّٰی کرنے والی اشیاء

دل دو چیزوں سے زنگ آلود ہوتا ہے غفلت اور گناہ سے اور دو ہی چیزوں

سے صاف وروشن اور چمکدار ہوتا ہے۔ استغفار اور ذکرِ الٰہی سے لٰہذا جس کے اکثر اوقات ذکرِ الٰہی سے غفلت وسستی میں گذریں اسی قدر اس کے دل پر زنگ کے تودے جم جاتے ہیں اور تہیں بیٹھ جاتی ہیں جب دل کا آئینہ ہی زنگ آلود سیاہ ہوگیا تو اس میں صور معلومات اپنی صورت پر دکھائی نہیں دے سکتے۔ اس لئے باطل اسے حق کی صورت میں اور حق باطل کی صورت میں نظر آتا ہے کیونکہ زنگ کے تودوں نے شیشہ دل کو کالا سیاہ کر دیا ہے تو اس میں حقائق اصلی صورت پر کیسے نظر آئیں؟ یہی وجہ ہے کہ جب دل پر زنگ کی تہیں جم جائیں اور کالا سیاہ ہو جائے اور ''ران'' ❁ چڑھ جائے تو اس کے تمام تصورات و جملہ ادراکات خراب و فاسد اور بگڑ جاتے ہیں لہذا نہ اس میں قبول حق کی صلاحیت رہتی ہے۔ نہ انکارِ باطل کی قابلیت۔ اسی لئے نہ وہ حق کو قبول کرتا ہے اور نہ باطل کو بُرا مانتا ہے اور یہ دل پر سب سے بڑی آفت ہے۔

اور اس کا اصل منبع ہے غفلت واتباع خواہشات جو ایک طرف نور قلب سلب کرتی ہیں تو دوسری طرف آنکھوں کی بنیائی زائل کر دیتی ہیں لٰہذا غافل و مرید خواہشات دل کا بھی اندھا ہوتا ہے اور چشم بصیرت سے بھی کورا ہوتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

''وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔'' (کھف:۱۸)

❁ ارشاد الٰہی کی طرف ارشاد ہے کہ کلابل ران علی قلوبهم ماكانو يكسبون (تطفیف ۸۳۔ ع ۱) ابن جریر نسائی ترمذی اور ابن ماجہ ؒ میں ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان العبد اذا اذنب ذنبا كانت نكتة سوداء فی قلبه فان تاب منها صقل قلبه وان زادزادت فلذالک قوله تعالیٰ: كلابل ران علی قلوبهم ما كانوا يكسبون یعنی انسان جب گناہ کرتا ہے۔ تو اس کے دل پر سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے جو توبہ کرنے سے اُٹھ جاتا ہے اور توبہ نہ کرنے اور گناہ میں زیادہ انہماک سے زیادہ ہو جاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اور کوئی وجہ نہیں ان کی اپنی بداعمالیوں سے ہی ان کے دلوں پر رین یعنی غفلت کے پردے پڑ گئے ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں ''رین'' یہ ہے کہ گناہ پر گناہ کئے جائیں حتٰی کہ دل اندھا ہو کر مر جائے۔

''اس شخص کی پیروی مت کرو جس کا دل ذکرِ الٰہی سے غافل ہو چکا ہے اور وہ خواہشات کا بندہ بن گیا ہے اور اس کے جملہ کام افراط وتفریط سے لبریز ہیں۔''

مُرشدِ ربانی کے اوصاف

لہٰذا انسان جب کسی کو مقتدا بنانا چاہے تو پہلے یہ پوری طرح دیکھ لینا چاہئے کہ وہ مقتدا اہلِ ذکر ہے یا ذکرِ الٰہی سے غافل؟ اور اس پر خواہشات کی حکمرانی ہے یا وحی رحمانی کا تسلط اگر خواہشات کی حکمرانی ہو تو یہ ذاکر نہیں۔ ایک غافل انسان ہے جس کا تمام کام افراط وتفریط سے مملو ہے۔ اس لئے اس سے دور رہنا چاہئے۔ اس کو اہمیت نہیں دینی چاہئے اور نہ اس کی پیروی کرے کیونکہ وہ اسے ہلاکت وتباہی کی طرف لے جائے گا۔ فرطًا کے کئی ایک معنی ہیں۔ اوّل تضییع یعنی ضروری ولابدی امر کو ضائع کر دینا۔ جس پر انسان کی رشد و فلاح کا دارومدار ہو۔ دوم اسراف وافراط سوم اہلاک یعنی ہلاکت وتباہی میں ڈالنے والا۔ چہارم خلاف حق۔ مگر تمام کا معنی ومطلب قریب قریب ہی ہے۔

غرضیکہ جس میں یہ جملہ صفات موجود ہوں اس کی اقتدا و پیروی کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے۔ اس لئے انسان کا یہ فرض ہے کہ اپنے شیخ ومقتدا اور متبوع کو غور سے دیکھ لے۔ اگر وہ اسی مذاق اور اسی جنس کا آدمی ہے تو فوراً دور ہو جائے۔ اگر اس پر ذکرِ الٰہی اور اتباع سنت کا غلبہ ہو اس کے تمام کام افراط وتفریط سے خالی ہوں اور امور شرعیہ میں ہوشیار وچالاک چوبند ہو تو دوڑ کر اس کی رکاب تھام لے اور اس کے جملہ احکام پر مضبوطی سے کاربند ہو جائے۔

غرضیکہ ذکر کے بیشمار فوائد ہیں اور زندہ ومردہ انسان میں صرف ذکر کا ہی فرق ہے ذکر کرتا ہے تو زندہ ورنہ مردہ ہے مسند میں مرفوع حدیث ہے کہ۔

''اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰہِ تَعَالٰی حَتّٰی یُقَالَ مَجْنُوْنٌ۔''

''اللہ کا اس قدر ذکر کرو کہ لوگ دیوانہ کہنے لگ جائیں۔''

فوائدِ ذکر

ذکرِ الٰہی کے سو سے زیادہ فوائد ہیں (چند حسب ذیل ہیں)

① ذکرِ الٰہی شیطان کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔

② ذکرِ الٰہی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا باعث ہوتا ہے۔

③ دل کے تمام غم و فکر و قلبی پریشانیوں کو دفع کرتا ہے۔

④ دل میں فرح و سرور و انبساط اور عیش و خوشی پیدا کرتا ہے۔

⑤ دل اور بدن کو طاقت بخشتا ہے۔

⑥ دل کو روشن اور چہرے کو نورانی کرتا ہے۔

⑦ کشائش رزق کا موجب ہے۔

⑧ ذاکر کو رعب و ہیبت، لذت و حلاوت اور غور و تدبر کا لباس پہناتا ہے۔ [1]

⑨ اس سے محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ جو اسلام کی روح آسیائے ملت کا قطب [2] اور سعادت و نجات کا مدار ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا کوئی سبب بنا دیا ہے اور محبت کا سبب اور وسیلہ ذکرِ الٰہی کی مداومت ہے۔ جُوں جُوں ذکر میں اضافہ ہوگا۔ توں توں محبتِ الٰہی بڑھتی جائے گی۔ لہذا محبتِ الٰہی کے طالب و خواہش مند کو تمام علائق توڑ کر ذکرِ الٰہی پر ٹوٹ پڑنا چاہیے اور حد سے زیادہ شوق و رغبت اور توجہ و انہماک سے ادا کرنا

---

[1] النضرۃ کا ترجمہ غور و تدبر نہیں بلکہ چمک دمک، حسن و رونق ہوتا ہے۔ اصل عبارت ہے۔ یکسو الذاکر المهابة و الحلاوة والنضرة۔

[2] اصل عبارت ہے۔ قطب رحی الدین "دین کی چکی کا مدار اور محور ہے" (عبدالعزیز علوی)

چاہئے۔ کیونکہ جس طرح علم درس و مذاکرہ سے بڑھتا ہے اسی طرح کثرتِ ذکر سے محبتِ الٰہی بڑھتی ہے جس طرح درس و تکرار علم کا دروازہ ہے اسی طرح ذکرِ الٰہی محبت کا دروازہ محبت کا شارع اعظم اور صراط اقوم (سیدھا راستہ) ہے۔

⑩ ذکرِ الٰہی سے محاسبہ نفس کا مادہ پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ ذکر ذاکر کو "باب الاحسان" یعنی دروازہ احسان کے اندر داخل کر کے دم لیتا ہے۔ جہاں پہنچ کر وہ اللہ کی اس طرح عبادت کرتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کو بچشمِ خود دیکھ رہا ہے۔ مگر یاد رکھئے! جس طرح کوئی شخص دھرنا مار کر بیٹھ رہنے سے گھر تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح کوئی شخص ذکرِ الٰہی سے غافل رہ کر مقام احسان تک نہیں پہنچ سکتا۔

⑪ ذکرِ الٰہی سے انابت حاصل ہوتی ہے۔ انابت کہتے ہیں رجوع الی اللہ کو تو انسان جب ذکرِ الٰہی کے ذریعے اللہ کی طرف زیادہ رجوع کرے گا۔ اسی قدر اس کا دل تمام حالات، تمام معاملات اور تمام کاروبار میں اللہ تعالیٰ کی جانب پھریگا۔ اللہ کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور محض اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا مربی تصور کریگا حتیٰ کہ صرف ایک اللہ ہی اس کا ملجا و ماویٰ اللہ ہی اس کی جائے پناہ ہوگا۔ اللہ ہی ہر مصیبت و پریشانی میں اس کا دستگیر ہو گا اور اللہ ہی اس کا مرجع و معاد اور قبلہ و کعبہ دل ہوگا۔ اور نزولِ مصائب و بلیات کے وقت صرف ایک اللہ ہی کو پکارنے کا عادی، بلکہ ماہر و پختہ ہو جائے گا۔

⑫ ذکرِ الٰہی تقریبِ الٰہی کا موجب ہوتا ہے جس قدر ذکرِ الٰہی میں کوشش ہوگی اسی تناسب سے قرب زیادہ ہوگا اور جس قدر غفلت زیادہ ہوگی اسی قدر بعد ہوگا۔

⑬ ذکرِ الٰہی سے انسان پر معرفت کے بڑے بڑے دروازے کھل جاتے ہیں، اور جس قدر زیادہ کرتا ہے اسی قدر معرفت میں بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ معرفت الٰہی کا سب سے بڑا عارفِ اعظم بن جاتا ہے۔

⑭ ذکرِ الٰہی دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت و عظمت اور عزت و جلال کا سکہ بٹھاتا ہے کیونکہ ذاکر کے دل پر اللہ تعالیٰ کا انتہائی غلبہء و استیلا چھا چکا ہوتا ہے۔ اور وہ پوری

طرح حضور قلب سے اللہ کی طرف رجوع ہوا ہوتا ہے۔ مگر ایک غافل الذکر انسان کی یہ حالت بالکل نہیں ہوتی کیونکہ اس کے دل پر ہیبت الٰہی کا محض معمولی اور باریک سا پردہ ہوتا ہے۔

⑮ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے عزوجل آسمانوں میں اس کا تذکرہ کرنے لگ جاتے ہیں چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

"فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ." "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔"

اور ذکرِ الٰہی میں اگر یہی ایک وصف (تذکرہ الٰہی) موجود ہو تو اس کے لئے یہی شرف وفضیلت کافی ہے چہ جائیکہ دیگر اوصاف حسنہ اس میں مرکوز ہوں چنانچہ آنحضرت ﷺ سے حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"مَنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِيْ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِيْ وَمَنْ ذَكَرَنِيْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ." (صحیح بخاری)

"جو مجھے دل میں یاد کرے میں اسے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو کسی مجلس میں میرا ذکر کرے میں اس کا ایسی مجلس میں تذکرہ کرتا ہوں جو ان سے بھی بہتر ہے۔"

⑯ ذکرِ الٰہی حیات قلبی کا موجب ہے جوں جوں انسان ذکرِ الٰہی کرتا ہے اس کے دل میں نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں (ابن قیمؒ) نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ قَدَّسَ اللّٰهُ رُوْحَهُ سے سنا۔ فرماتے تھے دل کے لئے ذکر ایسا ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی تو بتلائیے پانی سے جدا ہونے پر مچھلی پر کیا گذرتی ہے؟

⑰ ذکر دل اور روح دونوں کی غذا ہے۔ انسان کو جب ذکرِ الٰہی کی خوراک نہ ملے تو وہ اس جسم کی طرح بیکار و ناکارہ ہو جاتا ہے جس کی خوراک بند کر لی جائے تو وہ کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔

شیخ الاسلامؒ کا مقولہ

ایک دفعہ مجھے (ابن قیم کو) شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ نے صبح کی نماز پڑھی پھر وہیں بیٹھ کر تقریباً دوپہر تک ذکرِ الٰہی کرتے رہے ذکر سے فارغ ہو کر بندہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے ''یہ تو میرا ناشتہ ہے۔ اگر یہ ناشتہ نہ کھاؤں تو یقیناً میری قوت سلب ہو جائے'' ایک دفعہ فرمایا بعض دفعہ میں اپنے نفس کو دم دے کر اس لئے قدرے آرام دے لیتا ہوں کہ دوبارہ پوری مستعدی سے دوسرا ذکر کر سکوں۔''

⑱ ذکرِ الٰہی دل کا زنگ اتار دیتا ہے جیسا کہ سابقہ حدیث شریف میں بیان ہو چکا ہے۔ ہر چیز کو زنگ لگ جاتا ہے اور دل کا زنگ غفلت و ہوا اور خواہش نفسانی ہے اور اس کی جلاء ذکرِ الٰہی اور توبہ واستغفار ہے۔

⑲ ذکرِ الٰہی تمام گناہوں اور بدیوں کو محو کر دیتا ہے۔ کیونکہ ذکر تمام نیکیوں سے اعلیٰ ترین نیکی ہے۔ اور نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

⑳ ذکر انسان اور اللہ تعالیٰ کی باہمی بیگانگی و بے ربطی کو زائل کرتا ہے کیونکہ غافل انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی قسم کا رابطہ نہیں ہوتا۔ لہذا ذکر ہی ایک ایسی چیز ہے جو باہمی رابطہ و تعلقات کو استوار رکھ سکتی ہے۔ باہمی بیگانگی کو دور کر سکتی ہے۔

㉑ ذاکر اللہ تعالیٰ کا جن کلمات جلالت اور تسبیحات و تحمیدات سے ذکر کرتا ہے وہی اذکار مصائب و تکلیف کے وقت اس کا ذکر کرنے لگتے ہیں، کیونکہ امام احمدؒ نے مسند احمد میں اللہ کے پیغمبر ﷺ سے روایت فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اِنَّ مَا تَذْكُرُوْنَ مِنْ جَلَالِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنَ التَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّحْمِيْدِ يَتَعَاطَفْنَ حَوْلَ الْعَرْشِ لَهُنَّ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ يَذْكُرُوْنَ بِصَاحِبِهِنَّ اَفَلَا يُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ مَا يُذَكِّرُبِهٖ هٰذَا الْحَدِيْثِ اَوْبِمَعْنَاهُ.'' (مسند احمد ص ۴/ ۲۶۸)

''ہیبت وجلالِ خداوندی سے جو تم اس کی تہلیل و تکبیر اور تحمید کرتے ہو، وہ جا کر عرش الٰہی کے گرد گھومنے لگ جاتی ہیں اور شہد کی مکھیوں کی طرح آواز کرتی ہیں اور اپنے فاعل کو یاد کرتی ہیں کیا تمہیں پسند نہیں کہ تمہیں بھی کوئی چیز عرش الٰہی کے پاس یاد کرے اور تمہارا تذکرہ کرے؟''

(۴۲) جب انسان عیش و کشادگی میں ذکرِ الٰہی کرتے کرتے اللہ تعالیٰ سے تعارف اور راہ ورسم پیدا کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا واقف کار بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تنگی وشدت میں اس کا واقف و مددگار ہوتا ہے اور اس سے جان پہچان رکھتا ہے اور ہر وقت اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ چنانچہ ایسے مفہوم کی ایک حدیث بھی آئی ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کا مطیع و ذکر گذار بندہ جب اللہ تعالیٰ کو سختی و مصیبت کے وقت پکارتا ہے یا اپنی حاجت کے لئے دستِ سوال دراز کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے اللہ کسی واقف و معروف شخص کی معروف سی آواز سنائی دیتی ہے لیکن اللہ تعالی سے اعراض کنندہ غافل شخص جب اللہ تعالیٰ کو پکارتا اور اس کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں مولا! کسی منکر و ناواقف شخص کی غیر معروف آواز ہے۔''

(۴۳) عذابِ الٰہی سے نجات کا ذریعہ ہے جیسا کہ معاذ کا قول ہے اور مرفوعاً آنحضرت ﷺ سے بھی مروی ہے کہ:

مَا عَمِلَ اٰدَمِیٌّ عَمَلاً اَنْجٰی لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی *

''آدمی کوئی ایسا عمل نہیں کرتا۔ جو اس کے لئے ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات دہندہ ہو۔''

(۴۴) ذکرِ الٰہی کے باعث ذاکر پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے آرام وسکینت نازل ہوتی ہے۔ اسے رحمت الٰہی ڈھانپ لیتی ہے اور اس کے گرد رحمتِ الٰہی کے فرشتے پرے کے پرے

---

* اسے طبرانی نے اوسط اور صغیر میں جابر بن عبداللہ سے روایت کیا اور اس کی ہر دو اسناد کے رجال صحیح کے رجال ہیں نیز اسے مالک ترمذی سے معاذ سے روایت کیا ہے۔

باندھ کر گھیرا ڈال لیتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔

⑮ ذکرِ الٰہی زبان کو چغلی وغیبت جھوٹ وبکواس، گالی گلوچ اور باطل سے محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے کیونکہ آخر انسان کو کلام تو کرنا ہی ہوتا ہے۔ اگر زبان سے ذکرِ الٰہی اور تبلیغِ احکام نہ کرے تو کبھی جائز بات کہے گا اور کبھی ناجائز بلکہ بسا اوقات حرام فسق و فجور اور بیہودہ بکواسات کہے گا۔ جس سے زبان کو محفوظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔ اور وہ محض اللہ کا ذکر اذکار کرنے سے ہی محفوظ رہ سکتی ہے اور تجربہ ومشاہدہ دونوں اس پر شاہد ہیں لہٰذا جس نے زبان کو ذکرِ الٰہی کا عادی بنا دیا، اس نے اپنی زبان کو ہر قسم کے باطل و بیہودہ لغویات اور بکواسات سے محفوظ کر لیا مگر جس کی زبان ذکرِ الٰہی سے خشک ہو جائے تو ہر لغو و باطل وفحش میں تر رہے گی۔

وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰہِ۔

⑯ ذکرِ الٰہی کی مجالس فرشتوں کی مجلسیں ہوتی ہیں اور لغو و باطل اور خالی از ذکر مجلسیں شیطانی مجلسیں ہوتی ہیں۔ اب انسان کے سامنے دونوں مجلسیں ہیں جسے بہتر تصور کرتا اور پسند کرتا ہے۔ اسے خود انتخاب کر لے۔ کیونکہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوگا۔

⑰ ذاکر ذکر سے خود بھی سعید و نیک بخت ہو جاتا ہے اور اس کا ہمنشین اور ہم مجلس بھی نیک بخت و نیک اقبال ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ ذکرِ الٰہی جہاں اور جس وقت بھی ہو با برکت و قابل عزت چیز ہے لیکن غافل و بیہودہ گو اپنی لغویات اور ذکرِ الٰہی سے غفلت کے باعث خود بھی بد بخت اور اپنے ہم مجلس کو بھی بد بخت بنا کر رہتا ہے۔

⑱ ذکر کی وجہ سے انسان قیامت کے دن حسرت وافسوس سے مامون ومصئون رہے گا کیونکہ جو مجلس ذکرِ الٰہی سے خالی ہو وہ مجلس اہل مجلس پر قیامت کے دن حسرت و ہلاکت اور بربادی کا موجب ہوگی۔

⑲ خلوت میں اللہ کی یاد کر کے رونے سے اس دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا جس

دن سخت گرمی اور حد درجہ کی دھوپ ہوگی تمام لوگ سورج کی گرمی اور دھوپ میں تڑپ رہے ہونگے اور ذاکر عرش الٰہی کی ٹھنڈی چھاؤں کے نیچے نہایت عیش و آرام کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔ [1]

(۳۰) ذاکر کو ذکرِ الٰہی میں منہمک رہنے کی وجہ سے بارگاہ الٰہی سے وہ وہ انعامات حاصل ہوتے ہیں جو مانگ کر لینے والوں کو بھی حاصل نہیں ہوتے۔ کیونکہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے حدیث قدسی میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

قَالَ سُبْحَانَهُ تَعَالٰی مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِیْ عَنْ مَسْئَلَتِیْ أَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ۝ (خلق افعال العباد، امام بخاری)

"جس شخص کو میری یاد سوال و درخواست کرنے سے بند کرلے، میں اسے مانگ کر لینے والوں سے زیادہ عنایت کرتا ہوں۔"

(۳۱) ذکر...... جملہ عبادات سے افضل و آسان ہے

ذکر جملہ عبادات سے اعلیٰ و افضل ہونے کے باوجود سب سے سہل و آسان ترین عبادت ہے۔ کیونکہ زبان کی حرکت جملہ اعضاء و جوارح کی حرکات کی نسبت نہایت خفیف و آسان ترین ہوتی ہے۔ شب و روز جس قدر زبان حرکت کرتی ہے اتنا دیگر اعضاء و جوارح کو حرکت کرنی پڑے تو انھیں انتہائی مشقت ہو۔ اور وہ تھک کر چور ہو جائیں بلکہ اس قدر حرکات تو انسانی طاقت سے باہر ہے۔ یہ زبان ہی کا کام ہے کہ شب و روز اس قدر حرکت کرنے اور ہلنے جلنے سے تھکنے میں نہیں آتی۔

(۳۲) ذکر سے جنت میں درخت لگتے ہیں

ذکرِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی یاد بہشت بریں کے پودے و درخت ہیں۔ ترمذی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] والشمس قدمهرتهم. مهر کا اصل معنی ہے پگھلانا۔ گلانا یا جھلس دینا۔

"لَقِيتُ لَيلَةَ اُسرِيَ بِیْ اِبرَاهِيمَ الْخَلِيلَ عَلَيهِ السَّلام فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! اِقْرَءْ اُمَّتَکَ السَّلام وَاَخبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّربَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ وَاَنَّهَا قِيعَانٌ وَاَنَّ غِرَاسَهَاسُبحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ"

"معراج کی رات ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے، محمد میری طرف سے اپنی امت کو سلام دینا اور کہنا جنت کی زمین بھی نہایت زرخیز و اعلیٰ ہے اور پانی بھی میٹھا ہے اور بے نمکین ہے۔ مگر ہے وہ صاف اور چٹیل میدان اور اس کے پودے ہیں۔ سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر۔"

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث غریب ہے نیز ترمذی میں مروی ہے کہ پیغمبر اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ قَالَ سُبحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمدِهٖ غُرِسَتْ لَهٗ نَخْلَةٌ فِی الْجَنَّةِ۔"

(حسن صحیح بواسطہ ابی زبیر عن جابر)

"جو شخص ایک دفعہ سبحان اللہ کہے۔ اس کے لئے بہشت میں ایک کھجور لگائی جاتی ہے۔"

۴۳ جو فیض ذکر سے ملتا ہے...... کسی اور عمل سے نہیں

ذکر الٰہی پر وہ وہ فضل وانعامات مرتب ہوتے ہیں جو دیگر اعمال پر مرتب نہیں ہوتے، چنانچہ صحیحین میں بروایت ابی ہریرہؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ فِی يَوْمٍ مَائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهٗ عِدْلُ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَتْ لَهٗ مَائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مَائَةُ خَطِيئَةٍ وَكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهٗ ذَالِکَ حَتّٰی يُمْسِیَ

وَلَمْ یَاتِ اَحَدٌ اَفْضَلُ مِمَّا جَاءَ بِهٖ اِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ اَکْثَرَ مِنْهُ وَمَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ فِیْ یَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَایَاهُ وَاِنْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔"

"جو شخص ہر روز سو بار لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شئی قدیر پڑھے۔ اسے دس غلام آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے اور سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ سو برائیاں محو کردی جاتی ہیں اور صبح سے شام تک وہ تمام دن شرِ شیطانی سے محفوظ ومصئون رہتا ہے اور اس کے اعمال سے بڑھ کر کسی کا عمل افضل واعلیٰ نہیں اِلّا یہ کہ اس سے بڑھ کر کوئی عمل کرے اور جو شخص دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہے اس کے تمام گناہ خواہ وہ کف سمندر سے بڑھ کر کیوں نہ ہوں یکسر معاف ہوجاتے ہیں۔"

نیز صحیح مسلم میں ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ۔"

"جملہ کائنات کے بجائے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ مجھے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہہ لینا زیادہ محبوب ہے۔"

ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

"مَنْ قَالَ حِیْنَ یُصْبِحُ اَوْیُمْسِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَصْبَحْتُ اُشْهِدُکَ وَاُشْهِدُ حَمَلَةَ عَرْشِکَ وَمَلَائِکَتَکَ وَجَمِیْعَ خَلْقِکَ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ اَعْتَقَ اللّٰهُ رُبُعَهٗ مِنَ النَّارِ وَمَنْ قَالَهَا مَرَّتَیْنِ اَعْتَقَ اللّٰهُ نِصْفَهٗ مِنَ النَّارِ وَ مَنْ قَالَهَا ثَلٰثًا اَعْتَقَ اللّٰهُ ثَلَاثَةَ اَرْبَاعِهٖ مِنَ النَّارِ وَ مَنْ قَالَهَا اَرْبَعًا اَعْتَقَهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ۔"

''جو شخص صبح یا شام یہ دعا مانگے، کہ اے اللہ میں تجھ کو تیرے عرش کے اٹھانے والوں کو تیرے فرشتوں اور تیری تمام مخلوقات کو اس قرار پر گواہ بناتا ہوں کہ تو اللہ ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ تیرے بندے اور رسول ﷺ ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک چوتھائی جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ دو دفعہ کہے تو نصف آزاد تین مرتبہ کہے تو تین چوتھائی اور جو چار مرتبہ کہے تو اسے سو فیصدی آزاد کر دیتا ہے۔''

نیز ترمذی میں بروایت ثوبان مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ قَالَ حِيْنَ يُمْسِيْ وَاِذْ اَصْبَحَ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُوْلًا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُرْضِيَهُ۔''

''جو شخص صبح و شام یہ کہے، کہ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر دل و جان سے رضامند ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ اسے راضی کر کے چھوڑے۔''

نیز ترمذی شریف میں ہے:

''مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَمَحَاعَنْهُ اَلْفَ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ دَرَجَةٍ۔

''جو شخص بازار میں داخل ہو۔'' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہے تو عزوجل اس کی دس لاکھ نیکیاں درج کر لیتے ہیں دس لاکھ برائیاں محو کر دیتے ہیں اور اس کے دس لاکھ درجے بلند کرتے ہیں۔''

۲۳ ذکرِ الٰہی سے انسان اللہ کو کبھی نہیں بھولتا

ذکرِ الٰہی اور یادِ اللہ پر مداومت سے انسان اللہ کو کبھی نہیں بھولتا اور اللہ تعالیٰ کو بھول جانا ہی انسان کے لئے اس کی دنیا و آخرت معاش و معاد میں انتہائی شقاوت و بد بختی کا سبب ہے اس کی وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو بھلا دینا خود انسان کے نفس و مصالح کے بھلا دینے کا موجب ہوتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

"وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنسٰهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ." (حشر ۵۹)

"ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنھوں نے اللہ کو بھلایا تو اللہ نے خود ان سے ان کے نفس بھلوا دیئے یہی لوگ فاسق و بدکار ہیں۔"

اب دیکھئے! جب انسان خود اپنے نفس کو بھول جائے تو اس کے تمام مصالح و فوائد سے بے رغبت ہو جائیگا اور اسے بھول کر غیروں کی طرف متوجہ ہو جائیگا۔ لہٰذا اس کا خراب و برباد ہونا لابدی امر ہے اس کی مثال بعینہ باغ و زراعت اور مال مویشی وغیرہ کی سی ہے جن کی اصلاح و درستی مالک کی حفاظت و نگرانی پر موقوف ہے اگر ان کی اصلاح و درستی کو خیر باد کہہ کر کنارہ کشی کرے۔ انھیں بھول کر دوسری چیز میں مشغول ہو جائے۔ اور ان کے فوائد و مصالح کو ضائع و برباد کر دے تو ان کا خراب و برباد ہونا یقینی و لابدی امر ہے۔ حالانکہ ان تمام کا انتظام اس کے قائم مقام ہو کر کوئی دیگر شخص بھی سر انجام دے سکتا ہے تو کیا اگر اپنے نفس کا خیال ترک کر دے اسے بھول کر دوسری چیز میں مشغول ہو جائے اس کی حفاظت و نگرانی ترک کر دے اور اس کی اصلاح سے منہ موڑ لے تو وہ خراب و برباد اور بد بخت نہیں ہوگا؟ پھر خود ہی بتلایئے کیا آپ اسے خراب و برباد کر کے محروم و نامراد ہونا چاہتے ہیں؟ یہی ایسا شخص ہے جس کے جملہ کاروبار حد سے متجاوز ہونے کی وجہ سے مقامِ افراط تک پہنچ گئے۔ تمام مصالح ضائع

ہوئے اور بربادی ناکامی ونامرادی اور ہلاکت وخسران کے اسباب وعلائق نے پوری طرح اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان تمام نقصانات سے بچنے کا واحد ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ کی دائمی یاد۔ ذکرِ الٰہی سے والہانہ شیفتگی وو ابستگی اور ہر وقت اللہ کی یاد میں رطب اللسان رہنا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ یادِ الٰہی کو اپنی زندگی وحیات کا لازمی جزنہیں بلکہ خود اسی کو زندگی تصور کرے جس کے سوا انسان کو کچھ چارہ نہیں اور اسے غذا کے قائم مقام سمجھے جس کے فقدان سے جسم کی تباہی وبربادی یقینی ہوتی ہے ہاں شدت پیاس وتلخی کے وقت اسے آب خنک سردیوں اور گرمیوں کا لباس انتہائی جاڑے اور لوؤں سے بچنے کی جھونپڑی سمجھے۔

اللہ کے بندوں کے لئے ضروری ہے کہ ذکرِ الٰہی کو ان تمام چیزوں کے قائم مقام بلکہ ان سے اعظم واعلیٰ خیال کریں۔ کیونکہ کہاں روح وقلب کی خرابی وہلاکت؟ اور کجا بدن کی خرابی وبربادی؟ بدن کی خرابی وہلاکت یقینی ولابدی سہی مگر بعد از خرابی بسیار پھر بھی قابل اصلاح ہے لیکن روح وقلب کی موت کے بعد تو اس کی اصلاح وفلاح کی امید بھی مفقود اور ناممکن ہے۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اور ذکر ودوامِ ذکر میں محض یہی ایک فائدہ جملہ فوائد سے کافی ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کو بھلادے۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں اس سے اس کا اپنا نفس بھلادیگا، اور قیامت کو عذابِ جہنم میں ذاکر فراموش کردے گا۔ ارشاد باری ہے۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۔" (طٰہ:۱۲۴)

"جو میرے ذکر سے اعراض کرے اس کے لئے معیشت تنگ ہے اور قیامت کو اسے ہم اندھا کر کے اٹھائیں گے، وہ کہے گا اے میرے رب!

مجھے تو نے نابینا کر کے کیوں اٹھایا۔ حالانکہ میں آنکھوں والا ہوتا تھا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ تیرے پاس ہماری آیات آئی تھیں تو تو نے انھیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تجھے بھی فراموش کر دیا جائے گا۔"

تُنْسٰی اَعْرَضَ اور ضَنْکًا کی تفسیر

تُنْسٰی * میں نسیان نسیان درعذاب مراد ہے یعنی جس طرح تو نے میری آیات کو بھلا کر نہ یاد کیا نہ ان پر عمل کیا۔ اسی طرح آج تجھے بھی عذاب میں دھکیل کر خاموش کر دیا جائے گا اور اعراض عن الذکر اس ذکر کے اعراض کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ ذکر منزل من اللہ پر عمل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے احکام کا خیال رکھا جائے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے اعراض اور اس کی کتاب اس کے اسماء اس کی صفات اس کے اوامر اور اس کی نعمت و انعامات سے اعراض سب کا مطلب ایک ہے اور وہ ہے اعراض عن ذکر اللہ کیونکہ ان چیزوں سے اعراض۔ اعراض عن کتاب اللہ کے تحت اور تابع ہے۔

وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت شریفہ میں ذکر کا لفظ یا مصدر مضاف بجانب فاعل ہے یا مضاف باضافتِ اسماءِ محضہ ہے اور اعراض عن کتاب اللہ کا مطلب یہ ہے کہ نہ اس کی تلاوت کرے نہ اس میں تدبر، نہ اس پر عمل کرے اور نہ اس کے معانی و مطالب کو سمجھے تو اس کی حیات و زندگی عیش و معیشت سراسر اس پر وبال و مصیبت ہوگی اس کی گذران تنگ اور مصائب سے لبریز ہوگی۔ اور ضنک تنگی و شدت اور تکلیف و

---

* یعنی اس کا خیال ترک کر دیا جائے گا۔ جیسے کوئی بھولا ہوا شخص خیال میں نہیں آتا اسے بطور مشاکلتِ نسیان کا نام دیا گیا ہے جیسے ارشاد باری ہے نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (لوگوں نے اللہ کو بھلایا تو اس نے انھیں بھلا دیا) ورنہ اللہ تعالیٰ پر حقیقی نسیان تو بالکل محال ہے۔ جیسا کہ اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کی حکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى (طٰہٰ ع ۲) یعنی میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔

مصیبت کا نام ہے۔ یہاں معیشت کو مبالغۃً ضنک کا موصوف بنا کر پیش کیا گیا ہے اور اس تنگ زندگی کی عذابِ برزخ سے بھی تفسیر کی گئی ہے صحیح یہ ہے کہ دنیوی معیشت کو بھی شامل ہے اور برزخی حالت کو بھی۔ کیونکہ وہ دونوں جہانوں میں شدت مشقت اور تنگی میں ہوتا ہے اور آخرت میں بھی عذاب میں ڈال کر فراموش کیا جائے گا مگر یاد رہے۔ یہ بد بخت لوگوں کا حال ہے لیکن اہلِ سعادت وفلاح کا حال اس کے برعکس ہے کیونکہ ان کی دنیوی زندگی بھی طیب واعلی اور برزخی بھی طیب پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور آخرت میں تو ثواب کے لحاظ سے سب سے افضل واعلیٰ ہوں گے کوئی ان کا ہمسر نہیں ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً." (نخل ۹۷)

"جو مرد وعورت بحالتِ ایمان عمل صالح کرے تو اسے ہم طیب اور بہترین زندگی عنایت کریں گے۔"

یہ تو ہے دنیا میں رہی برزخ وآخرت تو اس کے متعلق ہے۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل: ۹۷)

"اور ہم انھیں ان کے عملوں سے بہتر بدلہ دیں گے۔"

پھر ایک جگہ ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ." (النحل ۴۱)

"مظلومی کے بعد جو مہاجر فی سبیل اللہ ہوئے۔ ہم انھیں اس دنیا میں بھلائی نصیب کریں گے اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے اگر وہ جانتے ہوں (یہ دنیا و آخرت دونوں کے لئے ہے)"

نیز فرمایا:

''وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ.'' (ھود ۱۱)

''اپنے رب سے بخشش مانگو۔ پھر اس کی طرف رجوع کرو تمہیں ایک وقت مقرر تک اچھا فائدہ دے گا اور ہر صاحبِ فضل کو اس کا فضل عنایت کریگا۔ (یہ بھی دنیا و آخرت دونوں کے لئے ہے)

ایک جگہ فرمایا:

''قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ.'' (زمر ۳۹)

''کہہ دو کہ اللہ کے ایماندار بندو! اپنے رب سے ڈرو نیکی کرنے والوں کے لئے دنیا میں بھی بھلائی و بہتری ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے اور صابر لوگوں کو ان کا اجر بے حساب پورا پورا دیا جائیگا (یہ بھی دنیا و آخرت کے لئے ہے)

محسنین کے لئے دو اجر

تو یہ چار مقام ہیں جن میں اللہ عزوجل نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے فضل واحسان سے محسنین کو ایک نہیں دو جزائیں مرحمت فرمائیں گے ایک دنیا میں دوم آخرت میں اور جس طرح اساءت و برائی کی جزا دنیا میں ضروری ہے اسی طرح نیکی و احسان کی بھی جزا دنیا میں ضروری ہے محسن کو احسان کے عوض محض انشراحِ صدر کشادگی قلب اپنے رب کے ساتھ معاملہ کرنے میں سرور ولذات ۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری، اللہ تعالیٰ کی یاد و محبت سے روح کی خوش باشی ہی حاصل ہو جائے تو کافی ہے پھر ذکرِ الٰہی سے جو فرحت حاصل ہوتی ہے وہ اس خوشی و مسرت سے کئی گنا زیادہ ہے جو بادشاہ کے کسی مقرب کو اپنے رحمدل اور مہربان بادشاہ سے حاصل ہو اسی طرح

کسی بدکار شخص کو سینہ تنگی، سخت دلی تشتتِ قلبی، سیاہ دلی رنج وملال غم واندوہ اور خطرہ و خوف حاصل ہوتو وہی کافی ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جس میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ احساس رکھنے والے کے لئے شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ یہ تمام رنج وملال غم و اندوہ اور جملہ مصائب عقوبات عاجلہ دنیا میں دوزخ ہیں مگر اس کے برعکس توجہ الی اللہ انابت الی اللہ حب اللہ بغض فی اللہ اور محبتِ الٰہی سے دل کا بھر آنا ہونا۔ ذکرِ الٰہی سے والہانہ شفتگی وعقیدت اور معرفتِ الٰہی سے فرح وسرور اور مسرت حاصل ہونا یہ تمام ثواب عاجل (نقد ثواب) اور دنیا میں جنت ہے اور یہ وہ عیش ونعمت ہے جن سے شاہانہ عیش کو یقیناً ذرہ برابر بھی نسبت نہیں۔

دنیا میں جنت

شیخ الاسلام (ابن تیمیہؒ) فرمایا کرتے تھے ''دنیا میں بھی جنت ہے۔ جو شخص دنیوی جنت میں داخل نہ ہو وہ اخروی جنت میں بھی داخل نہیں ہوگا''

شیخ الاسلامؒ کی اسیری اور مختصر حالات

ایک دفعہ مجھے (ابن قیم) کو فرمایا:

دشمن میرا کیا بگاڑ لیں گے، میری جنت اور میرا باغ تو میرے سینے میں ہے۔ جہاں جاؤں وہ میرے ساتھ ہوتے ہیں کبھی مجھ سے علیحدہ نہیں ہوتے قید وحبس میری خلوت قتل میرے لئے شہادت اور جلاوطنی میری سیر وسیاحت ہے''

قلعہ کے اندر قید میں فرمایا کرتے:

''اس نعمت (قید وبند) کے شکرانہ میں یہ قلعہ سونے سے بھر کر خرچ کر دینا بھی میرے نزدیک کم ہے اور میں اس نعمت کے عوض اس قدر سونا نثار کرنے کو بالکل حقیر رقم تصور کرتا ہوں'' یا یوں فرمایا ''دشمنوں نے مجھے قید وبند میں ڈال کر جو مجھ پر احسان کیا ہے اور جو میرے لئے خیر وبھلائی کے اسباب مہیا کر دیئے ہیں میں ان کا

عوض ادا کرنے سے قاصر ہوں۔''

ایام حبس میں سجدہ کے اندر کثرت سے یہ دعا فرمایا کرتے، کہ

''اَللّٰهُمَّ اَعِنِّی عَلٰی ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ''

''اے اللہ! اپنے ذکر وشکر اور حسنِ عبادت پر میری اعانت و دستگیری فرمائیے۔''

ایک دفعہ مجھے فرمانے لگے:

''محبوس وہ نہیں جو قید ہو جائے۔ محبوس وہ ہے جس کا دل اپنے رب سے رک جائے بلکہ اسیر وہ ہے جو خواہشات کا اسیر ہو جائے۔''

گرفتار ہو کر جب قلعہ میں داخل ہوئے اور قلعہ کی دیوار کے اندر چلے گئے تو قلعہ کو دیکھ کر فرمانے لگے (اور کیا مزے کی کہی)

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (حدید: ۵۷)

''ان کے درمیان دیوار کھینچ دی گئی جس کا ایک دروازہ ہے اس کے اندرونی جانب رحمت اور باہر کی طرف عذاب و مصیبت ہے۔''

اور اللہ ہی جانتا ہے کہ آج تک مجھے ایسا کوئی شخص نظر نہیں آیا جو بحالت قید مجھے ان سے زیادہ طیب عیش اور خوش باش گذر اوقات کرتا نظر آیا ہو حالانکہ وہ قید (جیل) میں از حد ضیق العیش اور تنگی سے دن بسر کر رہے تھے۔ جہاں آرام و آسائش اور نعمت و رفاہیت کا نام تک نہیں تھا بلکہ ان کی اضداد کا دور دورہ تھا۔ آپ جیل کے اندر ٹھونسے ہوئے تھے اور اس قدر انتہائی تہدید و بدتمیزی کا سلوک کیا جاتا تھا کہ بدن کانپ اٹھتا۔ اس کے باوجود وہ تمام لوگوں سے زیادہ طیب العیش، سب سے زیادہ منشرح الصدر، سب سے زیادہ مضبوط دل اور تمام لوگوں سے اس قدر زیادہ خوشدل نظر آتے کہ نعمت کی تازگی اور رونق کے آثار ان کے چہرہ پر نمایاں دکھائی دیتے۔ علی ہذا القیاس جب خطرات و وحشت کی گھٹائیں ہم پر چھا جاتیں اور چاروں طرف سے

ہم خطرناک حالات میں گھر کر دل چھوڑ بیٹھتے اور طرح طرح کی بدگمانیوں کا ہمارے دل میں تانتا بندھ جاتا اور اس قدر وسعت وکشادگی کے باوجود جب زمین بھی ہم پر تنگ ہو جاتی تو جونہی ہم گھبرا کر آپ کے پاس آتے، آپ کو دیکھتے اور آپ کا کلام سنتے۔ ہماری تمام وحشتیں کافور ہو جاتیں تمام بدگمانیاں رفع ہو جاتیں اور بالکل ہماری کایا پلٹ جاتی۔ تنگی کشادگی سے، کمزوری طاقت سے، گمان یقین سے اور گھبراہٹ طمانیت سے بدل جاتی۔ قربان جاؤں مولائے کریم پر جس نے اپنے بندوں کو دنیا میں ہی جنت دکھادی اور دنیائے دارالعمل میں ہی ان کے لئے بہشت کے دروازے کھول دیئے۔ جہاں سے خوشبودار ہوائیں ان کے دل ودماغ کو معطر کر رہی ہیں نسیم بہشتی کے جھونکے آ رہے ہیں اور طرح طرح کی ہواؤں سے ان کے دل ودماغ خوش ہو رہے ہیں اور طلب جنت کے لئے مشتاق اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصول جنت میں سبقت کر رہے ہیں۔

چار بزرگوں کے اقوال

ایک عارف بزرگ فرمایا کرتے تھے۔ ''اگر بادشاہوں اور شاہزادوں کو ہماری حالت کا صحیح علم ہو جائے تو وہ تلواروں سے لڑ کر بھی وہ حالت ہم سے چھیننے کے لئے تیار ہو جائیں۔''

دوسرے بزرگ ارشاد فرماتے ہیں:

''بچارے دنیا کے مسکین دنیا بھی چھوڑ گئے اور دنیا کی بہترین چیز کی لذت اور ذائقہ سے بہرہ اندوز بھی نہ ہو سکے۔ کسی نے دریافت کیا، وہ بہترین چیز کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی محبت ومعرفت اور ذکرِ الٰہی۔''

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

''بسا اوقات دل پر ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ دل خوشی کے مارے رقص

کرنے لگ جاتا ہے“

ایک اور بزرگ کا قول ہے:

”مجھ پر ایسا وقت آتا ہے جس میں مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اہل جنت اگر ایسی حالت میں ہوں تو یقیناً بہترین عیش و زندگی میں ہوں گے۔“

دنیا میں جنت کیسے؟

غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی محبت۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت، ذکرِ الٰہی میں ہمیشہ رطب اللسان رہنا۔ اللہ کا نام جپنے سے بدن کو تسکین و آرام ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے دل مضطرب کا مطمئن ہو جانا۔ صرف خدائے واحد سے ڈرنا صرف اسی سے امید رکھنا محض اسی سے محبت رکھنا۔ اسی پر توکل کرنا اور جملہ معاملات میں محض خدائے واحد جل شانہٗ سے اس قدر تعلق رکھنا کہ انسان کے تمام غم و فکر اور جملہ عزائم و ارادات پر صرف خدائے جبار کی ذات اقدس ہی مستولی و غالب ہو یہی دنیا کی جنت ہے اور یہی وہ نعمت الٰہی ہے جس کا کوئی نعمت مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یہی عاشقانِ الٰہی کی خنکی چشم اور عارفوں کی جان ہے اور یاد رکھئے! جس قدر اللہ کی یاد اور تعلقِ الٰہی سے انسان کو سرور حاصل ہوگا۔ اس قدر اللہ کی مخلوق اس سے محبت کرے گی۔ اور جو شخص محبتِ الٰہی سے لطف اندوز نہ ہو دنیوی زندگی بھی اس کے لئے دوبھر اور باعثِ ندامت ہوگی اور اس کی تصدیق وہی شخص کرسکتا ہے جس میں قدرے احساس و حیات موجود ہو۔ رہا مردہ دل انسان، تو جو اس کے پاس ہے وہ آپ کے لئے وحشت کا باعث ہوگا اس لئے حتی الامکان مردہ دل انسان سے دور رہنے کی عادت ڈالئے۔ کیونکہ اس کا دور رہنا ہی آپ کیلئے مفید ہوسکتا ہے اور اس کا قرب آپ کے لئے موجب وحشت ہوگا۔ لہٰذا کسی موقعہ پر خدانخواستہ اگر آپ کو اس سے واسطہ پڑ جائے تو ظاہری تعلق رکھئے مگر اندرونی طور پر اس سے بالکل دور رہئے اور دل کا ادنیٰ سا تعلق بھی اس سے نہیں ہونا چاہئے۔

اندرونی طور پر اس سے دور رہنا چاہئے اور جو چیز اولی تر ہے، اس سے اعراض وتغافل نہیں چاہئے اور دل کے کانوں سے سن لیجئے کہ سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ آپ ایسے شخص کے دھیان میں رہیں جس کی مشغولیت تعلق باللہ کے انقطاع کا موجب ہو اپنے خالق سے رابطہ ٹوٹ جائے۔ ضیاعِ وقت پریشانیء قلب ضعفِ عزیمت اور پراگندہ خیالی حاصل ہو اور اگر خدانخواستہ ایسے شخص سے پالا پڑ ہی جائے تو کوشش کیجئے کہ اس سے تعلق احکامِ الٰہی کے تحت رہے اور وہ تعلق ایسا ہو جو خوشنودیٔ خدا کا باعث ہو اور اس کے ساتھ صحبت رکھنا فائدہ مند تجارت ثابت ہو، خسارے کا باعث نہ ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ راہ چلتے سفر میں کوئی شخص ملے اور آپ کو روک کر کھڑا ہو جائے تو آپ کو یہی کوشش کرنی چاہئے کہ آپ اس کو ساتھ لے کر چلتے جائیں۔ اگرچہ آپ کو کچھ تکلیف بھی برداشت کرنی پڑے لیکن اگر اس کی نیت سفر کی نہ ہو تو اس کے پاس ٹھہر کر قافلے کے رکنے کا باعث مت بنئے اور اس کو چھوڑ دیجئے اور چلتے بنئے اگر وہ ضد ہی کرے اور نہ ہی سفر کی اس کی نیت ہو تو وہاں سواری مت ٹھہرائیے۔ کیونکہ وہ رفیقِ سفر نہیں بننا چاہتا ہے بلکہ وہ ڈاکو ہے۔ خواہ کوئی ہو۔ شام ہونے سے پہلے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی ٹھان کر بھاگم بھاگ' اپنے ٹھکانے پہنچئے کہ راستہ میں نہ لٹ جائیں۔ یا فجر طلوع ہو جائے تو ابھی راستے میں ہو، ساتھی چلے جائیں اور تو اکیلا رہ جائے تو پھر ان کو کیسے مل سکے گا۔؟

۳۵ ذاکر کی افضیلت

ذکر انسان کو ہر وقت (روحانی) سیر کراتا ہے۔ حالانکہ کبھی وہ بستر خواب پر لیٹا ہوتا ہے کبھی کوچہ و بازار میں پھر رہا ہوتا ہے کبھی تندرست کبھی بیمار کبھی نعمتوں میں اور کبھی لذتوں میں، کبھی معاش میں، کبھی کھڑا، کبھی بیٹھا اور کبھی لیٹا ہوا کبھی سفر میں کبھی حضر میں ہر حالت میں اسے روحانی سیر کراتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ کوئی وقت اور کوئی حالت

(روحانی) سیر سے خالی نہیں گذرتی حتیٰ کہ بستر پر سوئے ہوئے غافل تہجد گذار سے کہیں آگے نکل جاتا ہے صبح دیکھو، تو ذاکر بستر خواب پر لیٹے لیٹے منزل طے کر چکا اور قافلہ سے آگے نکل گیا ہوتا ہے لیکن غفلت سے تہجد گذارنے والا شخص بیچارہ جہاں سے چلا تھا وہیں کھڑا نظر آتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرما دیتا ہے۔

ایک عابد کے متعلق حکایت ہے کہ وہ اپنے دوست کے ہاں جا کر مہمان ٹھہرے اور تہجد پڑھتے پڑھتے تمام رات گذاری مگر میزبان بستر پر لیٹے لیٹے صبح اٹھا۔ عابد صاحب فرمانے لگے، میاں! تیرے سوتے سوتے قافلہ تو دور نکل گیا، میزبان نے کہا اس کی بہادری کیا جو قافلہ کے ساتھ سفر میں ہی رات گذارے اور صبح اٹھ کر قافلہ کے ساتھ ہی چل کھڑا ہو جوانمرد تو وہ ہے جو رات بستر پر گذارے اور لیٹے لیٹے صبح کو قافلے سے بھی آگے نکل جائے۔

اس حکایت کے دونوں محمل ہو سکتے ہیں محمل صحیح بھی اور محمل فاسد بھی اگر یہ محمل قرار دیا جائے کہ انسان بستر پر لیٹے لیٹے سو کر پھڑا کے بھی مارتا ہے اور قانت قائم اللیل و تہجد گزار سے بھی ثواب میں بڑھ جاتا ہے تو یہ قطعاً غلط اور باطل ہے اس کا محمل تو یہ ہے کہ بستر پر لیٹنے والے کے دل کا کنکشن اللہ تعالیٰ سے جڑ چکا ہو اور اس کا دل اپنے پروردگار کے ساتھ معلق ہو اور محبت الٰہی کے ولولہ و جوش نے اس کے دل کو فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیا ہو اور اس کی یہ حالت ہو چکی ہو کہ وہ قدوسیوں کے مقدس جمگھٹوں میں عرشِ الٰہی کا طواف کرتے کرتے اس طرح رات بسر کر دیا کرتا ہو، گویا وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہے۔ لیکن سردی یا درد یا تکلیف کے عارضہ سے کسی رات وہ قیام اللیل نہ کر سکے، یا دشمن کے تعاقب میں تہجد نہ پڑھ سکے یا خود اس کے پیچھے پیچھے دشمن آ رہا ہو اور وہ جان کے خطرہ سے بیچارہ چھپتے چھپتے تہجد نہ ادا کر سکے یا دیگر کسی عذر کی بنا پر اس سے قیام اللیل رہ گیا ہو مگر بستر پر لیٹ کر بھی وہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی محبت کے جوش و خروش کا اس قدر جذبہ رکھتا ہو جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ تو وہ اس شخص

سے ہزار درجہ بہتر ہے، جو رات کو تلاوت و تہجد گزارتے تو صبح کر دے مگر اس کا دل کا ایک ایک گوشہ اس قدر، غرور، تکبر، طلب جاہ اور عزت طلبی کی غلاظت و گندگی سے لبریز ہو چکا ہوا سے اللہ ہی جانتا ہے یا خود وہ کہیں اور اس کا دل کہیں ہو، کیونکہ عمل کا تعلق بدن سے نہیں دل سے ہوتا ہے تمام تر دار و مدار نیت پر ہے کہ اصل چیز جڑ ہے پتے نہیں۔ کیونکہ ذکر ہی ایک ایسی چیز ہے جو خوابیدہ عزائم کے لئے ہیجان خیز ہے۔ پوشیدہ و مخفی محبت کو بھڑکا دیتی ہے اور مردہ جذباتِ طلب میں نئی روح پھونک دینے والی چیز ہے۔ (تو بلاشبہ یہ سونے والا اس قیام کرنے والے سے بہت مراحل آگے جا چکا ہے۔)

۳۱ ذکرِ الٰہی......دل کی زندگی اور آخرت کا نور

ذکر ہی ایسی چیز ہے جو ذاکر کے لئے دنیا میں بھی نور، قبر میں بھی نور اور آخرت کو بھی نور کا موجب ہوگا اور پل صراط پر اس کے آگے آگے چلتا جائے گا۔ اصل یہ ہے کہ دلوں میں نور اور قبروں میں روشنی پیدا کرنے کے لئے ذکر الٰہی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا﴾ . (انعام ٦)

بتلائیے! جو شخص جہالت و کفر کی موت مر چکا ہم نے اسے علم و ایمان کی روح "عنایت فرما کر زندہ کر دیا اور اسے نورِ شریعت عطا فرمایا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا وہ اس شخص کی مانند ہے جو ایسے اندھیروں میں گھر چکا ہو جہاں سے نکلنے کی امید بھی نہیں ہے۔"

یہاں صاحبِ نور سے وہ مومن مراد ہے جو ایمان باللہ، اللہ کی محبت، اللہ کی معرفت اور ذکرِ الٰہی سے منور و نورانی ہو چکا ہو اور صاحبِ ظلمات سے وہ شخص مراد ہے جو اللہ سے غافل ہو چکا ہو اللہ کی یاد اور محبتِ الٰہی سے بالکل منہ موڑ چکا ہو اور یہ کوئی

معمولی بات نہیں انسان کو اگر یہ نور حاصل ہو جائے تو اس میں ہر قسم کی فلاح ونجات موجود اور اگر حاصل نہ ہو تو ہر شقاوت و بدبختی اس میں مرکوز ہے۔

آنحضرت ﷺ کی دُعائے نور

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتے تو بے حد مبالغہ کرتے کہ اے میرے رب! میرے گوشت پوست، چمڑے، ہڈیوں، پٹھوں، بالوں، کان، آنکھ اور اوپر نیچے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر جانب اور ہر عضو میں نور کر دے۔ حتیٰ کہ فرمایا کرتے کہ خدایا مجھے نور ہی کر دیجئے۔ (1)

گویا آنحضرت ﷺ کی اپنے پروردگار سے یہ درخواست کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے ہر ہر ذرات ظاہری و باطنہ میں نور ہی نور بھر دے اور تمام اطراف سے آپ کو نور میں ڈھانپ دے اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس اور پورے جسم کو مجسمہ نور کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ کا دین بھی نور اس کی کتاب بھی نور اس کا رسول بھی نور اپنے بندوں کے لئے اس کا تیار کردہ گھر جنت بھی نور ہے، جو لٹ لٹ چمک رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خود نُـورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی زمین و آسمان کا نور، اور اس کا نام بھی نور اور تمام ظلمات بھی اس چہرہ کے نور سے قیامت کو چمک اٹھیں گے اور جگمگا اٹھیں گے اور آنحضرت ﷺ کی طائف کے دن دعا میں بھی ہے کہ:

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِىْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ يَحِلَّ عَلَىَّ غَضَبُكَ اَوْ يَنْزِلَ بِسَخَطِكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ ○

’’میں تیرے غصہ وغضب کے نزول سے تیرے چہرۂ اقدس کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس کے سامنے تمام تاریکیاں روشنی سے بدل جاتی ہیں اور جس

(1) احمد و بخاری و مسلم بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

کے باعث دنیا و آخرت کے معاملات درست ہو جاتے ہیں۔ تیری رضا مندی اور خوشنودی کا طالب ہوں۔ گناہ سے ہٹنے کی اور نیکی کرنے کی توفیق تیری امداد پر موقوف ہے۔'' **(العقبیٰ، رضا، خوشنودی)**

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تمھارے پروردگار کے ہاں نہ رات ہے نہ دن (بلکہ) سب آسمان ذاتِ باری کے چہرۂ اقدس کے نور سے فروزاں ہیں۔ اس اثر کے بعض الفاظ یوں بھی آئے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کی روشنی (ورونق) ذاتِ باری تعالیٰ کے چہرۂ اقدس کے نور کے باعث ہی ہے۔ اسے عثمان دارمی نے ذکر کیا۔ قرآنِ حکیم میں بھی باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (زمر ۶۹)

''اور نورِ الٰہی سے زمین جگمگا اُٹھے گی۔''

معلوم ہوا کہ قیامت کے روز جب مخلوقات کے فیصلہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی تشریف آوری ہوگی تو زمین شمس وقمر کے نور سے نہیں بلکہ نورِ الٰہی کی ضیاپاشی سے روشن ہوگی کیونکہ قیامت کو چاند سورج تو بے نور ہو چکے ہوں گے اور ان کی روشنی سلب ہو چکی ہوگی، رہا حجابِ الٰہی تو وہ سراسر نور ہی نور ہے۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ میں پانچ چیزیں ارشاد فرمائیں، فرمایا:۔

''اَنَّ اللّٰهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يَنَامَ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهٗ يُرْفَعُ اِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ اللَّيْلِ حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْ كَشَفَهٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ ثُمَّ قَرَأَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا (نمل ۲۷)

''اللہ تعالیٰ سوتا نہیں اور نہ اسے سونا لائق ہے رزق وغیرہ کے ترازو کو وہی اونچا نیچا کرتا ہے اور اسی کی طرف رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات

سے پہلے چڑھتے رہتے ہیں اور وہ نور کا حجاب کئے ہوئے ہیں اگر اسے اٹھا دے تو اس کے چہرہ اقدس کے جلال وعظمت کا نور نظر پہنچنے تک تمام چیزوں کو خاکستر کر کے رکھ دے پھر استشہاد کے لئے آیت فرمائی **اَنْ بُوْرِکَ الخ** ۔یعنی وہ بابرکت ذات ہے جو آگ میں ہے اور جو اس کے ارد گرد ہیں''

معلوم ہوا کہ یہ حجاب بھی خدائے قدوس کے چہرۂ اقدس کے نور سے مستنیر ہوگا اور اگر وہ حجاب نہ ہو تو چہرۂ خداوندی کے انوار تمام دنیا کو جلا کر راکھ کر ڈالیں۔ اور نور الٰہیہ گز دو گز دور نہیں بلکہ وہاں تک پہنچتا ہے جہاں تک باری تعالیٰ وتقدس کی نظر پہنچتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ نے جب (عرشِ معلیٰ سے) کوہِ طور پر تجلی فرمائی اور تھوڑا سا حجاب اٹھایا تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین میں دھنس گیا۔ اور ایک سیکنڈ کے لئے بھی خدائے ذوالجلال وجبروت کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔

تفسیر لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ از ابن عباس رضی اللہ عنہ

مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے جو انھوں نے ارشاد باری تعالیٰ **لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ** آنکھیں ذاتِ الٰہی کا ادراک نہیں کر سکتیں کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ یہ اللہ ذوالجلال کی عظمت وجلال اور شان و شوکت اور رعب ودبدبہ، کہ وہ تجلی فرمائے تو اس کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکے تو آنکھ بیچاری کو کیا تاب وطاقت؟ کہ ذاتِ الٰہی کا ادراک تک بھی کر سکے۔

اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کی باریک بینی، دقت نظری اور بدیع فہمی کی زندہ اور بین دلیل ہے اور ہو بھی کیوں نہ؟ جب کہ ان کے لئے پیغمبرِ خدا ﷺ دست بدعا ہوں ''کہ خدایا! ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن کا بہت بڑا ماہر کر دیجیو!''*

---

* صحیحین میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آپ کے لئے دعا فرمائی۔ **اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ** یعنی خدایا! اسے فقاہتِ دینی اور علمِ تفسیر سکھلا دیجئے۔

غرضیکہ باری تعالیٰ قیامت کو انہی آنکھوں سے نظر آئیں گے مگر آنکھوں کے لئے ذاتِ خداوندی کا ادراک کرنا محال بلکہ ناممکن ہے اگر چہ اس کی رویئت ممکن چیز ہے بہرصورت ادراک رویئت سے ماورا ایک دیگر چیز ہے دیکھئے سورج جس سے ہم اللہ تعالیٰ کو تشبیہ نہیں دے سکتے کیونکہ لِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اللہ تعالیٰ کے لئے اعلیٰ مثالیں ہیں) مگر غور کیجئے! ہم اسے دیکھتے ہیں لیکن اس کی اصل حالت بلکہ اس حالت سے قریب ترین حالات تک کے ادراک سے قاصر ہیں۔

اسی لئے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے جب کسی نے اللہ تعالیٰ کی رویئت کے متعلق سوال کرتے ہوئے اعتراض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا) تو ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کیا ہی خوب جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"اَلَسْتَ تَرَی السَّمَآءَ قَالَ بَلٰی قَالَ اَفَتُدْرِکُھَا قَالَ لَا قَالَ فَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْظَمُ وَاَجَلُّ."

"کیا تجھے آسمان نظر آتا ہے؟ کہا ہاں! فرمایا اس کی حقیقت کا ادراک بھی تجھے ہوتا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا بس اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح نظر آئیگا مگر اس کی کنہ وحقیقت کا ادراک نہیں ہوگا۔"

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر

اور خدائے ذوالجلال اپنے بندے کے نور قلب کی ایک تمثیل پیش کرتے ہیں جسے عالم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ارشاد ہے:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ

اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ (نور ۳۵)

''اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال طاقچے کی ہے جس میں چراغ ہو۔ جو شیشے کی قندیل میں رکھا ہو۔ شیشہ اس قدر صاف و شفاف ہو گویا وہ چمکتا ستارہ ہے اور وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت سے جو نہ شرقی جانب سے نہ غربی جانب سے روشن کیا جاتا ہے۔ جس کا تیل آگ لگائے بغیر ہی چمک اٹھنے کو تیار ہو۔ وہ نور علی نور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی جانب راہنمائی فرماتا ہے اور لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شےء سے واقف ہے۔''

ابی ابن کعب ؓ فرماتے ہیں کہ یہ اس نور کی مثال ہے جو ایک مسلم کے دل میں مرکوز ہوتا ہے۔

قلبِ مومن اور نورِ ایمانی

اور یہی وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ ایک مسلم کے دل میں معرفتِ الٰہی، محبتِ خداوندی، ایمان باللہ اور ذکرِ الٰہی کا نور ودیعت فرماتے ہیں یہی وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ (کمال مہربانی سے) اسے بندوں پر نازل فرماتے ہیں اور اس کے ذریعہ ان میں نئی زندگی پیدا کر دیتے ہیں جس نور کو وہ اپنے اندر سمائے لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ وہ ان کے دل کی گہرائیوں میں جڑ جمائے قائم و راسخ ہوتا ہے پھر (رفتہ رفتہ) اس کا مادہ قوت پذیر ہوتا رہتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ ان کے چہروں سے ان کے اعضاء و جوارح سے ان کے بدن و جسم سے ان کے ہر ہر رگ و ریشہ سے بلکہ ان کے لباس و پوشاک اور ان کے محل و مکان اور مقامات رہائش تک میں سے نمایاں اور ظہور پذیر ہونے لگتا ہے۔ مگر اس کا مشاہدہ کسی ایرے غیرے کا کام نہیں بلکہ اسے وہی نظارہ کر سکتا ہے جو خود ان کا ہم نشین و ہم جلیس ہو۔ اگرچہ فی الواقع

وہ عوام کی نظروں میں ایک غیر معروف وگمنام ہو۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ نور نمودار ہوگا اور پل صراط کی تاریکی کو عبور کرتے ہوئے اہل ایمان کے دائیں اور پیش پیش چلتا جائے گا اور جب تک وہ عبور نہ کرلیں گے ان سے جدا نہ ہوگا۔ پھر یہ بھی خوب یاد رکھئے کہ یہ نور دنیا میں جس طرح اہل ایمان کے دلوں میں کم وبیش اور قوی و ضعیف ہوگا اسی تناسب سے لوگ آخرت میں بھی اس نور کے لحاظ سے علیٰ حسبِ المراتب کم درجہ یا عالی مرتبہ ہوں گے بعض کا نور آفتاب و ماہتاب کے برابر چمک رہا ہوگا بعض کا ستاروں کے برابر اور بعض کا (ٹمٹماتے) چراغ کے برابر اور بعض کو صرف پاؤں کے انگشت کے برابر نور ملے گا۔ جو کبھی چمک اٹھے گا تو کبھی بجھ جائے گا۔ غرضیکہ پل صراط کو عبور کرنے کے لئے یہ نور آخرت کو اسی قدر حاصل ہوگا جتنا اس نے حُسنِ عمل کی وجہ سے دنیا میں حاصل کیا ہوگا۔ بلکہ وہ آدمی خود ہی مجسمہءِ نور ہوگا۔ لیکن بر عکس ازیں منافق کا نور دنیا میں غیر ثابت و ناپائدار بلکہ صرف ظاہراً ہی ہوتا ہے۔ باطن میں تو ہوتا نہیں اس لئے آخرت کو بھی اسے ویسا ہی ناپائدار نور ملے گا اور وہ بھی ظاہری طور پر۔ جو اتنی بے شمار تاریکیوں میں چلنے اور پل صراط کو عبور کرنے کے لئے ناکافی ہی نہیں بلکہ بالکل عدمِ محض اور ناپید ہو جائے گا۔

نورِ ایمانی کا اصل مادہ

پھر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اس نور کی اور اس کے موقعہ ومحل، اس کے حامل اور اس نور کے اصل مادہ کی مشکوٰۃ سے تمثیل دی ہے۔ عربی میں مشکوٰۃ اس طاقچے کو کہتے ہیں جو دیوار میں چراغ رکھنے کے لئے بنایا جاتا ہے اور یہ سینہ کی مثال ہے، پھر فرمایا کہ اس طاقچہ میں زُجاجہ ہے جو تمام شیشوں سے زیادہ صاف وشفاف شیشہ کی چمنی ہے جسے بیاض وصفائی میں چمکتے ستارے سے تشبیہہ دی اور یہ (مومن کے) دل کی مثال ہے۔ دل کو شیشہ سے اس لئے تشبیہہ دی کہ وہ ان اوصاف کو اپنے اندر لئے

ہوئے ہوتا ہے جو مومن کے دل میں قائم وراسخ ہوتے ہیں اور وہ اوصاف ہیں صفائی، رقت اور صلابت و مضبوطی۔ لہذا صفائی قلب سے وہ حق و ہدایت دیکھتا ہے اور رقت قلبی کے باعث اسے رحمتِ شفقت اور نرمی و مہربانی حاصل ہوتی ہے اور صلابت وسختی کی وجہ سے حق کی حمایت کرتا ہے۔ کفر و اہل کفر پر سختی کرتا ہے اور اللہ کے دشمنوں سے سَر بکف ہو کر جہاد کرتا ہے پھر خوبی یہ کہ ایک صفت کے باعث دوسری صفت نہ باطل ہوتی ہے اور نہ کمزور ہوتی ہے بلکہ ایک دوسری کی معاون و معاضد ہوتی ہے اور بالکل اَشِــدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (کفار پر سخت اور باہم نرم) کا نمونہ بن جاتا ہے ایک جگہ ارشاد ہے۔

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۝ (آل عمران)

"کہ آپ رحمتِ الٰہی سے ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ بے رحم و سنگ دل ہوتے تو وہ تیرے اردگرد سے دور بھاگ جاتے"

نیز فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۝ (توبہ)

"اے نبی! کفار و منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔"

پتھر دل اور نرم دل

پھر تاثراتِ قلبی یعنی دل کے اثر قبول کرنے میں اللہ تعالیٰ کے زمین کے [1] اندر ودیعت کردہ قوت تاثر کے آیات و نشانات کو ملاحظہ فرمایئے زمین کا بہترین قطعہ وہی ہوتا ہے جو تمام قطعاتِ اراضی سے زیادہ نرم و رقیق، زیادہ صلابت دار اور سب سے زیادہ صفائی دار ہو پھر اس کے بالمقابل عین جانب نقیض میں دو مذموم و ناپسند دل

[1] ایک قول یہ بھی ہے۔ "اللہ کی زمین میں دل اس کا برتن ہے اور اسے سب سے محبوب دل وہ ہے جو سب سے زیادہ نرم مضبوط اور صاف شفاف ہے۔" (کتاب الزہد، امام احمد)

ہیں۔ایک قلب حجری وقاسی یعنی پتھر دل جوسختی وصلابت میں بالکل پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے نہ اس میں رحم ونرمی ہوتی ہے نہ احسان وسلوک نہ بھلائی ونیکی اور نہ ہی اس میں صفائی ہوتی ہے جس سے وہ (حق وباطل کی تمیز کر سکے یا) حق دیکھ سکے، وہ ایک جبار ومتمرد اور سراسر جاہل دل ہوتا ہے حق کا نام تک نہیں جانتا کہ حق کیا ہے اور نہ اس میں خلقِ خدا پر نرمی ومہربانی اور رحم کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے قریباً تمام اوصافِ حمیدہ سے کورا اور بالکل خالی ہوتا ہے اس کے برابر مقابل میں بالکل ضعیف وکمزور قلب آبی ہوتا ہے جس میں پانی کا سا وصف ہوتا ہے کہ ضعیف وکمزور نہ اس میں طاقت ہوتی ہے اور نہ قوتِ استمساک کہ اپنے اندر کسی چیز کو بند اور قابو ومضبوط رکھ سکے۔ وہ ہر صورت کو قبول تو کرتا جاتا ہے۔مگر نہ اس میں اتنی ہمت ہوتی ہے کہ اس صورت کو ذہن میں محفوظ رکھ سکے اور نہ اتنی طاقت کہ غیر میں اثر انداز ہو سکے۔ بلکہ بر عکس ازیں ہر قوی وضعیف اور طیب وخبیث جو بھی اس میں مخلوط ہو اس میں اثر انداز ہوتا جاتا ہے اور یہ ہر ایک کا اثر قبول کئے جاتا ہے

مومن کے چراغِ ایمانی کا تیل

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس زُجَاجَہ شفاف چمنی میں مِصۡبَاحُ یعنی وہ نور جو اس کے فلیتہ یا بتی میں ہوتا ہے تو یہ فلیتہ اس نور کا حامل ہوا پھر اس نور کا کوئی اصل ومادہ بھی ہوتا ہے اور وہ مادہ روغن زیتوں ہے جو معمولی زیتون سے نہیں بلکہ زیتون کے ایسے درخت سے حاصل کیا جاتا ہے جس نے ہموار زمین میں اگلے پچھلے پہر دونوں وقت کی آفتابی شعاعوں میں پرورش پائی ہو اس لئے اس کا تیل تمام تیلوں سے زیادہ مصفا اور ہر قسم کی میل کچیل اور تلچھٹ سے بالکل مبرا ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی صفائی و نظافت کے باعث آگ دیئے بغیر بھی چمک اٹھنے کے قابل ہوتا ہے۔ یہ چراغ کے نور کا مادہ ہے (اور چراغ کے طاقچہ کے اندر رکھی ہوئی چمنی میں ہوتا ہے)

اسی طرح اس نور مشعل کا مادہ ہوتا ہے جو ایک مومن ایماندار کے دل میں مرکوز ہوتی ہے اس مادہ کا منبع و سرچشمہ دنیاوی اشجار نہیں، بلکہ وہ شجرہ وحی ہوتا ہے جو کائناتِ عالم کی جملہ اشیاء سے زیادہ بابرکت اور ہر قسم کی کجی و انحراف سے بعید تر بلکہ وہ اوسط الامور یعنی جملہ امور سے زیادہ میانہ امر سب سے زیادہ معتدل و ہموار اور افضل ترین ہوتا ہے نہ اس میں نصرانیت کا سا انحراف اور ٹیڑھا پن ہوتا ہے اور نہ ہی یہودیت کی سی کجی و انحراف بلکہ ہر امر میں اور ہر لحاظ سے دونوں مذموم و ناپسند طرفوں کے درمیان ہوتا ہے تو دیکھئے! یہ ہے اس مصباح و مشعلِ ایمانی کا مادہ جو مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی غور کر لیجئے! جب یہ تیل از حد صفائی و پاکیزگی کی وجہ سے خود چمک اٹھنے کے قابل ہو اور آگ دینے سے اور بھی زیادہ چمک اٹھے اور ضوءِ نار یہ کا مادہ قوی تر ہوتا جائے تو یہ پہلے سے بھی زیادہ نورانی اور نور علی نور ہوگا۔

نورِ فطری اور نورِ وحی کا امتزاج

اسی طرح مومن کا دل خود روشن و چمکدار ہوتا ہے جو اپنی فطرتِ سلیمہ و عقلِ صحیح کے باعث خود بخود حق و صداقت معلوم کر لینے کے قریب تر ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کے اندر اپنے نفس سے کوئی مادہ موجود نہیں ہوتا اس لئے وحیِ الٰہی کا مادہ آ کر جب اس کی رگ و پے میں بھی سرایت کر جاتا ہے۔ دل کی گہرائیوں میں سما جاتا ہے اور بشاشت قلبی سے گھل مل جاتا ہے تو نورِ وحی نورِ طبعی وفطری کے ساتھ ملنے کے باعث کئی گنا زیادہ نور کا موجب ہوتا ہے اور فطرت کے ساتھ نورِ وحی کے اجتماع سے نورٌ علیٰ نُورٍ ہو جاتا ہے اس لئے وہ اس کے قریب ہوتا ہے کہ خود بخود حق و صداقت سے بول اٹھے اور حق بیان کرنے لگ جائے بصورت دیگر اس میں اثر نہ سنے بعد از اں اثر کو اس واقعہ کے مطابق سن پائے جس کی فطرت سلیمہ شاہد ہے تو یہ پہلے سے بھی زیادہ نُورٌ علٰی نُورٍ ہوگا تو یہی شان اس مومن ایماندار کی ہوتی ہے کہ اپنی فطرتِ سلیمہ کے ذریعہ وہ حق و صداقت کا

ادراک مجملا کر لیتا ہے۔ بعدازاں اثر و تاثیر کو سن پاتا ہے اسے بالتفصیل حاصل کر لینے کے لئے دلیر و کشادہ ہو جاتا ہے لٰہذا معلوم ہوا کہ مومن کا ایمان وحی اور فطرتِ سلیمہ کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا منبع و سرچشمہ فیض دونوں چیزیں ہیں' وحی و فطرت کی شہادت عقل مند انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس عظیم الشان آیتِ قرآنی اور مذکورہ گراں قدر معانی سے اس کی مطابقت پر غور کرے اور فکر و تدبر سے کام لے۔

نورِ معقول و نورِ محسوس

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک تو اپنے نور کا تذکرہ فرمایا جو آسمان اور زمین میں ہے۔ دوم وہ نور جو اس کے مومن و ایماندار بندوں کے دل میں ہوتا ہے اور یہ دو قسم کا ہے۔ ایک نور معقول جو مشہود بالبصائر و القلوب ہے یعنی جو عقل و فراست اور دل سے نظر آتا ہے۔ دوم نور محسوس جو مشہود بِالاَبْصَار اور جس کی وجہ سے عالم علوی و سفلی کا گوشہ گوشہ روشن اور جگمگا رہا ہے۔ تو یہ دو نور ہوئے، جو دونوں عظیم الشان اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔

نور اور حیات کا تلازم

پھر جس طرح دونوں میں سے ایک نور کسی موضع اور کسی مقام پر موجود نہ ہو تو اس کے فقدان کے باعث انسان و حیوان کا جینا ناممکن ہے کیونکہ جاندار چیزیں روشن مقام میں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ تاریک و بے نور مقام میں جو نور سے یکسر خالی ہو نہ تو کوئی جاندار چیز زندہ رہ سکتی ہے اور نہ ہی عالمِ وجود میں آتی ہے۔ اسی طرح جس اُمت میں نورِ وحی و نورِ ایمانی مفقود ہوں یا جو دل اس نور یعنی نورِ وحی سے خالی ہو وہ میت اور بے جان لاش کی طرح ہوتا ہے جس طرح بے نور مقام میں جاندار چیز بے جان ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں زندگی و حیاۃ اور نور کو مقرون اور یکجا بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

"اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا۔ (انعام ٦)

"جو شخص پہلے جہالت وکفر کی موت مر چکا تھا بعد ازاں ہم نے اسے روح ایمانی سے زندہ کر دیا اور اسے نورِ شریعت دیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیا یہ اس شخص جیسا ہو گیا جو ظلمتِ کفر میں گھرا ہوا ہے۔ اور اس سے نکلنے کا نہیں۔"

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے۔

"وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۝ (شوریٰ ۵۲)

"اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے روح کو وحی فرمایا۔ آپ نہ کتاب کو جانتے تھے نہ ایمان کو لیکن ہم نے اسے نور بنایا جس کے ساتھ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہنمائی کرتے ہیں۔"

آیت مذکور کے لفظ جَعَلْنَاهُ کی ضمیر میں اختلاف ہے بعض اس کا مرجع اَمر کو ٹھہراتے ہیں۔ بعض کتاب کو اور بعض ایمان کو اس کا مرجع قرار دیتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کا مرجع روح ہے یعنی اے پیغمبر! ہم نے اس روح کو تیری جانب وحی فرمایا ہے، نور بنا دیا ہے تو دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے اس کا نام روح رکھا۔ کیونکہ اس سے زندگی وحیات حاصل ہوتی ہے اور اسے نور ٹھہرایا کیونکہ اس سے ضیا روشنی حاصل ہوتی ہے اور یہ دونوں باہم لازم متلازم ہیں جہاں اس روح کی وجہ سے زندگی وحیات پائی جائے گی وہاں ضیاو روشنی بھی ہوگی اور جہاں ضیا روشنی پائی جائے گی وہاں حیات وزندگی بھی ضرور پائی جائے گی لہٰذا جس کا دل اس روح کو قبول نہیں کرے گا وہ مردہ و بے نور ہوگا جیسا کہ کسی شخص کے بدن سے روح حیوانی خارج ہو جائے تو وہ ہلاک وبرباد اور فنا ومعدوم ہو جاتا ہے۔

قرآن میں آگ اور پانی کی مثال

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے معًا دو مثالیں ایک مائی (آبی) دوم ناری یکجا بیان فرمائی ہیں کیوں کہ پانی سے زندگی وحیات اور نار سے نور وضیا اور روشنی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کے ابتدا میں ارشاد فرمایا:۔

آگ کی مثال

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ (البقرة: ۲)

''ان کی مثال اس جیسی ہے جو آگ جلائے جب اس کے چاروں طرف اجالا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ وہ نور بجھا کر انھیں اندھیروں میں چھوڑ دے۔ اور انھیں کچھ نظر نہ آئے۔''

یہاں ذَهَبَ اللَّهُ بِنَارِهِمْ نہیں فرمایا بلکہ بِنُورِهِمْ فرمایا۔ کیونکہ نار میں روشنی کے ساتھ ساتھ جلانے کا مادہ بھی ہوتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فائدہ مند چیز روشنی تو سلب کرلی، مگر نقصان دہ چیز احراق کو ان پر بدستور باقی رکھا۔

یہی حال منافقین کا ہے۔ جن کا نورِ ایمانی تو نفاق کی وجہ سے سلب ہو جاتا ہے۔ مگر دل میں کفر ونفاق اور شکوک وشبہات کی آگ باقی رہتی ہے۔ جو ہر وقت اندر ہی اندر سُلگتی اور جوش سے چکر کھاتی رہتی ہے۔ اور چونکہ اہلِ نفاق کے دل نفاق وشکوک کی آگ کی گرمی وحرارت اور اس کے شُعلوں کی تکلیف ومصیبت سے دنیا میں گوشت کی طرح بریاں ہو چکے ہوں گے۔ لہٰذا آخرت میں اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ بھڑکتی ہوئی سخت تیز آگ میں گوشت کی طرح بریاں کرے گا جس کی صفت میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ

نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ۔ (البقرة: ۱۰۴)

''وہ اللہ کی جلائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔''
یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے دنیا میں ایک لمحہ بھی نور ایمانی میں نہ گزارا۔ بلکہ نورِ ایمانی کی چمک دمک اور رونق ملاحظہ کر لینے کے بعد اس میں ایک سانس لینا بھی گوارا نہ کیا اور اس سے یکسر علیحدہ وکنارہ کش ہوگیا۔ یہ حال بعینہ منافق کا ہوتا ہے کہ وہ اسلام وشریعت کو سمجھ لینے کے بعد انکار کر دیتا ہے۔ اقرار بھی کرتا ہے۔ تو جھٹ پٹ بلا وجہ انکار کر دیتا ہے تو گویا وہ نفاق کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں '' صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ'' یعنی بالکل، بہرہ، گونگا، اور کورچشم ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ انھیں کے ہم جنس کافر دوستوں اور بھائیوں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ (انعام: ٦)

''جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا وہ بہرے گونگے ہیں اندھیروں میں ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (البقرہ: ١٧١)

''کافروں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اسے پکارتا ہے، جسے آواز کے سننے کے سوا سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں اس لئے وہ سمجھتے نہیں۔''

کفار ومنافقین کے خطاب کا فرق

روشنی ونور ہو جانے کے بعد اس نور سے منافقین کے خروج کی حالت کو اللہ عزوجل نے اس شخص کی حالت سے تشبیہ دی ہے جو آگ جلائے۔ جب آس پاس کی تمام چیزیں بالکل نمایاں نظر آئیں تو آگ بجھ جائے اور سارے کا سارا نور سلب

ہو جائے اور چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق آدمی اہل اسلام میں بود و باش اور میل جول رکھنے ان کے ساتھ مل کر نمازیں پڑھنے، روزے رکھنے، قرآنِ حکیم سننے اور اسلام کے اعلام اور ضو افگن مینار کے مشاہدہ و معائنہ کرنے کی وجہ سے اپنی آنکھوں سے روشنی کا مشاہدہ کر چکے ہوتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (لہٰذا وہ واپس نہیں لوٹ سکتے) کیونکہ اسلام میں اہلِ اسلام کے ساتھ مخلوط رہ کر اور روشنی حاصل کر لینے کے بعد اسلام سے کنارہ کش ہو گئے۔ لہٰذا اب وہ اسلام میں واپس نہیں آ سکتے۔ یہ تھا منافقین سے خطاب اور کفار سے خطاب مذکورہ خطاب سے ایک دیگر قسم کا ہے۔ کفار کے متعلق ارشاد ہے فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (یعنی وہ عقل نہیں کرتے) کیونکہ نہ انہوں نے اسلام سیکھا نہ اس میں داخل ہوئے اور نہ ہی اس کی ضیا پاشیوں سے کچھ نور حاصل کیا بلکہ برعکس ازیں کفر کے تاریک اندھیروں میں بہرے گونگے اور اندھے ہو کر رہ گئے۔

قرآن......امراضِ قلبی کے لئے شفاء

تو اس حکیم مطلق کی دانائی پر قربان جایئے جس نے اپنے حکمت بھرے کلام کو امراضِ قلبی کے لئے شافی ایمان و حقائقِ ایمانیہ کا منادی، حیاتِ ابدی اور دوامی نعمتوں کا داعی اور شاہراہ ہدایت کا ہادی بنایا۔ دیکھیں اب کون مریض شفا کا خواہش مند ہے؟ کون سا شخص حق کا طلبگار ہے؟ اگر ہمارے کان اس آوازِ الٰہی کو سن کر اپنے اندر محفوظ کر لیں تو ہم جانیں گے کہ ہاں کانوں نے منادیٔ ایمان کی آواز پر لبیک کہی۔ اسی طرح اگر ہمارے کفر و نفاق سے بیمار شدہ دل تعلیماتِ قرآن کو اپنے اندر جگہ دیدیں تو مانیں کہ ہاں قرآن حکیم کے مواعظِ حسنہ و سرچشمۂ ہدایت سے فیض یاب وصحت یاب ہوئے؟ مگر کجا قرآنی تعلیم اور کجا ہمارے بیمار دل؟ ہمارے دلوں پر تو شکوک و شبہات اور شہوات و خواہشات کی تیز و تند اور سخت اندھیریاں آئیں اور ان کی

جگمگاتی ہوئی ضو پاش مشعلوں کو گل کر گئیں۔غفلت و جہالت کا دور دورہ ہوا اور انھوں نے رشد وہدایت کے تمام دروازوں کو تالے لگا کر چابیاں دریابُرد کر دیں اور ان کی عملی گندگیوں نے ان پر بے ایمانی و سُستی کے زنگار کی تہیں چڑھا دیں تو کلامِ الٰہی بھی ان میں نفوذ نہیں کر سکتا اور مؤثر و کارگر نہیں ہوسکتا۔علی ہذا القیاس گمراہ کُن خواہشات اور باطل پرستی کی شراب نے انھیں مست و مدہوش کر دیا اس لئے ملامت اور طعن و تشنیع بھی ان کے حق میں بیکار ہے۔ان کو نیزہ وسنان سے بھی زیادہ اثر والے وعظ سنائے گئے۔مگر چونکہ وہ غفلت و جہالت کے تلاطم خیز سمندر میں غرق ہو چکے تھے اور شہوت و خواہشات کے اسیرِ دام (لہٰذا ایک مردہ لاش کو زخمی کرنے سے اسے کیا تکلیف ہوگی؟ کچھ بھی نہیں)

پانی کی مثال

دوسری مثال مائی (آبی) ہے۔ارشاد باری ہے:

اَوْ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ط یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللّٰهُ مُحِیْطٌ بِالْكٰفِرِیْنَ (البقرۃ:٦)

''یا آسمان سے برسنے والی بارش کی مثال جس میں اندھیرے کڑک اور بجلی ہے موت کے ڈر سے کڑک کے باعث وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔''

وحی الٰہی......مومن کیلئے مسرت اور منافق کیلئے خوف واضطراب

صَیِّبٌ اس بارش کو کہتے ہیں جو بادل سے زور کے ساتھ گرتے وقت شائیں شائیں کی آواز کے ساتھ برستی ہے اور یہ قرآنِ حکیم کی مثال ہے جس کے ذریعہ دل میں ایک نئی روح اور نئی زندگی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ بارش کہ جس کے ذریعہ اراضیات

باغات، زراعت، اور حیوانات اور جاندار چیزیں۔ تمام میں ایک نئی زندگی وحیات کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ لہٰذا اہلِ ایمان جب بارشِ قرآنی وایمانی کو دیکھ پاتے ہیں اور انھیں بے نظیر واعلیٰ زندگی کا بھی علم ہوتا ہے جس کی مثل کوئی زندگی نہیں۔ تو نہ انھیں وہ کڑکتی کوندتی بجلیاں خوف زدہ کرسکتی ہیں اور نہ اس کی چمک دمک انھیں وحشت زدہ کرسکتی ہیں۔ ان بجلیوں اور کڑک سے مراد وہ خدائی وعید وتہدید عقوباتِ الٰہی اور وہ رسواکن عذاب ہیں جن سے عزوجل نے اوامرِ الٰہی کے مخالفین کو ڈرایا ہے اور خبر دی کہ جو اللہ کے پیغمبر کی تکذیب کرے گا اس پر یہ عذاب نازل کردیئے جائیں گے یا ان سے وہ کام مراد ہیں جن کی ادائیگی میں نہایت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے مثلاً دشمنانِ الٰہی سے جہاد کرنا یا کسی دیگر اسلامی وشرعی کام پر صبر کرنا یا وہ امور مراد ہیں جو خلافِ طبع وارادہ کرنے پڑیں اور طبیعت کو شاق وگراں گذریں تو گویا وہ رعد وبرق اور اندھیروں کے قائم مقام ٹھیرے مگر جسے بارش اور بارش سے ایک نئی زندگی حاصل ہونے کا علم ہو تو بجلیوں کی چمک بادلوں کی گرج اور اس کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوگا۔ اسے ان سے وحشت نہیں ہوگی بلکہ اُنس اور خوشی ہوگی کیونکہ اسے اس خوش حالی وفراوانی اور ایک جدید زندگی کی امید ہے لیکن منافق چونکہ ایک کور قلب انسان ہوتا ہے اسے اندھیرا نظر آتا ہے اور اندھیرے سے آگے اس کی نظر نہیں جاتی بس اسے صرف ایسا معلوم ہے گویا بجلی کی چمک ابھی اس کی آنکھوں کو اچک لینا چاہتی ہے بادل کی گرج سُن کر اس کا دل پھٹا جارہا ہوتا ہے۔

اور چاروں طرف سے اسے ظلمت ہی ظلمت دکھائی دیتی ہے اس لئے وہ اس سے گھبرا اٹھتا ہے اور ڈر کے مارے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتا ہے کہ رعد کی آواز نہ سنائی دے۔ اسی طرح بجلی کی چمک دمک اور بے انتہا نور کا مشاہدہ کرکے ہول جاتا ہے لہٰذا اسے ہر دم یہی خوف کھائے جارہا ہوتا ہے کہ کہیں بجلی اس کی آنکھیں ہی نہ اچک لے۔ کیونکہ آنکھیں بجلی کی تیز روشنی کے سامنے ہیچ ہوجاتی ہیں اور کھلی نہیں رہ

سکتیں۔ لہٰذا وہ اندھیرے میں کھڑا رعد کی ہولناک آوازیں سنتا اور برقِ خاطف کو دیکھتا ہے۔ اگر سامنے کچھ دکھائی دے تو جھٹ روشنی میں چلنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر روشنی ختم ہو جائے تو حیران ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں جانتا کہ کدھر جائے۔ مگر جہالت کے باعث بیوقوف اتنا نہیں جانتا کہ رعد و برق اور ان اندھیروں سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو ہمیشہ بارش کے لوازم ہوا ہی کرتے ہیں جو زمین باغات، کھیتوں اور خود انسان کے لئے ایک نئی زندگی کی موجب ہے بس وہ صرف اتنا جانتا ہے کہ یہ ایک خالی گرج ہے، چمک ہے، اندھیرا ہے، مگر اسے اتنا شعور نہیں کہ اس کے پیچھے کس قدر فوائد مخفی و مستور ہیں؟ لہٰذا ہر دم دہشت اسے گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ وحشت اس کا لازمہ ہوتی ہے اور گھبراہٹ ایک منٹ بھی اس سے جدا نہیں ہوتی لیکن اس کے برعکس جو بارش کے فوائد اور منافع جانتا ہو اور اسے علم ہو کہ اس سے ایک نئی زندگی حاصل ہوتی ہے نیز یہ بھی جانتا ہو کہ بارش کے ساتھ برق بھی ہوتی ہے زوردار کڑاکے کی آوازیں بھی ہوتی ہیں اور گھنے بادل کی وجہ سے اندھیرا بھی چھا جایا کرتا ہے تو وہ ان سے خوفزدہ ہو جانے کی بجائے انس پذیر ہوگا نہ اسے ان سے وحشت ہوگی نہ خوف اور نہ وہ ان سے ڈر کر یہ کہے گا کہ بارش نہ ہو بلکہ وہ اس کی دعا کرے گا اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔

تو یہ مثال بعینہ اس بارش کے مطابق ہے جو دل اور وجود دونوں کی زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل امین نے رسول اللہ ﷺ کے دل پر نازل فرمائی۔ خدائے مسبب الاسباب و منتظم امور اللہ کی حکمتِ بالغہ نے چاہا کہ قرآنی بارش کے ساتھ بھی اسی طرح رعد و برق اور گہرا بادل ہونا چاہئے جیسا کہ عام بارشوں کا خاصہ ہے۔ لہٰذا جب وحی قرآنی کی بارش ہوتی ہے۔ تو منافق اس کی بجلی کی چمک اور بادل کی گرج سن سن کر سہمتا اور کانپتا رہتا ہے۔ مگر اس کے پیچھے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان پر اس کی نظر نہیں جاتی۔ اس لئے جن چیزوں سے مومن کو انس ہوتا ہے۔

منافق کو ان سے وحشت ہوتی ہے جس پر عالموں کو اطمینان ہوتا ہے۔ منافقین کو اس میں شک ہوتا ہے۔ جن پر عارفین وار بابِ بصیرت کو یقین ہوتا ہے۔ منافقین کو اس کے متعلق سو قسم کے شبہات ہوتے ہیں۔ تو ناری مثال میں اس کی آنکھوں کی حیثیت چمگادڑ کی سی ہے۔ جو دو پہر کو دیکھ نہیں سکتی۔ اور آبی مثال میں اس کے کانوں کی حیثیت وہی ہے جو رعد کی مہیب آواز سن کر دم توڑ دینے والے شخص کے کان کی ہوتی ہے۔ بعض حیوانات کے متعلق بھی بیان کیا گیا کہ بادل کی کڑک سنتے ہی مر گئے۔

اور جب ایسی منافقانہ عقلوں، کانوں اور آنکھوں سے شیطانی شبہات، فاسد خیالات اور جھوٹے ظن اور تخمینوں کا تصادم اور ٹکراؤ ہوتا ہے، [1] تو وہ ان کو اپنی جولا نگاہ بنا لیتے ہیں۔ ان پر صولت و دبدبہ رکھتے ہیں ان میں بیٹھتے ہیں، اٹھتے ہیں۔ اپنی جولانیوں کے لئے میدان وسیع کرتے ہیں اور اپنی قیل وقال اور ہذیان و بکواسات سے کانوں بلکہ روئے زمین کے دفتروں کو بھر دیتے ہیں۔

منافقانہ روش

مگر تعجب کا مقام ہے کہ اکثر لوگ منافقین کو ہی پسند کرتے ہیں انھیں کی بیہودہ بکواسات کو قبول کرتے ہیں انھیں کی دعوت کا ڈھول پیٹتے ہیں۔ نفاق کی سرحدوں کی ہی حفاظت کرتے ہیں۔ اسی کا پہرہ دیتے ہیں۔ انھیں کے جھنڈوں تلے لڑتے ہیں اسی جماعت کی ترقی وفراوانی کی کوشش کرتے ہیں انھیں کی تعداد بڑھاتے ہیں۔ لیکن اللہ اور اس کے اولیاء کے ہاں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ عام ضرورتوں میں انھیں کے ساتھ پھرتے ہیں اور انھیں کے بیہودہ کلام سے دلوں کو دکھاتے ہیں جن کے اللہ

[1] اصل لفظ صَادَفَ ہے۔ جس کا معنی ہے۔ سامنے آنا، ملنا یا پالینا۔ جس کا مطلب ہوا کہ جب ان عقلوں، کانوں، آنکھوں کو شیطانی شبہات پالیتے ہیں، ان سے ملتے ہیں تو ان میں گردش کرتے ہیں اور ان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ (علوی)

تعالیٰ نے اپنی کتاب میں پردے چاک کیے ہیں ڈھول کے پول کھولے ہیں ان کی علامات اوران کے اعمال واقوال ایک ایک کر کے بیان کر دیئے ہیں اوران کے اس طرح بخیئے ادھیڑے ہیں کہ وَ مِنهُم وَ مِنهُم وَ مِنهُم ۔فلاں ایسے ہیں بعض ایسے ہیں کہہ کران کا ایک ایک راز فاش کیا ہے۔ان کی اصل حقیقت بیان کر ڈالی ہے اور ان کے خفیہ رازوں کو ظاہر کر کے رکھ دیا ہے۔ چنانچہ سورہ بقر کے آغاز میں مومنین، کفاراور منافقین کے اوصاف بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے اوصاف کو تین آیات میں کفار کے اوصاف کو صرف دو آیتوں میں اور منافقین کے اوصاف کو کچھ اوپر دس آتیوں میں بیان فرمایا ہے کیونکہ ایسے لوگوں سے عموماً واسطہ پڑتا ہے اور ان کے ساتھ میل جول اور تعلقات سے شدید نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ظاہراً وہ اپنے ہی ہم جنس معلوم ہوتے ہیں جو ظاہراً متفق وہم خیال اور اپنے ہم مشرب معلوم ہوتے ہیں ان کا پتہ نہیں چلتا۔ برخلاف کفار، کہ وہ بدیہی دشمن ہوتے ہیں۔اور کھلے بندوں اپنا کام کرتے ہیں جس سے انسان ان سے علیحدہ ہوسکتا ہے ان کی کارستانیوں کا ازالہ کرسکتا ہےاور کھل کران کا مقابلہ کرسکتا ہے۔

آگ اور پانی کی مثال

مذکورہ بالا دونوں مثالوں کی نظیر یہ دونوں مثالیں ہیں جو سورۂ رعد میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں کہ:

پہلی مثال......آبی

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌ ۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا (رعد: ١٣)

”اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے بارش نازل فرمائی تو اس سے نالیاں اور وادیاں اپنے اپنے انداز کے مطابق بہنے لگیں اور سیلاب کی رو نے چڑھی ہوئی جھاگ اُٹھائی۔“

دل کی مثال

یہ پانی (آبی) کی مثال ہے جس میں دل اور ہدایت آسمانی کی مثال وحی کو پانی سے اور دلوں کو وادیوں سے اللہ تعالیٰ نے تشبیہہ دی ہے جس طرح پانی سے زمین میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اسی طرح وحی بھی دلوں کی حیات کا موجب ہے جس طرح وادیاں سیلاب اور بارش کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہوتی ہیں اسی طرح دل بھی حاملینِ وحی ہوتے ہیں اور وحیِ الٰہی کو اپنے اندر سمیٹے ہوتے ہیں پھر جس طرح بعض وادیاں بڑی ہوتی ہیں اور اپنے اندر زیادہ پانی جمع رکھ سکتی ہیں اسی طرح بعض دل بھی بڑے ہوتے ہیں۔ علم کی بہت مقدار اپنے اندر سمیٹ سکتے ہیں علی ہذا القیاس بعض چھوٹی وادیاں ہوتی ہیں جو اپنے اندر پانی کی تھوڑی مقدار جمع رکھ سکتی ہیں اسی طرح چھوٹے دلوں میں علم کی قلیل مقدار ہوتی ہے بہر صورت جس طرح وادیاں اپنے قدرِ موافق پانی جمع کرتی ہیں۔ اسی طرح دل بھی اپنے مقدار و مقدور کے مطابق حاملینِ علم ہوتے ہیں۔ پھر جب سیلاب آتے ہیں اور وادیاں بہتی ہیں جھاگ وغیرہ تہ بہ تہ تودے بن کر اوپر آ جاتی ہے اور نیچے میٹھا پانی ہوتا ہے جو زمین کی حیات کا باعث ہوتا ہے بعد ازاں وادیاں اس جھاگ کو کناروں پر پھینک دیتی ہیں جو وہیں کناروں پر سوکھ کر معدوم ہو جاتی ہے مگر پانی باقی رہ جاتا ہے جو انسانوں، چوپایوں، کھیتوں اور شہروں کی زندگی کا باعث ہوتا ہے یہی مثال علم وایمان کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے تو دل اسے اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے بعد ازاں جب دل میں علم وایمان راسخ ہو جائے اور جڑیں جما لے تو اس کے اختلاط سے شہوات، شبہات باطلہ کی جھاگ اوپر آ جاتی ہے اور علم وایمان اور رشد وہدایت دل کی تہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ دل ہی ان کا اصل اور مستقر (قیام گاہ) ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نَزَلُ الْاِیْمَانِ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ۔

''ایمان لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اترا ہے۔''[1]

تو آہستہ آہستہ وہ جھاگ خشک ہوتی جاتی ہے، کم ہوتی جاتی ہے حتی کہ بالکل ختم ہو جاتی ہے اور علم نافع و ایمان خالص دل کی تہ میں باقی رہتا ہے جس پر لوگ آ آ کر سیر ہوتے ہیں پیتے ہیں اور قحط کو رفع کرتے ہیں۔ حیوانات کو پلاتے ہیں اور کاشت کاری کرتے ہیں۔

صحیح میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ مَا بَعَثَنِی اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدیٰ وَالعِلْمِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَصَابَ اَرْضًا وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ كَمِيَّبَةٌ قَبلَتِ الْمَآءَ نَانْبَتَتِ الْكَلاءَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَسَقَى النَّاسُ وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً اُخْرىٰ اِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَاتُمْسِكُ مَاءً وَلَاتُنْبِتُ كَلَاءً فَذَالِكَ مَثَلُ مَنْ فَقِهَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَنَفَعَهٗ مَابَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَالِكَ رَاسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ.

''اللہ تعالیٰ نے جو علم و ہدایت دے کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال بارش کی ہے۔ جو زمین پر برسی تو اس کے بعض خطے بہت ہی پاکیزہ و بہتر تھے۔ جنھوں نے بارش کو قبول کیا اور بے شمار چارہ و گھاس اُگا دیا اور بعض خطے خشک تھے جنھوں نے اگایا تو کچھ نہیں البتہ اپنے اندر پانی کو محفوظ کر رکھا جس سے لوگوں نے خود بھی پیا اور کھیتوں کو بھی پلایا اور بعض ٹکڑے بنجر و چٹیل میدان تھے جنھوں نے نہ پانی کو محفوظ رکھا نہ گھاس اگائی تو یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے دین الٰہی کو سمجھا اور میری آوردہ شریعت سے فائدہ

---

[1] اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے۔

حاصل کیا خود بھی پڑھا اور لوگوں کو بھی پڑھایا اور آخری مثال اس شخص کی ہے جس نے نہ اس کی طرف سر اٹھایا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو جو میری معرفت بھیجی گئی تھی قبول کیا۔"

علم و ہدایت اور لوگوں کے طبقات

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں لوگوں کو تین طبقوں میں تقسیم فرمایا ہے۔

پہلا طبقہ

پہلا طبقہ، ورثاءِ رسول ﷺ و خلفائے انبیاء؊ کا ہے جنھوں نے دین کو سیکھا۔ اس پر عمل کیا اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی یہی وہ لوگ ہیں جو رسول ﷺ کے صحیح و کامل پیرو اور زمین کے اس بہترین طبقے کے قائم مقام ہیں جو پاک وصاف ہو اور پانی کو اپنے اندر جذب کر کے گھاس وغیرہ اور بے شمار چارہ پیدا کرے تو وہ بنفسہٖ خود بھی پاک وصاف ہے۔ اور لوگوں نے بھی اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے قحط و خشک سالی کو رفع کر لیا۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے اندر بصیرتِ دینی، اور قوتِ نفاذ (یعنی قوتِ دعوت) دونوں موجود ہیں اور اسی لئے وہ انبیاء کرام کے وارث قرار پائے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ۔ (ص:۴۵)

"اور ہمارے بندوں ابراہیم و اسحاق و یعقوب (علیہم السلام) کو یاد کیجئے جنھیں قوت و بصیرت عنایت کی گئی تھی۔"

یہاں ابصار سے دینی بصیرتیں مراد ہیں (1) تو دینی بصیرت سے حق کی معرفت و

---

(1) ایدی سے مراد اللہ کے دین کے سلسلہ میں قوت و طاقت ہے اور ابصار سے اللہ عزوجل کے دین کی بصیرتیں ہیں۔

ادراک حاصل ہوتا ہے اور قوت وطاقت سے اس کی تبلیغ ودعوت اور اس کا نفاذ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس طبقہ میں قوت حفظ وقوت فہم استنباط وفقاہت دینی وبصیرت تاویلی و تفسیری سب موجود ہوتی ہیں جو نصوص سے علوم کے دریا بہاتے ہیں، ان سے استنباط کر کے بیشمار خزینے ودفینے باہر نکال کر رکھ دیتے ہیں اور استنباطِ مسائل کے متعلق اللہ تعالیٰ کی جانب سے انھیں فہم خاص عنایت کیا گیا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب ﷺ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں جو آپ سے دریافت کیا گیا ہے کہ:

هَلْ خَصَّكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِشَيْءٍ دُوْنَ النَّاسِ؟

”کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں دوسرے لوگوں کے علاوہ کوئی خاص چیز بھی عنایت فرمائی ہے؟“

تو آپ فرماتے ہیں کہ!

لَا وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَاءَ النَّسَمَةَ اِلَّا فَهْمًا یُّوْتِیْهِ اللّٰهُ عَبْدًا فِیْ كِتَابِهٖ (احمد و بخاری وابوداوٗد ونسائی بروایت ابی جحیفہ ﷺ)

”اللہ کی قسم جو دانے کو پھاڑ کر اگاتا اور مخلوق کو پیدا کرتا ہے اس نے ہمیں کسی چیز سے مختص نہیں فرمایا۔ ہاں یہ ایک فہم ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی کتاب سمجھنے کے لئے عنایت کر دیتا ہے۔“

تو یہ فہم اس گھاس اور بے شمار چارہ کے قائم مقام ہے جو زمین سے اگتا ہے۔

دوسرا طبقہ

اور یہی وہ فہم ہے جو پہلے اور دوسرے طبقہ میں حد فاصل ہے اور دونوں کو ایک دوسرے سے ممتاز وجدا کرتا ہے کیونکہ ان کا کام صرف نصوص کو حفظ کرنا اور ضبط واتقان سے اسے محفوظ کرنا ہوتا ہے۔ مختلف اقسام کے لوگ آ کر ان سے وہ

نصوص سیکھ کر خود ان سے استنباط کرتے ہیں۔ استخراج مسائل کرتے ہیں اس کے دفینے نکالتے ہیں اور علم کی قابلِ زراعت زمین میں بیج ڈالتے ہیں اور اپنی لیاقت کے برابر اس چشمۂ شیریں سے سیراب ہو ہو کر نکلتے ہیں۔

قَدْعَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَشْرَبَھُمْ (بقرہ ع ۷)

''ہر آدمی نے اپنے اپنے پینے کی جگہ معلوم کر لی۔''

یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَءً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا ثُمَّ اَدَّاھَا کَمَا سَمِعَھَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْۃٍ غَیْرُ فَقِیْہٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْۃٍ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَفْقَہُ مِنْہُ

روایت کیا ہے ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ و خوش و خرم رکھے جو میری حدیث کو سن کر یاد کرے اور جیسے سنے ویسے ہی انھیں الفاظ میں ادا کر دے کیونکہ اکثر حاملینِ فقہ فقیہ نہیں ہوتے اور بسا اوقات حاملینِ فقہ اپنا حفظ کردہ ذخیرہ اپنے سے زیادہ سمجھدار اور بڑے فقیہ کے یہاں پہنچا دیتے ہیں (جس سے خود تو استنباط نہیں کر سکتے مگر دوسرے کو استنباط کا بخوبی موقعہ ملتا ہے۔)

دیکھئے! حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ امتِ محمدیہ کے بہت بڑے عالم و ترجمان قرآن ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے جو احادیث آپ نے خود سنی ہیں ان کی تعداد بیس تک بھی نہیں پہنچتی جن میں وہ سَمِعْتُ اور رَاَیْتُ (میں نے سنا یا دیکھا) کا لفظ بولتے ہوں۔ ہاں اکثر صحابہ سے بہت کچھ سنا حتیٰ کہ بارگاہ الٰہی سے آپ کے فہم و استنباط میں اس قدر برکت ہوئی کہ تمام دنیا کو علم و فقاہت سے بھر دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کی سات ضخیم جلدیں

ابو محمد ابنِ حزم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سات ضخیم جلدوں میں آپ کے فتاوی جمع کیے ہیں، حالانکہ یہ مقدار صرف ان فتوؤں کی ہے جو فتاویٰ کے

جامع (ابنِ حزم) کو دستیاب ہوئے۔ ورنہ ابنِ عباس کا علم ایک بے پایاں سمندر ہے۔ اور فقہ و استنباط اور فہمِ قرآن میں تو آپ دنیائے عالم کے لوگوں سے فائق ہیں۔ حالانکہ جس طرح دوسروں نے سنا ویسے ہی آپ نے سنا جس طرح دوسروں نے قرآن پڑھا اور یاد کیا اسی طرح آپ نے پڑھا اور حفظ فرمایا۔ مگر آپ کی چونکہ زمین تمام زمینوں سے بہتر اور سب سے زیادہ قابلِ زراعت تھی۔ آپ نے اس میں نصوص کا بیج بویا تو اس سے ہر قسم کے اعلیٰ جوڑے پیدا ہوئے۔

وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

''اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت کرتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مثال

ہاں تو دیکھئے! ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے فتاوی وتفسیر کے سامنے ابوہریرہ کے فتاوی وتفسیر کی کیا نسبت؟ حالانکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ سے زیادہ حافظ بلکہ علی الاطلاق حافظ الامت ہیں۔ حدیث کو جیسے سنتے ویسے ہی ادا کر دیتے اور رات کو اسے یاد کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تمام تر کوشش دو چیزوں کی طرف مبذول رہی اول احادیث کو حفظ کرنا دوم حفظ کردہ احادیث کو جیسے سنا ویسے ہی آگے پہنچا دینا۔ مگر ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی تمام کوشش فقہ و استنباط اور نصوص سے استخراجِ مسائل کے دریا بہانے اور ان سے خزائن و دفینے نکالنے میں صرف ہوتی تھی۔

علیٰ ہذا القیاس صحابہ کے بعد کے دور میں بھی دونوں قسم کے لوگ موجود تھے۔

حفّاظِ حدیث

قسم اوّل حفاظ: جن کی تمام تر توجہ ضبط و حفظِ حدیث اور شنیدہ احادیث کو بعینہٖ ادا کر دینے کی طرف تھی انھیں ان سے استنباط و استخراجِ مسائل سے کچھ سروکار نہ ہوتا تھا۔

اہلِ استنباط

قسم دوم اہل استنباط جن کی زیادہ تر توجہ نصوص سے استنباط واستخراج احکام اور تفقہ فی النصوص کی جانب مبذول رہتی تھی۔

قسم اوّل میں ابوزرعہ، ابو حاتم ،ابن وارہ اور ان سے قبل مثلاً بندار محمد بن بشآر، عمروالناقد، عبدالرزاق اوران سے پہلے آئمہ مثل محمد بن جعفر غندراور سعید بن ابی عروبہ وغیرہ شامل ہیں جوصرف اہلِ ضبط واتقان اور حفاظِ حدیث تھے۔ نہ الفاظِ نصوص میں کسی قسم کا تصرف کرتے تھے۔ اور نہ ہی ان سے استنباط واستخراجِ احکام کرتے تھے۔

قسم دوم میں امام مالک وشافعی واوزاعی واسحٰق اور امام احمد بن حنبل و بخاری و ابوداوٗد ومحمد بن نصر مروزی وغیرہ شامل ہیں جوروایت ودرایت دونوں کے جامع تھے۔ روایت کے ساتھ تفقہ واستنباط کے بھی جامع تھے۔

غرضیکہ یہی دونوں گروہ ہیں جوخلقت سے زیادہ شریعت محمدیہ ﷺ سے سعادت افروز ہوئے اورسب سے زیادہ فائدہ اٹھایا اورانھیں لوگوں نے اسے لبیک کہا اور قبول کیا۔

تیسرا طبقہ

تیسرا طبقہ اشقیاء کا ہے جوتمام لوگوں سے زیادہ شقی و بدبخت ہیں، یہ وہ طبقہ ہے جنھوں نے نہ ہدایتِ خداوندی کوقبول کیا نہ اس کی جانب سراٹھا کر دیکھا، نہ حفظِ احادیث کی کاوش نہ فہمِ حدیث کا مادہ نہ روایت نہ درائت اور نہ رعایت ونگہداشت، سب سے یکسر خالی ومحروم توپہلا طبقہ اہلِ روایت ودرایت کا ہے۔

دوسرا طبقہ اہلِ روایت درعایت کا جنھیں درائت بھی نصیب ہوئی۔ روایت سے زیادہ درایت کا مادہ عنایت ہوا۔

تیسرا طبقہ اہلِ شقاوت کا ہے جن میں نہ روایت ہے نہ درایت نہ رعایت وہ بالکل

چوپائے بلکہ چوپائے سے بھی زیادہ گمراہ ہیں (سورۂ فرقان:۴۴)

یہی وہ لوگ ہیں جو گھروں کو تنگ کرتے ہیں اور نرخوں کو گراں کرتے ہیں شکم اور عیاشی کے سوا انھیں کسی چیز کی فکر نہیں بس لے دے کر ان کے پاس صرف یہی دو چیزیں رہ گئی ہیں اور ہر وقت انھیں کا مشغلہ ہے۔ اس سے زیادہ ترقی کریں تو ان کے ساتھ ساتھ زیب و زینت اور فاخرانہ لباس اور امیرانہ ٹھاٹ سے رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر اس سے بھی زیادہ ترقی کریں تو چوہدری بننے کی کوشش کرتے ہیں اور نفسِ غضبیہ کی امداد کرتے ہیں حتیٰ کہ ترقی کرتے کرتے نفسِ کلبیہ کی نصرت وامداد سے بھی آگے بڑھ کر نفسِ سبعیہ کی نصرت وامداد کرتے ہیں۔ رہا نفسِ مالا کوتی تو انہیں اس کی فکر ہی نہیں۔

نفس کلبیہ، سبعیہ، ملکیہ

کیونکہ نفوس تین قسم کے ہیں، کلبیہ، سبعیہ، ملکیہ۔

کلبیہ تو صرف ہڈی، روٹی کے ٹکڑے اور مردار و گندگی پر قناعت کر لیتا ہے۔ مگر سبعیہ اسی پر قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ قہراً لوگوں کو ماتحت رکھنا چاہتا ہے اور ان پر حق و ناحق طریق سے غلبہ و استیلاء کی کوشش کرتا ہے لیکن ملکیہ ان تمام خرابیوں سے بالاتر ملأ اعلیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے لہٰذا اس کی تمام تر کوشش علم و ایمان، محبتِ الٰہی، وانابت الی اللہ ہوتی ہے اسے ذاتِ الٰہی سے طمانیت و سکینت حاصل ہوتی ہے اور وہ تمام محبتوں پر اللہ تعالیٰ کی رضاء و محبت کو ترجیح دیتا ہے اور کسی قدر (دنیا کا کچھ حصہ بھی) دنیا بھی صرف اس لئے کماتا ہے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے خالق و مربی اور کارساز سے مل سکے نہ یہ کہ اس سے منقطع ہو جائے۔

دوسری مثال...... ناری

دوسری مثال ناری ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسی سورہ رعد میں بیان فرمائی ہے کہ

وَمِمَّا يُوقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ۔ (الرعد: ۱۳)

''اور جو (سونا چاندی وغیرہ) زیور بنانے یا ڈھال کر کوئی اور چیز بنانے کے لئے آگ میں گرم کرتے ہیں اس کی بھی پانی کی طرح جھاگ ہوتی ہے۔''

اس کی صورت بعینہٖ لوہے، تانبے اور سونے چاندی وغیرہ کی طرح ہے اولاً بھٹی میں ڈالا جاتا ہے کہ خالص ہو جائے اور میل کچیل سے صاف ہو کر کھوٹ نکل جائے جب میل وغیرہ سے صاف ہو جاتی ہے اور باہر نکالی جاتی ہے تو تمام آلائشوں سے صاف ہو کر بالکل خالص نکل آتی ہے اور وہی لوگوں کے کام آتی ہے۔ ①

اللہ تعالیٰ نے دونوں مثالیں بیان کرنے کے بعد ان کا تذکرہ فرمایا جو اس کی بات کو قبول کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اپنا سر بلند کرتے ہیں اور ان کا حکم بیان فرمایا جو اس کی بات کو قبول نہیں کرتے اور اس کی ہدایت کے ساتھ سر نہیں اٹھاتے۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَا فْتَدَوْا بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ فَبِئْسَ الْمِهَادُ۔ (الرعد: ۱۳)

''جو اپنے رب کی اطاعت کرتے ہیں ان کے لئے بھلائی ہے اور جو اس کی اطاعت نہیں کرتے اگر ان کے پاس زمین کی تمام چیزوں کے ساتھ اتنی ہی اور چیزیں بھی ہوں تو اپنی جان کے عوض فدیہ دینے کو تیار ہو جائیں (مگر ان کے ہاں کچھ بھی نہیں ہوگا) ان کے لئے برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت برا بچھونا ہے۔''

غرضیکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حیات کو نور کی اور ظلمات کو موت کی حیثیت دی ہے۔

---

① جس پر آگ کو روشن کیا جاتا ہے، سے مراد، لوہا، تانبا، چاندی اور سونا وغیرہ مراد ہے۔ انہیں بھٹی میں اس لئے ڈالا جاتا ہے کہ وہ صاف اور خالص ہو جائے اور ان کا میل کچیل نکل جاتا ہے اور اسے پھینک دیا جاتا ہے اور اس کا خالص حصہ رہ جاتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (علوی)

تو گویا روحانی وجسمانی ہر دو وجود کی حیات نور کے ساتھ قائم ہے اور جس طرح وہ روشنی وضو کا مادہ ہے اسی طرح ہی وہ مادۂ حیات ہے۔ لہٰذا جس طرح اس کے بغیر روشنی مشکل ہے اسی طرح اس کے بغیر زندگی ناممکن ہے اور جس طرح اسی پر حیات موقوف ہے، انشراح ووسعت قلبی بھی اسی پر موقوف ہے۔

چنانچہ ترمذی میں آنحضرت ﷺ سے مذکور ہے کہ:

اِذَا دَخَلَ النُّوْرُ الْقَلْبَ اِنْفَسَخَ وَ انْشَرَحَ قَالُوْا وَمَا عَلَامَةُ ذٰلِكَ؟ قَالَ:. اَلْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَ التَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ۔

''جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو دل کشادہ اور فراخ ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا انشراحِ صدر کی علامت کیا ہے؟ فرمایا دار الخلود وآخرت کی طرف رجوع رکھنا دار الغرور (دنیائے فریب خانہ) سے دل کا ہٹ جانا اور موت آنے سے پہلے اس کا توشہ جمع کر لینا۔''

اور آدمی کا نور وہی اس کے عمل وکلمات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف صعود کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب طیب کلمے ہی صعود کرتے ہیں اور وہ نور ہیں۔ اور ان کا منبع بھی نور ہے۔ پھر اعمال میں سے عمل صالح اور روحوں میں سے ارواحِ طیبہ ہی بہتر ہیں۔ یہ دو قسم کی ہیں اوّل ارواحِ مومنین جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ شریعت کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ دوم ارواحِ ملائکہ جو نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ وَخُلِقَتِ الشَّيَاطِيْنُ مِنْ نَارٍ وَخُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ۔''

''فرشتوں کو نور سے، شیطان کو آگ سے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔''

ارواحِ طیبہ اور ارواحِ خبیثہ

تو جب فرشتے نوری ثابت ہوئے اور ان کا اصل مادہ نور ہے، تو وہی اپنے پروردگار تبارک وتعالیٰ کی طرف عروج کرتے ہیں اسی طرح فوت ہو کر مومنین کے ارواح بھی اللہ عزوجل کی جانب اوپر چڑھتے ہیں جس وقت فرشتے ان کو قبض کر لیتے ہیں اور پہلے دوسرے تیسرے حتیٰ کہ ساتوں آسمانوں تک کے دروازے کھلتے جاتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ بعد ازاں ان کا نام اہلِ علیین کے رجسٹر میں درج کر دیا جاتا ہے تو چونکہ یہ روح طیب و پاکیزہ اور نورانی وچمکتا ہوا روح تھا۔ لہٰذا وہ فرشتوں کے ساتھ اوپر آسمانوں کی طرف چڑھتا گیا۔ مگر خبیث و گندے اور بے نور روح کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ نہ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اسے حقیر کر کے آسمان دنیا سے رد کر کے ارواحِ خبیثہ کی دنیا میں واپس کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ارضی وسفلی تھا اور پہلا علوی وسمائی تھا۔ تو گویا جو روح جس خمیر جس اصل اور جس عنصر کی تھی اسے اسی طرف رد کر دیا گیا چنانچہ یہ بیان براء بن عازب کی طویل حدیث میں موجود ہے جو مسند احمد وصحیح ابی عوانہ اسفرائینی اور صحیح حاکم وغیرہ میں مروی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ ✽

غرضیکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف صرف وہی اعمال واقوال ارواح صعود کرتے ہیں جو نور ہوں۔ اور سب سے زیادہ وہی شخص نور والا ہو گا جو اللہ کو زیادہ معزز اور اللہ کے زیادہ قریب ہو۔

مسند احمد میں عبداللہ بن عمرو ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

✽ اسے حافظ منذری نے ترغیب وترہیب ص ۱۰ ج ۴ کے باب عذاب القبر میں براء بن عازبؓ سے روایت کیا ہے کہ خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی جنازہ رجل من الانصار فانتھینا الی القبر و لما یلحد بعد فجلس رسول اللہ ﷺ و جلسنا حولہ الخ لمبی حدیث ہے منذری فرماتے ہیں کہ اس کے راویوں سے صحیح میں احتجاج کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ خَلْقَهُ فِی ظُلْمَةٍ وَاَلْقٰی عَلَیْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِکَ النُّوْرِ اِهْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَأَهُ ضَلَّ فَلِذٰلِکَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰی عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت و تاریکی میں پیدا کر کے ان پر اپنے نور کی تجلی فرمائی جس پر وہ نور پڑ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ قلم علم الٰہی پر خشک ہو گیا۔''

یہ عظیم الشان حدیث اصول ایمان میں سے ایک اصل ہے اور اس سے مسئلہ تقدیر اور تقدیر کے اسرار و رموز کے بے شمار مسائل حل ہو سکتے ہیں و اللہ تعالیٰ الموفق

نورِ فطرت اور نورِ وحی

یہ نور جسے اللہ تعالیٰ نے ازل کے روز القاء فرمایا تھا۔ اسی سے لوگوں نے حیات و ہدایت پائی تو فطرت کو بھی اس سے حصہ ملا مگر چونکہ وہ حصہ تمام و کمال ایک مستقل حصہ نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرے روح کے ساتھ جو انبیاء علیہم السلام پر القا فرمایا تھا اور اس نور نبوت کے ساتھ جو ان پر وحی فرمایا تھا اس کی تکمیل فرمائی تو فطرت کو ایک تو ازل کے روز سابقا نور عنایت ہوا تھا اب اس نُورِ فطرت سے نورِ وحی و نورِ نبوت بھی مل کر نور علی نور ہو گئے جس سے دل روشن ہو گئے چہرے منور ہو گئے۔ ارواح زندہ ہو گئیں اور اعضاء و جوارح طاقت کے لئے بے رضا و رغبت اپنے اختیار سے مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔ لہٰذا دلوں کو پہلی حیات کے ساتھ مزید زندگی مل گئی۔

صفاتِ الٰہی کے انوار کا مشاہدہ

پھر اس نور نے دلوں کو ایک دوسرے نور کا پتہ دیا جو اس سے بھی عظیم الشان و جلیل القدر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات علیا کا نُور ہے جس میں باقی تمام نور مضمحل ہو جاتے ہیں۔ تو دلوں نے بصیرتِ ایمانی سے اس کا اس طرح مشاہدہ کیا جس کی دل کے ساتھ

وہی نسبت ہے جو مرئیات کی آنکھ سے ہوتی ہے یعنی دلوں نے اس کا اس طرح مشاہدہ کیا جیسے کوئی چیز برائی العین دیکھی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر یقین اس قدر غالب و مستولی ہو چکا ہوتا ہے اور حقائق ایمانی اس قدر منکشف ہو چکے ہوتے ہیں گویا وہ بالکل ظاہر و باہر نمایاں طور پر عرشِ الٰہی پر اللہ تعالیٰ کو اسی طرح مستوی ہوئے دیکھ رہے ہیں جس طرح اس نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول ﷺ نے اپنی احادیث میں خبر دی ہے کہ وہ کائناتِ عالم کے جملہ امور کی تدابیر کرتا ہے کسی چیز کے کرنے کا حکم صادر فرماتا ہے کسی سے منع کرتا ہے، مخلوق پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے، موت دیتا ہے زندگی بخشتا ہے، فیصلہ کر کے اس کی تنفیذ فرماتا ہے۔ کسی کو ذلت، کسی کو عزت، کبھی لیل و نہار کو بدلتا ہے اور لوگوں میں طرح طرح کے دن پھیر لاتا ہے کبھی ایک حکمران قوم کو بدل کر اس کی جگہ دوسری کو حکمران کرتا ہے اور ہر وقت اس کے پیغمبر فرشتے اس کے احکام لئے کبھی نیچے دوڑے آ رہے ہیں کبھی اوپر چڑھ رہے ہیں اور اوقات کی طرح پے در پے لگا تار اس کے اوامر و مراسم اس کی حسبِ منشا و ارادہ ہر وقت نافذ ہو رہے ہیں جو چاہے جس طرح چاہے جس وقت چاہے جس طرز کا چاہے بلا کم و کاست، بے زیادت و نقصان اور بلا تقدیم و تاخیر جھٹ پٹ سب کچھ ہوتا جاتا ہے۔ اس کے احکام اور اس کی سلطنت و حکمرانی آسمانوں میں، زمین کے چپہ چپہ میں اس کے اندر و باہر کی چیزوں میں فضا میں دریاؤں اور سمندروں ہے، میں بلکہ تمام اجزاءِ عالم کے ذرہ ذرہ میں اس کا حکم نافذ ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں رد و بدل تغیر و تصرف اور ہیر پھیر کرتا ہے اور نت نئے کام اور نئی نئی مخلوق و حوادث پیدا کرتا ہے مگر اس کے باوجود اسے ہر چیز کا علم ہے اور ایک ایک چیز اس کو یاد ہے اور اس کا علم و شمار ہر چیز کو محیط و حاوی ہے پھر جس طرح اس کا علم وسیع، حفظ وسیع، اس کی رحمت و حکمت وسیع، اسی طرح قوت سمع بھی وسیع تر ہے، ایک ہی وقت میں مختلف آوازوں، مختلف بولیوں اور مختلف سوال و حاجات کے شور و غل میں ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔ ہر ایک کی حاجت

روائی کرتا ہے اور ہر آواز و ہر بولی و ہر سوال کو پوری طرح سنتا سمجھتا اور جانتا ہے نہ ایک کو سنتے دوسرا جانے پاتا ہے نہ ایک کی طرف خیال کرتے دوسرے کو بھولتا ہے اور نہ کثرت مسائل کے باعث وہ کسی قسم کی لغزش و غلطی کھاتا ہے اور نہ ہی حاجت مندوں کے الحاح سے پریشان خاطر ہوتا ہے پھر وسعتِ سمع کی طرح اس کی آنکھ بھی تمام مرئیات (وغیر مرئیات) کو دیکھ رہی ہے حتیٰ کہ اندھیری رات میں بیشگاف پختہ پتھر پر چلتی ہوئی سیاہ چیونٹی کی حرکت کو بھی دیکھتا ہے۔لہٰذا ہر غائب اس کے نزدیک حاضر اور خفیہ اس کے نزدیک بالکل علانیہ کی طرح ہے وہ پوشیدہ و پوشیدہ تر دونوں کو برابر جانتا ہے پوشیدہ وہ ہے جو انسان کے ضمیر میں ہو اور جو ابھی دل میں بھی نہ گزرا ہو۔ انسان کے دل میں کھٹکتا ہو مگر ہونٹوں سے نہ نکلا ہو اور اخفی یعنی پوشیدہ تر وہ ہے جو دل میں بھی نہ ہو وہ جانتا ہے کہ فلاں وقت اس کے دل میں فلاں چیز کھٹکے گی غرضیکہ خلق و امر یعنی پیدا کرنا اور حکم دینا صرف اسی کے لئے مخصوص ہے۔اسی کا ملک ہے اسی کی حکمرانی ہے اسی کے لئے حمد وثنا ہے۔اور دنیا وآخرت بھی اسی کی ہے ہر نعمت و ہر فضل اسی کا ہی ہے اور وہی بہترین تعریف وتوصیف کا مستحق ہے۔تمام ملک اسی کی مِلک اور تمام تر حمد وثنا کا وہی مستحق ہے۔تمام تر خیر و برکت صرف اسی کے دست قدرت میں ہے اور اسی کی طرف ہی سب کا مرجع ومآل ہے۔اس کی قدرت ہر شے کو شامل اس کی رحمت ہر چیز کو وسیع اور اس کی نعمت ہر جاندار پر کشادہ وفراخ ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کی تفسیر

يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن ۵۵، ع ۲)

''آسمانوں اور زمین والے اس سے مانگتے ہیں اسی سے سوال کرتے ہیں اور ہر روز وہ نئے کام میں ہوتا ہے۔''

وہ گناہ معاف کرتا ہے غم رفع کر دیتا ہے مصیبتیں دور کرتا ہے شکستہ کو جوڑتا ہے اس

کا نقصان پورا کرتا ہے۔ فقیر کو غنی، جاہل کو عالم، گمراہ کو ہدایت یافتہ اور حیران کو سمجھ دے کر راہ راست پر لگاتا ہے غمزدوں کا فریادرس، مصیبت زدوں کا حل المشکلات قیدیوں کو چھوڑانے والا، بھوکوں کا سیر کرنے والا، ننگوں کو کپڑے دینے والا، مریضوں کا شافی اور بیماروں کو تندرستی عنایت کرتا ہے، تائب کی توبہ قبول کرتا ہے محسن کو جزائے خیر دیتا ہے، مظلوم کی امداد کرتا ہے سرکش وظالم کی کمر توڑتا ہے، لغزش معاف کرتا ہے عیوب پر پردہ ڈالتا ہے اور خوف سے امن دلاتا ہے۔ بعض قوموں کو عزت وعروج بخشتا ہے اور بعض کو ذلت وپستی عنایت کرتا ہے نہ سوتا ہے اور نہ ہی سونا اس کو مناسب ہے، میزانِ عدل کو وہی کبھی نیچے کبھی اوپر کرتا ہے رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے اس کے ہاں پہنچتے رہتے ہیں۔ اس نے اپنے سامنے نور کا حجاب کر رکھا ہے اگر اٹھادے تو جتنی مخلوق تک اس کی نظر جائے تمام کی تمام اس کے چہرۂ اقدس کے انوار سے جل کر راکھ ہو جائے اس کا دستِ جُود ہر وقت بھرا بھرا یا ہے، کھلے دل سے خرچ کرنا اس سے ذرہ بھر کم نہیں کرتا ابتدائے آفرینش سے دن رات لگاتار خرچ کرتا آرہا ہے کیا کبھی کم ہوتا نظر آتا ہے؟ ہرگز نہیں! اس کا ہاتھ ہر دم بھرا ہی نظر آتا ہے۔ تمام بندوں کے دل اور پیشانیاں اس کے ہاتھ میں ہیں، اور تمام امور کی باگ ڈور اسی کی قضا وقدر سے بندھی ہے۔ تمام زمینیں قیامت کو اس کی ایک مٹھی میں اور تمام آسمان ایک ہاتھ میں لپیٹے ہوں گے وہ تمام آسمانوں کو دائیں ہاتھ میں اور زمینوں کو دوسرے ہاتھ میں پکڑ کر جھنجھوڑے گا اور ہلا کر فرمائے گا۔ میں ہوں بادشاہ میں ہوں شہنشاہِ عالم میں ہی وہ ذات ہوں جس نے دنیا پیدا کی اور وہ پہلے کچھ بھی نہ تھی اور میں ہی دوبارہ اسے لوٹا دوں گا جیسے اسے اولاً پیدا کیا تھا۔ کوئی گناہ ایسا نہیں جسے وہ معاف نہ کر سکے اور کوئی حاجت وسوال ایسا نہیں جسے وہ پورا کرنے سے قاصر رہ جائے۔ آسمانوں اور زمین کے تمام رہنے والے پہلے پچھلے جن وانسان سب متقی و پرہیز گار اور پاک دل بن جائیں تو یہ پرہیز گاری واتقاء اس کے ملک میں کچھ اضافہ

نہیں کر سکتے۔

اسی طرح اگر تمام پہلے پچھلے جن وانسان سب سے زیادہ فاجر و بدکار ہو جائیں تو اس کے ملک میں ذرہ برابر کمی نہیں کر سکتے۔علیٰ ہذا القیاس تمام آسمانوں اور زمین کے رہنے والے جن وانسان زندہ و مردے اچھے اور بُرے تمام کے تمام ایک میدان میں جمع ہو کر اپنی حاجات طلب کرنے لگ جائیں اور وہ ہر ایک کا سوال پورا کرتا جائے اور ہر ایک کی منہ مانگی مراد پوری کرتا جائے تو اس کے خزانہ سے ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر ابتدائے آفرینش سے اختتامِ دنیا تک کے روئے زمین کے درخت سراسر قلمیں بن جائیں اور ایک سمندر کے ساتھ اور سات سمندر مل کر سیاہی بن جائیں پھر ان قلموں اور سیاہی سے اللہ تعالیٰ کے تمام کلمات تحریر کیے جائیں تو قلمیں ختم ہو جائیں، سیاہی ختم ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ کے کلمات کبھی نہ ختم ہوں اور اللہ جلّ وعلا کے کلمات ختم وفنا بھی کیسے ہو جائیں؟ حالانکہ نہ ان کی ابتداء ہے نہ انتہا اور مخلوق کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ لہٰذا مخلوق ہی ختم وفنا کے قابل ہے اور مخلوق غیر مخلوق کو فنا بھی کیسے کر سکتی ہے؟ جب کہ وہ اوّل ہے اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی وہ سب سے آخر ہے جس کے بعد کچھ نہیں وہ ظاہر ہے جس سے اوپر زیادہ واضح کچھ نہیں۔ وہ باطن ہے جس سے ورے کوئی چیز نہیں اور وہ منزہ ہے ان تمام چیزوں سے جن کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی پرستش کی جاتی ہے جن کی حمد وثنا کی جاتی ہے جن کا شکر کیا جاتا ہے۔ مصیبت میں جن کی جستجو کی جاتی ہے سب سے زیادہ قابلِ ذکر قابلِ عبادت قابلِ حمد، لائقِ شکر اور سب سے زیادہ معاون مددگار ہے وہ تمام بادشاہوں سے زیادہ مہربان ہے، ان تمام سے زیادہ سخی ہے جن کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جاتا ہے ان سب سے زیادہ درگذر کرنے والا ہے جو طاقت رکھنے کے باوجود درگذر کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ کریم ہے جن کا قصد کیا جاتا ہے اور جملہ انتقام لینے والوں سے زیادہ عادل ومنصف ہے۔

وہ ایسا نہیں کہ علم نہ ہونے کے باعث حلم کرتا ہو یا طاقت نہ ہونے کی وجہ سے معاف کرنے پر مجبور ہو یا قدرت نہ رکھنے کے باعث بخش دیا کرتا ہو۔ یا سوچ فکر اور حکمت و دانائی کے بغیر کوئی چیز دینے سے روک لیتا ہو یا رحمت واحسان سے خالی ہو کر محبت وموالات کرتا ہو بلکہ علم رکھتے ہوئے حلم کرتا ہے قدرت رکھتے ہوئے درگذر کرتا ہے طاقت رکھتے ہوئے بخش دیتا ہے وہ اپنی حکمت و دانائی سے کسی چیز کو روکتا ہے اور محض اپنے فضل ورحمت اور جود واحسان سے کسی کے ساتھ محبت وموالات کرتا ہے۔

مَا لِلْعِبَادِ عَلَيْهِ حَقٌّ وَاجِبٌ
كَلَّا وَلَا سَعْيٌ لَدَيْهِ ضَائِعٌ

''اللہ تعالیٰ پر بندوں کا کوئی حق واجب نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی کوشش ضائع و بے سود جاتی ہے۔''

اِنْ عُذِّبُوا فَبِعَدْلِهِ اَوْنُعِّمُوْا
فَبِفَضْلِهِ وَهُوَا لْكَرِيْمُ الْوَاسِعُ.

''اگر عذاب میں ڈال دیئے جائیں تو یہ اس کا عدل ہے ظلم نہیں یا انعام دیئے جائیں تو یہ محض اس کا فضل ہے جزاء اعمال نہیں، اور وہ کریم و وسیع خزانوں کا مالک ہے۔''

وہی بادشاہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں وہ غنی ہے لہٰذا اس کا معاون کوئی نہیں وہ صمد و بے نیاز ہے اس لئے اس کی بیوی واولاد نہیں وہ علی یعنی بلند و برتر ہے لہٰذا اس کا شبیہ و مثیل اور ہم نام کوئی نہیں۔ ہر چیز کو فنا ہے مگر اس کی ذات کے لئے فنا نہیں۔ ہر ملک وحکومت کے لئے زوال ہے مگر اس کی حکومت کو کبھی زوال نہیں تمام سائے سکڑ جانے والے ہیں مگر اس کے سایہ کے لئے ہٹنا نہیں اور تمام فضل وانعام ختم ہو جائیں گے مگر اس کا فضل کبھی ختم نہیں ہوگا۔ وہ اطاعت کیا جاتا ہے تو اپنے اذن ورحمت سے۔ نافرمانی کی جاتی ہے تو اس سے درگذر و معاف کرتا ہے،

اس کا ہر عذاب محض اس کا فضل ہے۔ [1] اس کی ہر نعمت اس کا فضل ہے۔ تمام قریبوں سے زیادہ قریب ہے اور تمام محافظوں سے زیادہ نزدیکی محافظ ہے تمام لوگوں سے ورے حائل ہو کر ہر چیز کی پیشانی کے بال اور دفتر اعمال اس نے خود پکڑ رکھے ہیں۔ سب کی اجل لکھ رکھی ہے تو دل اسی کی طرف جھک رہے ہیں مخفی اس کے نزدیک علانیہ اور غائب اس کے نزدیک حاضر ہے اس کی عطا صرف منہ سے ایک کلمہ کہہ دینا اور عذاب بھی صرف ایک لفظ کہہ دینا ہے۔

اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (یٰس: ۸۲)

''اس کا کام تو صرف اتنا ہے کہ کچھ بنانا چاہے تو اسے کہ دیتا ہے ''ہو جا'' بس فوراً ہو جاتا ہے۔''

تو جب دل پر ان انوارِ صفات کی تجلی ہوتی ہے تو ان کے ہوتے ہوئے سب نور مضمحل ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد ایسے حالات طاری ہوتے ہیں جو نہ دل میں کھٹک سکتے ہیں۔ نہ عبارت میں سما سکتے ہیں۔

غرضیکہ مقصود یہ ہے کہ ذکر دل کو منور چہرہ کو نورانی اور اعضاء کو روشن کر کے سب کو نور علی نور بنا دیتا ہے اور یہی وہ نور ہے جو انسان کے ہاں دنیا و آخرت اور برزخ و قیامت میں موجود ہوگا۔

ذاکر کے دل میں جس قدر نورِ ایمانی ہوتا ہے۔ اسی تناسب سے اس سے اعمال و اقوال صادر ہوتے ہیں اور ان میں نور و ایمان ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض مومنوں کے اعمال جب اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں۔ تو سورج کے نور کے برابر ان کی روشنی ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب مومن کی روح اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچتی ہے تو آفتاب کی طرح ہر طرف روشنیاں پھیل جاتی ہیں اسی طرح پلصراط کو جاتے ہوئے ان کے آگے آگے

[1] عبارت ہے اس کی نافرمانی اس کے علم و حکمت سے ہوتی ہے۔ فرمانبرداری کی جاتی ہے تو قدر کرتا ہے اور اگر نافرمانی کی جاتی ہے اس سے درگزر کرتا ہے اور اسے معاف کرتا ہے۔ (سعدی)

نور ہوگا۔ اور قیامت کے دن ان کے چہرے نور سے چمکتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عنایت فرمائے۔ واللہ المستعان و علیه التکلان ۔ اس کی مدد مطلوب ہے اور اس پر اعتماد و بھروسہ ہے۔

۴۷ ذکر...... بنیادی اصول ہے [1]

ذکر راس الاصول عوام کا طریق اور منشور ولایت ہے جس پر اس کا ادنیٰ سا حصہ بھی مفتوح ہو گیا تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے تمام دروازے اس پر کھل گئے لہٰذا اب اس کا فرض ہے کہ طہارت کر کے اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ کے سامنے بے دھڑک چلا جائے اس کے ہاں اسے ہر مطلوب حاصل ہو جائیگا اور حسبِ خواہش جملہ ضروریات پوری ہونگی اگر اس نے اپنے رب کو پالیا۔ تو گویا سب کچھ حاصل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ تک اس کی رسائی نہ ہو سکی تو گویا سب کچھ ضائع و برباد ہو گیا۔

۴۸ ذکرِ الٰہی سے فاقہ قلبی کا انسداد

دل میں ہر وقت ایک حاجت اور ایک فاقہ موجود ہوتا ہے جس کا انسداد ذکر الٰہی کے سوا کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ جب ذکر دل کا اس طرح شعار بن جائے کہ اصالتہً وہی ذاکر ہو اور زبان محض اس کی تابع ہو تو یہی وہ ذکر ہے جو تکمیلِ حاجات اور فاقہ کو مٹانے کا موجب ہو سکتا ہے اور جس کے ہوتے ہوئے انسان مال کے بغیر بھی غنی، قبیلہ و کنبہ نہ ہونے کے باوجود معزز اور حکومت کے بغیر بھی بارعب اور مہیب ہوتا ہے، مگر جب ذکرِ الٰہی سے غافل ہو تو معاملہ اس کے بالکل برعکس ہو جاتا ہے اور کثرتِ مال و منال کے باوجود فقیر، حکومت کے باوجود ذلیل اور بے شمار رشتہ داروں اور کنبہ و قبیلوں کے باوجود تمام لوگوں کی نظروں میں حقیر و ذلیل اور خسیس ہوتا ہے۔

---

[1] ......اِنَّ الذِّكْرَ رَأْسُ الْأُمُوْرِ...... ''ذکر تمام امور و معاملات کا والی اور نگران ہے۔ یا دل و دماغ ہے۔''

۴۹ ذاکر کی خاص خوبیاں

ذکر میں چار خاص خوبیاں ہیں، متفرق کو جمع کرنا، اور مجمع کو متفرق، قریب کو بعید اور بعید کو قریب کرنا۔ جمع کی صورت یہ ہے کہ انسان کے پراگندہ دل، پراگندہ ارادہ، پراگندہ محبت، پراگندہ خشوع وتذلل، اور پراگندہ ومتفرق عزائم کو جمع کرتا اور تمام پراگندگیاں رفع کر کے جملہ چیزوں کو درست کر دیتا ہے اور بنظر غور دیکھا جائے تو ان تمام چیزوں کی پراگندگی تشتت وافتراق ہی انسان کے لئے سراسر عذاب و وبال جان ہے۔

اور دل وفکر اور عزم وارادہ کی جمعیت میں ہی زندگی وحیات اور جملہ نعمت و انعامات مرکوز ہیں۔

تفرق کی صورت یہ ہے کہ انسان پر غم وتفکرات، ہم واندوہ، کسی کام اور مطلوبہ خواہشات میں ناکامی ونامردی پر حسرت وافسوس اور جملہ مصائب جس قدر بھی انسان پر جمع ہو جاتے ہیں سب کو متفرق ومنتشر کر دیتا ہے، علی ہذا القیاس جس قدر گناہ وخطا کاریاں، بدکاریاں وبدنامیاں اس پر گھیرا ڈال لیں، سب کو یکدم رفو چکر کر دیتا ہے اور سب ایک ایک کر کے اس سے جھڑ کر مضمحل ومفقود اور لاشے ہو جاتی ہیں۔ نیز اس کے ساتھ لڑائی کے لئے جس قدر شیطانی لشکر جمع ہوتے ہیں ان کو منتشر کر دیتا ہے اور یاد رکھئے! ایسے شخص پر شیطانی لشکروں کا حملہ وہجوم لابدی ہے کیونکہ ابلیس ہر وقت اور ہر ساعت فوج در فوج اور لشکر پر لشکر روانہ کرتا رہتا ہے اور ذاکر جتنا اللہ تعالیٰ کا زیادہ طالب ہوگا اور محبتِ الٰہی میں جتنا زیادہ پختہ کار ہوگا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقات وارادات میں جس قدر اس کا گہرا تعلق ہوگا۔ اسی تناسب سے اسے گمراہ کرنے کے لئے زیادہ صاحب شان وشوکت وصاحبِ قوت وسطوت اور بے شمار وبھاری بھرکم لشکروں کی ضرورت ہوگی اور وہ اس میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ جن کا مقابلہ کرنا جسے ہزیمت دینا اور جسے متفرق و

منتشر کرنا از حد لازم ہے اور یہ کام صرف دوام ذکر سے نکل سکے گا۔ اور اس کا علاج صرف یہی ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں انسان رطب اللسان رہے۔

بعید کو قریب کرنا یہ ہے شیطان اور انسان کی اپنی خواہشات اور طویل امیدیں جن سے آخرت دور اور انسان کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے وہی آخرت اللہ تعالیٰ کی یاد میں منہمک ہونے سے بالکل قریب آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس لئے وہ ذکر میں اس قدر مشغول ہو جاتا ہے۔ گویا قیامت بپا ہو چکی ہے اور وہ عین میدان قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کو بالکل تیار کھڑا ہے۔ یہ حالت طاری ہوتے ہی دنیا خود بخود اس کی نظر میں ذلیل وحقیر دکھائی دینے لگتی ہے اور دل میں آخرت کی عظمت وشان وشکوت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے وہی دنیا جو کل تک قریب نظر آتی تھی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور وہی آخرت جو آج تک دور معلوم ہوتی تھی آنکھوں کے سامنے نقشہ بن کر نمودار ہو جاتی ہے کیونکہ دل میں آخرت قریب ہوگی تو دنیا دور ہوتی جائے گی حتیٰ کہ آخرت ایک مرحلہ قریب ہوگی تو دنیا ایک مرحلہ دور ہوگی اور آخرت کو دل میں قریب تر کرنا از بس ضروری ولابدی ہے جو صرف اسی صورت قریب ہوسکتی ہے کہ انسان ہر وقت ہر آن ذکر میں رطب اللسان رہے۔ واللّٰہُ المستعان۔

۴۰ ذکر بیداریٔ قلب کا موجب ہے

ذکر دل کو نیند سے ہوشیار اور خوابِ غفلت سے بیدار کر دیتا ہے اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ دل غفلت کی نیند سو چکا ہو تو اس کی سینکڑوں تجارتیں خراب اور ہزاروں منافع برباد ہو جاتے ہیں اور سراسر خسارہ ہی خسارہ ہوتا ہے مگر جب نیند سے بیدار اور خوابِ غفلت سے ہوشیار ہو کر اسے پتہ چلتا ہے کہ سونے سے میری فلاں تجارتیں خراب ہوئیں اتنے منافع برباد ہو گئے اور الٹا اتنے خسارے لازم آئے تو پہلے سے بھی زیادہ چالاک اور چاق وچوبند ہو کر تلافی مافات کے لئے کمربستہ ہو جاتا ہے بقیہ عمر بھر کے

لئے ہوشیار و بیدار ہو کر زندگی بسر کرتا ہے اور غفلت و سستی اور نیند کو قریب تک نہیں آنے دیتا اور یہ بیداری وہوشیاری صرف ذکر الٰہی سے ہی حاصل ہوسکتی ہے کیونکہ ذکرِ الٰہی سے غافل رہنا ہی گہری نیند اور خوابِ غفلت کا موجب ہے۔

۴۱ ذکر، شجر معرفت ہے

ذکر وہ درخت ہے جس پر احوال و معرفتِ الٰہی کے وہ پھل لگتے ہیں جس کے لئے سالک کمر بستہ ہوتے ہیں اور یہ پھل صرف ذکرِ الٰہی کے شجر سے حاصل ہوسکتے ہیں پھر جس قدر اس درخت کا پیڑ زیادہ ہوگیا جڑیں راسخ و مضبوط ہوں گی اسی قدر زیادہ پھلدار ہوگا اور ذکر ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے ہر اس مقام کا نتیجہ وثمرہ حاصل ہوتا ہے۔ جو توحید الٰہی کے لئے بیداری وہوشیاری کا موجب ہوتا ہے۔

اور ذکر ہی وہ بنیاد ہے جس پر جملہ مقامات کی عمارت اسی طرح کھڑی کی جاسکتی ہے جس طرح کسی بنیاد پر دیوار یا دیوار پر چھت کھڑی کی جاسکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان خواب غفلت سے بیدار نہ ہو تو اپنی منزل طے نہیں کرسکتا اور بیدار کرنے والی چیز صرف ذکر الٰہی ہے جو خواب غفلت سے ہوشیار و بیدار کرتی ہے۔ چنانچہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے اور غفلت ہی دل کی نیند بلکہ اس کے لئے موت کا حکم رکھتی ہے جس کی وجہ سے دل روحانی طور پر بالکل مردہ ہو جاتا ہے۔

۴۲ ذکرِ الٰہی، اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے

ذاکر اپنے مذکور (اللہ تعالیٰ) کے قریب اور مذکور (خدا تعالیٰ) اس کے ساتھ اور اس کی معیت میں ہو جاتا ہے اور یہ معیت معیت علمی و احاطہ عامہ نہیں بلکہ معیت خاصہ ہے۔ یعنی قرب وولایت نصرت ومحبت اور توفیق و اعانت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ انسان سے دور نہیں بلکہ ساتھ ساتھ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (نحل:۱۲۸) اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ: ۲۴۹) اللہ تعالیٰ صبر گذاروں کے ساتھ ہے۔

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانفال: ۱۹) اللہ تعالیٰ ایمانداروں کے ساتھ ہے۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ: ۹) ① غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اور ذکر گذار کو اس معیت کا اکثر وافر حصہ نصیب ہوتا ہے۔ جیسا حدیثِ قدسی میں ہے۔

اَنَامَعَ عَبْدِیْ مَاذَكَرَنِیْ وَ تَحَرَّكَتْ بِیْ شَفَتَاهُ ②

''جب تک انسان میرے ذکر مین رطب اللسان رہے اور اس کے ہونٹ ہلتے رہیں۔ میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔''

حدیث قدسی

دیگر حدیث قدسی میں ہے:

اَهْلُ ذِكْرِیْ اَهْلُ مُجَالِسَتِیْ وَاَهْلُ شُكْرِیْ اَهْلُ زِيَارَتِیْ وَاَهْلُ طَاعَتِیْ اَهْلُ كَرَامَتِیْ وَاَهْلُ مَعْصِيَتِیْ لَا اُقَنِّطُهُمْ مِنْ رَحْمَتِیْ اِنْ تَابُوْا فَاَنَا حَبِيْبُهُمْ فَاِنِّیْ اُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَاُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ فَاِنْ لَمْ يَتُوْبُوْا فَاَنَا طَبِيْبُهُمْ اَبْتَلِيْهِمْ بِالْمَصَائِبِ لِاُطَهِّرَهُمْ مِنَ الْمَعَائِبِ۔

''اہلِ ذکر میرے ہم مجلس، اہلِ شکر، میرے زائرین، اہلِ طاعت، میرے اصحاب کرامت ہیں اہلِ معصیت میں جن کو میں اپنی رحمت سے ناامید نہیں کرنا چاہتا اگر توبہ کریں تو میں ان کا دوست ہوں کیونکہ توبہ کرنے والوں کو میں محبوب سمجھتا ہوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو پسند فرماتا ہوں اور اگر علاج ہی نہ کرائیں تو میں خود ان کا طبیب ہوتا ہوں اور مصائب کے آپریشن سے ان کو عیوب سے پاک صاف کردیتا ہوں۔''

---

① وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت: ۶۹) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب کاروں کے ساتھ ہے۔ (علوی)

② بخاری بروایت ابی ہریرہ ص ۱۳۔

مقامِ لغزش

جو معیت ذاکر کو نصیب ہوتی ہے اس سے کوئی معیت ہمسری و مشابہت نہیں کر سکتی اور یہ اس معیت سے اخص ہوتی ہے جو ایک محسن و متقی کو عنایت ہوتی ہے بلکہ یہ ایسی معیت ہے عبارت و تعبیر اس کو پا نہیں سکتی اور وصف و بیان اس کو حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ ذوق و وجدان سے معلوم ہوتی ہے اور یہی مقام لغزش ہے جہاں انسان کفر کے قریب تر پہنچ جاتا ہے اور جب تک اس معیت کے ساتھ ساتھ بندہ قدیم و حادث خالق و مخلوق، اور عابد و معبود میں فرق نہ کرے تو اسلام سے خارج اور حلولیہ بن کر یا عیسائیوں سے جاملتا ہے یا وجودیہ ہو کر قائلین وحدتِ وجود میں داخل ہوتا ہے جو وجود باری تعالیٰ کو عین موجودات کا وجود سمجھتے ہیں بلکہ ان کے خیال میں نہ کوئی رب ہے نہ بندہ نہ خالق ہے نہ مخلوق، نہ خدائے برحق بلکہ وہ تو رب کو بندہ اور بندہ کو رب اور مخلوقات کو حق تعالیٰ تصور کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ان کے بکواسات سے بالکل پاک اور منزہ ہے۔

الغرض مقصود یہ ہے کہ انسان صحیح عقیدہ پر رہے تو فبہا، ورنہ جب ذکر و اذکار کا غلبہ و تسلط پوری طرح اس پر مستولی ہو جائے کہ اللہ کی یاد بلکہ خود اس کا نفس اس کے دل سے غائب و مخفی ہو جائے اور ہر چیز اس کو اللہ نظر آئے تو یقیناً حلول و اتحاد جیسے عقائد فاسد میں مبتلا ہو کر وہ شریعت اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے گا، اور مرتد و مطعون ہو کر مرے گا۔

(۴۳) ذکر......صدقہ و جہاد سے افضل ہے

ذکرِ الٰہی، غلام آزاد کرنے، اللہ کی راہ میں مال لٹانے، جہاد فی سبیل اللہ کے لئے گھوڑا پیش کرنے اور تلوار لے کر میدانِ جہاد میں خود اپنے نفس کو پیش کرنے کے برابر و مساوی ہے چنانچہ پہلے بھی گذر چکا ہے کہ *

* مشہور حنفی عالم ملا علی قاری نے اپنی کتاب الموضاعات الکبریٰ میں تمام جھوٹی حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ اس میں ایک باطل حدیث نمبر ۲۱۱ ہے جس کے الفاظ ہیں۔ ”ہم چھوٹے جہاد (جہاد بالسیف) سے

''جوشخص روزانہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھے اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ سونیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ سو برائیاں محو کی جاتی ہیں اور صبح سے شام تک اس دن شیطان سے مصئون ومحفوظ رہتا ہے'' (الحدیث)

ابودرداء رضی اللہ عنہ کا قول

ابن ابی الدنیا بواسطہ اعمش از سالم بن ابی الجعد ذکر فرماتے ہیں کہ کسی نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ فلاں شخص نے سو غلام آزاد کیا ہے تو فرمایا کہ سو غلام تو بہت کافی اور افضل ترین صدقہ ہے لیکن اس سے بھی افضل وہ ایمان ہے جو انسان کے روز وشب لازم وملزوم رہے اور انسان ہر وقت ذکر الٰہی میں رطب اللسان رہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''سونے کے دینار سخاوت کرنے کی بجائے اس قدر سُبْحَانَ اللّٰهِ پڑھ لینا مجھے زیادہ پسند ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا قول

ایک دفعہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ''راہ چلتے چلتے دینار سخاوت کرنے کی بجائے اتنی دفعہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ لینا مجھے تو زیادہ پسند لگتا ہے'' تو عبداللہ بن عمرو نے فرمایا ''راہ چلتے چلتے چند مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ [1] کہہ لینا مجھے جہاد میں گھوڑا پیش کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ (اعمال الفکر فی فضل الذکر للسیوطی)

ابودرداء رضی اللہ عنہ کی صحیح الاسناد حدیث پہلے بھی گذر چکی ہے کہ پیغمبر اللہ ﷺ نے فرمایا: [2]

بقیہ حاشیہ...... بڑے جہاد (جہادِ قلب) کی طرف لوٹے ہیں'' حافظ ابن حجر عسقلانی تسدید القوس میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں بلکہ ابراہیم بن ابی عبلیہ کا قول ہے کہ جن کا انتقال ۱۵۲ھ میں ہوا تھا۔

[1] صحیح عبارت یوں ہے...... سبحانَ اللّٰہ و الحمد للّٰہ و لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ واللّٰہ اکبر۔

میں تمہیں وہ عمل نہ بتلاؤں؟ جو تمہارے لئے تمام اعمال سے بہتر اللہ کے ہاں از حد نفیس و پاکیزہ بلندیٔ درجات کا اعلیٰ ذریعہ، راہ الٰہی میں سونا چاندی لٹانے سے بھی بہتر، بلکہ اس سے بھی بہتر ہو کہ دشمنان اللہ سے لڑتے ہوئے انھیں مارتے ہوئے خود بھی جامِ شہادت نوش کر جاؤ صحابہ نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! فرمایئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے'' (ابن ماجہ، ترمذی، حاکم بسند صحیح)

۴۳ ذکر......راس الشکر ہے

ذکر راس الشکر ہے جس نے ذکر بھلا دیا اس نے گویا اللہ تعالیٰ کا شکر ترک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو

بیہقیؒ، زید بن اسلم سے ذکر فرماتے ہیں کہ: ''موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا! اے رب تیرے انعامات تو بے شمار ہیں، اب مجھے زیادہ شکر بجالانے کا طریقہ بھی سکھلا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا مجھے کثرت سے یاد کیجئے کیونکہ آپ کثرت سے میرا ذکر کریں گے تو گویا آپ میرا اکثرت سے شکر بجالائے اور مجھے بھلا دیا۔ تو گویا آپ نے میری ناشکری کی''

شعب الایمان میں بیہقیؒ عبداللہ بن سلام کا قول ذکر فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا! مولا! کون سا شکر آپ کے مناسب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ میرے ذکر سے آپ کی زبان ہر وقت تر رہنی چاہیے موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے۔ بعض دفعہ ایسی حالت میں ہوتا ہوں کہ میں اس میں تیرا ذکر تیری جلالت وعظمت کے ساتھ مناسب نہیں سمجھتا۔ فرمایا وہ کون سی حالت ہے، عرض کیا! جنبی ہوتا ہوں یا خانہ پیشاب سے استنجا نہیں کیا ہوتا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کوئی حرج نہیں پھر فرمانے لگے، مولا! کیا پڑھا کروں؟ فرمایا یہ پڑھا کیجئے:

بقیہ حاشیہ: ۞ پہلے یہ حدیث حضرت معاذ کے واسطہ سے گزری ہے اور اب حضرت ابودرداء کی سند سے بیان کی گئی ہے۔ (علوی)

سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ وَ جَنِّبْنِی الْاَذٰی وَسُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ فَقِنِی الْاَذٰی۔

''اے اللہ! میں تیری حمد وثنا اور تسبیح کہتا ہوں مجھے گندگی سے دور رکھیے۔ اے اللہ تو پاک ہے مجھے بھی گندگی سے نجات دیجیے۔''

جماع اور قضاء حاجت کے وقت اللہ کی یاد

میں (ابن قیمؒ) کہتا ہوں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور کسی حالت کو مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جنابت وطہارت۔ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ رہی پیشاب پاخانے کی حالت تو اس وقت آنحضرت ﷺ کو کوئی دیکھتا ہی نہیں ہوتا تھا کہ واقعہ بتا سکے۔ البتہ آنجناب ﷺ نے اپنی امت کو پاخانہ پیشاب سے قبل و بعد کی دعائیں سکھائی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر از حد اہم چیز ہے اور قضائے حاجت سے قبل و بعد بھی انسان کو ذکر سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔ علی ہذا القیاس جماع کے وقت بھی ذکر مشروع فرمایا کہ یوں کہنا چاہیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا ٭

''بسم اللہ، اے اللہ! ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے علیحدہ ومحفوظ رکھنا۔''

رہی عین قضائے حاجت و جماع کی حالت تو بلاشبہ اس وقت بھی دل میں ذکر الٰہی مکروہ نہیں۔ کیونکہ دل کو ذکر کے سوا تو کوئی چارۂ کار ہی نہیں اور تمام دنیا سے محبوب ترین اللہ کی یاد سے دل پھیر لینا اس کے لئے ناممکن ہے اور وہ اگر دل کو خدا فراموشی کی تکلیف دی جائے تو یہ تکلیف بالمحال ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔ شعر

٭ ابن عباس سے مروی ہے کہ اپنی بیوی سے ارادۂ صحبت کے وقت جو شخص مذکورہ دعا پڑھے تو اس سے جو اولاد ملے گی اسے شیطان تکلیف نہیں دے گا۔ اسے بخاری ومسلم احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا ہے۔

يُرَادُ مِنَ الْقَلْبِ نِسْيَا نُكُمْ لَنَا...... وَتَأْبَى الطِّبَاعُ عَلَى النَّاقِلِ

''دل سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم تمھیں بھول جائیں گے مگر طبیعت نقل کرنے والے پر انکار کرتی ہے۔''

البتہ اس خاص حالت میں زبان سے کچھ کہنا نہ آنحضرت ﷺ نے جائز فرمایا ہے، نہ مشروع اور نہ ہی صحابہ میں سے کسی سے منقول ہے اور عبداللہ بن ابی الھذیل فرماتے ہیں۔

کہ پاخانہ پیشاب کے سوا ہر حالت بلکہ کوچہ و بازار میں بھی اللہ کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب تر ہے۔ رہی قضائے حاجت و جماع کی حالت تو ایسی حالت میں اسے اتنا کافی ہے کہ حیاو مراقبہ اور خوفِ خدا کو اپنا شعار بنائے اور انعامات واحساناتِ الٰہی کو دلنشین رکھے یہی طریقہ اس وقت کا سب سے اعلیٰ ذکر ہے۔ کیونکہ ہر حالت کے لئے اس کا ذکر اس کے مناسب حال ہوتا ہے اور اس مخصوص حالت کے لائق و مناسب یہی طریقہ ہے کہ انسان اللہ کی ہیبت وجلال اور شان وشوکت کا خوف اور اللہ عزوجل سے شرم وحیا کی چادر اوڑھ لے اور اس دشمن جان و موذی چیز (پاخانہ، پیشاب) کے اخراج پر جو اندر ہی رک کر قولنج بن بجائے۔ تو ہلاکتِ نفس اور وبالِ جان بن جائے، اللہ تعالیٰ کے اس انعام واحسانات کو مت بھولے کیونکہ جس طرح غذا کھانا نعمت ہے اسی طرح اس مادہ فاسد کا خروج ودفعیہ بھی یقیناً اللہ کا انعام ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ قضاء حاجت سے نکلتے وقت شکم پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ کاش لوگوں کو اس کی قدر ہو۔

سلف صالحین میں سے ایک بزرگ یہ کہا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذَا قَنِيْ لَذَّتَهٗ وَاَبْقٰى فِيَّ مَنْفَعَتَهٗ وَاَذْهَبَ عَنِّيْ مَضَرَّتَهٗ.

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے طعام کھلا کر ذائقہ ولذت سے لطف اندوز

فرمایا اس کے منافع کو بدن میں رکھا اور نقصانات کو رفع کر دیا۔''

علیٰ ہذا القیاس حالتِ جماع میں یہی ذکر کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت کبھی نہ بھولے کیونکہ دنیوی نعمتوں میں سے یہ نعمت سب سے اعلیٰ ہے۔ تو جب اپنے نفس پر اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات واحسانات یاد کریگا فوراً اس کے دل سے شکرِ الٰہی کا جوش اٹھے گا تو معلوم ہوا کہ ذکر راسِ شکر ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: معاذ! اللہ کی قسم مجھے آپ بہت پیارے لگتے ہیں، چند کلمے سکھاتا ہوں، ہر نماز کے بعد ضرور پڑھنا۔ خبردار! ناغہ مت کرنا اور بھول نہ جانا، فرمایا پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ [1]

''اے اللہ! اپنے ذکر وشکر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر میری اعانت ودستگیری فرمائیے۔''

اس دعاء میں آنحضرت ﷺ نے ذکر وشکر دونوں کو جمع فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرماتے ہیں!

فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْالِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (بقرہ:۲)

''مجھے یاد رکھو میں تمھیں یاد رکھوں گا۔ میرا شکر بجالاؤ اور ناشکری مت کرو۔''

میں دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ذکر اور شکر سعادت اور نیک بختی اور فلاح ونجات کے جامع اور سر چشمہ ہیں۔

۴۵ ذاکر تمام متقیوں سے معزز ہے

متقی وپرہیز گاروں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم الخلق اور معزز وہ شخص ہے جس کی زبان ذکرِ الٰہی میں ہر وقت تر رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوامر

---

[1] ابوداؤد ونسائی۔

نواہی کا اسے ازحد پاس ہوتا ہے ہر وقت اسے ان کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے اور ذکر اس کی گھٹی وشعار بن چکا ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تقوی اس کے لئے دخولِ جنت اور دوزخ سے نجات کا موجب ہو جاتا ہے اور دخولِ جنت ونجات معمولی چیز نہیں بلکہ بہترین ثواب واعلیٰ قسم کا اجر ہے اور ذکر ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے قرب وحضور اور بارگاہ الٰہی میں پہنچا دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قرب ہی سب سے بہترین واعلیٰ مقام ہے۔

غرضِ ثواب اور قربِ الٰہی کے طالب میں فرق

اور آخرت کے لئے عمل کرنے والے لوگ دو قسم کے ہیں۔ بعض تو اجر و ثواب کی غرض سے عمل کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ و منزلت اور قُرب حاصل کرنے کی بنا پر عمل وتعمیل بجالاتے ہیں اس لئے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب ومنزلت اور وسیلہ کی طلب میں دوسرے فریق سے بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قرب وجوار کے حصول کی خاطر جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں دونوں قسم کے لوگوں کا تذکرہ فرمایا کہ

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ (حدید:۱۸)

”صدقہ کرنے والے مردوں اور عورتوں اور اللہ کو قرضِ حسنہ دینے والوں کے صدقہ وقرض کو دوچند کر دیا جائیگا اور ان کے لئے بہترین اجر ہے۔“

پہلا فریق

یہ پہلا فریق ہے جو اجر وثواب کی غرض سے عمل کرتا ہے۔

پھر فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (حدید:۱۹)

''جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی لوگ صدیق ہیں۔''

یہ اصحاب قرب و منزلت ہیں۔ پھر فرمایا:

وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ (حدید: 19)

''اور شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس ہوں گے انھیں اجر بھی ملے گا اور نور بھی عنایت ہوگا۔''

اس جملہ میں اختلاف ہے ایک فریق نے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ کی خبر پر اس کا عطف ڈال کر یہ مطلب لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے متعلق یہ خبر دینا چاہتے ہیں کہ یہی صدیق ہیں اور یہی شاہد۔ جو قیامت کو تمام امتوں پر شاہد ہوں گے اور شہادت دیں گے۔ ان کے متعلق یہ خبر دی کہ ان کو اجر و ثواب ملے گا لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ تو (گویا) اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق چار چیزوں [1] کی خبر دی ہے جن میں ایک یہ ہے کہ وہ صدیقون اور شہدا ہیں اور یہی قُربِ مرتبت و قُربِ منزلت ہے۔

دوسرا فریق

دوسرا فریق کہتا ہے کہ عطف نہیں بلکہ اَلصِّدِّیْقُوْنَ پر کلام مکمل ہو گیا ہے۔ اس کے بعد شہداء کی حالت بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب و حضور میں ہوں گے اور انھیں ان کا اجر و ثواب اور نور عنایت ہوگا، تو پہلے نیکو کار و اہلِ احسان متصدقین کا تذکرہ فرمایا، پھر مومنین کا ذکر فرمایا جن کے دلوں میں ایمان راسخ ہو کر جڑیں مار چکا ہے۔ اور وہ شربتِ ایمان سے لبالب بھر چکے ہیں لہٰذا یہ لوگ صدیقون اور اہلِ علم و عمل ٹھہرے اور پہلا فریق اہل البر والاحسان یعنی نیکو کار و محسنین ہوا لیکن پھر بھی صدیق لوگ محسنین و نیکو کاروں سے صدیقیت میں کامل بلکہ اکمل ہیں ان کے بعد پھر

---

[1] چار چیزیں یہ ہیں۔ ① وہ صدیق ہیں۔ ② وہ شہدا ہیں۔ ③ ان کے لئے اجر و ثواب ہے۔ ④ ان کے لئے نور اور روشنی ہے۔

شہدائے امت اور ان پر نازل کردہ انعامات کا ذکر فرمایا کہ انھیں رزق ملے گا اور نور حاصل ہوگا کیونکہ جب انھوں نے اپنی جان تک اللہ کی راہ میں قربان کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض ان پر یہ انعام فرمایا کہ انھیں زندہ فرما کر رزق عنایت کیا انھیں رزق بھی ملتا ہے اور نور بھی ملے گا۔ یہ تھا سعید و نیک بخت لوگوں کا تذکرہ۔

اس کے بعد شقی و بد بخت لوگوں کا ذکر کیا فرمایا:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (الحدید : ۱۹)

”جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلا دیا وہ دوزخی ہیں۔“

اجر چاہنے والے اور طالبین قرب

غرضیکہ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول اصحابِ اجور دوم اصحابِ منزلت و مراتب اور انہی چیزوں (اجر و منزلت) کا فرعون نے جادوگروں سے وعدہ کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ کی صورت میں انھیں انعام ملے گا، چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ جادوگروں نے کہا۔

اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ. (الاعراف:۷)

”اگر ہم غالب آ جائیں تو کیا کچھ اجر بھی ملے گا تو فرعون نے جواب دیا کیوں نہیں یقیناً مزید براں تمھیں اپنا مقرب بنا لوں گا۔“

یعنی تمھیں دونوں چیزیں انعام کروں گا۔ اجر بھی دونگا اور اپنی بارگاہ میں قرب منزلت بھی بخشونگا۔ بہر صورت عمال (عمل کرنے والے) کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ہمیں اجر ملے گا، مگر عارف لوگ اس لئے عمل کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ و منزلت بڑھے اور قلبیہ (اہلِ دل عارفین) کے اعمال بدنیہ (اہلِ ظاہر) کے اعمال سے کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں اگرچہ بدنیہ (اہلِ

ظاہر) کے اعمال بھی بعض دفعہ اہل دل اور عارف لوگوں کے اعمال سے زیادہ ہو جایا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کا سوال وجواب

بیہقیؒ نے محمد بن کعب قرظی سے ذکر کیا کہ..... موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرے پروردگار! کون آدمی تیرے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ومعزز اور برگزیدہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا جو ہر وقت میرے ذکر میں رطب اللسان رہے، پھر عرض کیا اے میرے رب! زیادہ عالم کون ہے؟ جواب ملا جو اپنے علم کے ساتھ ساتھ دوسروں کے علم بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ پھر عرض کیا! اے میرے رب! زیادہ عادل کون ہے؟ جواب آیا جو شخص خود اپنی ذات پر وہی فیصلہ صادر کرے جو غیروں پر صادر کرتا ہے فیصلہ کرتے ہوئے اپنے اور غیر کی کسی کی رعایت نہ کرے پھر دریافت کیا زیادہ گنہگار کون ہے؟ فرمایا جو مجھے تہمت لگائے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مولا! تجھے بھی کوئی تہمت لگا سکتا ہے؟ فرمایا۔ جو مجھ سے خیر وبرکت تو طلب کرے مگر میری تقدیر سے منہ چڑھائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول

نیز بیہقی نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے بھی بیان فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے تو دریافت کیا کہ مولا! تجھے کون زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا جو مجھے ہر وقت یاد رکھے، اور کسی وقت نہ بھولے۔

کعب رضی اللہ عنہ کا قول

کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا میرے مالک آپ قریب ہیں؟ کہ تجھے آہستہ بلاؤں اور مناجات کروں یا بعید ہیں؟ کہ تجھے زور سے بلاؤں اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ جو میرا ذکر کرے میں اس کا ہم جلیس وہم مجلس ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مولا! میں تو بعض دفعہ ایسی حالت میں ہوتا ہوں کہ اس وقت تیرا ذکر کرنا بالکل

نامناسب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کونسی حالت؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا قضاء حاجت یا جنابت کی حالت فرمایا کوئی حرج نہیں ہر حالت میں یاد رکھئے! اور اللہ کا ذکر بجالائیے۔

عبید بن عمیر نے فرمایا! مومن کے نامہ اعمال میں صرف سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کا موجود ہونا روئے زمین کے پہاڑوں کے برابر سونا خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ [1]

امام حسن رحمہ اللہ کا قول

حسن فرماتے ہیں قیامت کے دن منادی آواز دے گا۔ (لوگ کہتے ہیں فلاں اہل کرم و برگزیدہ لوگ ہیں) آج دنیا کو پتہ چل جائے گا کہ کون لوگ اہلِ کرم و برگزیدہ ہیں؟ پھر آواز دے گا کہاں ہیں وہ لوگ؟ ''جو نرم و گرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو خوف و رجا کے ساتھ پکارتے اور دعائیں مانگا کرتے اور اللہ کے عطا کردہ مال سے خیرات کیا کرتے تھے'' (السجدۃ:۱۶) جلدی چلتے آئیں تو وہ اٹھیں گے اور تمام لوگوں کو پھاندتے کودتے اعلانچی کے ہاں پہنچ جائیں گے پھر دوبارہ آواز دے گا! دنیا دیکھ لے گی کہ کرم و بزرگی کے قابل کون ہے؟ پھر کہے گا کہاں ہیں وہ لوگ '' جنہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرسکتی ہے نہ خرید و فروخت روک سکتی تھی'' (النور:۳۷) تو وہ سب لوگوں کو پھاندتے منادی کے پاس جا پہنچیں گے اسی طرح ہر ساعت و ہر حالت ہر پہلو و ہر کروٹ پر اللہ تعالیٰ کی تعریف و حمد کرنے والوں کو آواز پڑے گی تو وہ پرے کے پرے باندھ کر دوڑے دوڑے منادی کے پاس چلے آئیں گے اور بے شمار تعداد میں آ موجود ہوں گے بعد ازاں باقی بچے کھچے لوگوں کو منادی ہو گی اور حساب شروع ہوگا۔ [2]

---

[1] اصل عبارت یوں ہے..... (روئے زمین کے پہاڑ جو اس کے ساتھ سونا بن کر چل رہے ہوں)

[2] اس حدیث کے پہلے قطعہ کو جو قیام اللیل میں ہے بیہقی نے اسماء بنت یزید سے مرفوعاً ذکر کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے سورہ سجدہ کی ایک آیت میں اسے ابن ابی حاتم سے ذکر کرتے ہوئے اپنی سند سے اسماء تک پہنچایا ہے۔

کثرتِ ذکر سے لوگ پاگل کہنے لگیں

ابو مسلم خولانی کے ہاں ایک شخص آیا کہنے لگا کوئی وصیت فرمایئے۔ فرمایا ہر جنگل، ہر شہر، ہر شجر و حجر کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کیجئے۔ پھر کہا کچھ اور فرمایئے ابو مسلم نے فرمایا اللہ کا اس قدر ذکر کیجئے کہ لوگ پاگل کہنے لگ جائیں وہ شخص کہتا ہے ابو مسلم بے حد ذکر کیا کرتے تھے کسی آدمی نے آپ کو ذکر کرتے دیکھا اور لوگوں سے کہنے لگا یہ تمہارا آدمی پاگل بیوقوف تو نہیں؟ ابو مسلم نے بھی سن لیا۔ اور جواب دیا کہ یہ فعل تو جنون نہیں البتہ یہ ذاکر (ابو مسلم) ضرور مجنون ہے۔ [1]

۳۹ ذکر سے قساوت قلبی کا علاج

دل میں قساوت وسختی ہوتی ہے جسے ذکر الٰہی ہی پگھلا کر تحلیل کر سکتا ہے اس لئے انسان کو ذکر الٰہی کے ساتھ اپنی قساوتِ قلبی وسخت دلی کا علاج کرنا چاہئے۔

حماد بن زید معلیٰ بن زیاد سے ذکر کرتے ہیں کہ کسی نے امام حسن کو کہا۔ اے ابا سعید مجھے قساوتِ قلبی کی شکایت ہے، فرمایا ذکر الٰہی کی (انگیٹھی میں رکھ کر) اسے پگھلایئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل جتنا زیادہ غافل ہوگا اتنا ہی زیادہ سخت اور قاسی ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کو یاد کریگا تو یہ قساوت وسختی اس طرح پگھلتی جائے گی جس طرح آگ میں شیشہ و تانبا پگھل جاتا ہے۔ غرضیکہ ذکر الٰہی ہی ایک ایسی چیز ہے جو قساوت قلبی اور سنگ دلی کو پگھلا کر رکھ دیتی ہے۔

۴۰ ذکر...... دل کی دوا ہے

ذکر دل کی دوا اور قلب کی شفا ہے اور غفلت سراسر مرض و بیماری ہے یاد رکھئے ہر دل بیمار ہے اور سب کی دوا اور شفا ذکر الٰہی میں موجود و مرکوز ہے۔

---

[1] صحیح عبارت یہ ہے...... لیس هذا بالجنون و یابن اخی و لکن هذا دواء الجنون...... "اے بھتیجے یہ جنون تو نہیں ہے لیکن یہ جنون کی دوا اور علاج ہے۔" (علوی)

امام مکحولؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ذکر سراسر شفا ہے مگر کسی انسان کا نام جپنا اور ذکر کرنا سراسر مرض اور بیماری ہی بیماری ہے۔

امام بیہقیؒ مکحولؒ سے مرفوعاً اور مرسلاً ذکر فرماتے ہیں کہ جب دل ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے تو شفایاب اور تندرست ہو جاتا ہے لیکن ذکر سے جب غافل ہو جاتا ہے تو دوبارہ بیمار اور مریض ہو جاتا ہے جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے۔

اِذَا مَرِضْنَا تَدَاوَیْنَا بِذِکْرِ کُمْ   فَنَتْرُکُ الذِّکْرَ اَحْیَانًا فَتَنْتَکِسُ

''جب ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو آپ کا ذکر کر کے علاج کر لیا کرتے ہیں لیکن جب کبھی ذکر ترک کر دیتے ہیں تو دوبارہ بیمار ہو جاتے ہیں۔''

(۴۸) ذکر......حبِ الٰہی کا اصل ہے

ذکر محبتِ الٰہی کا اصل اور رأس الموالات ہے اور غفلت اللہ تعالیٰ کی دشمنی کا اصل اور رأس العداوت ہے تو انسان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے کرتے اس مقام و منزلت تک پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے دوستی و موالات اور محبت کرنے لگ جاتے ہیں اور ذکرِ الٰہی سے غفلت و سستی کرتے کرتے اس حد تک جا پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن و مغضوب اور درگاہِ الٰہی سے بالکل راندہ جاتا ہے۔

امام اوزاعی حسان بن عطیہؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ سے انسان کی ہر دشمنی ہیچ ہوتی ہے ذکرِ الٰہی سے کراہت کرنے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے ذاکر کو برا سمجھنے سے کوئی دشمنی بڑھ کر نہیں، دیکھئے! اس دشمنی و عداوت کا اصل سبب ذکرِ الٰہی سے غفلت کرنا ہے اور انسان اللہ کی یاد سے غافل رہ کر اس حد تک پہنچ جاتا ہے نہ خود پسند کرتا ہے کہ ذکر الٰہی بجالائے اور نہ ہی اسے اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا اچھا لگتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس کو دشمن خیال کرتا ہے

جس طرح ذاکر کو اپنا ولی (قریبی) دوست بنالیتا ہے۔

⑲ ذکر..... نعمت الٰہی کا باعث اور غضب الٰہی کے لئے ڈھال

کوئی چیز ایسی نہیں جو ذکرِ الٰہی کے برابر انعاماتِ الٰہی کے حصول یا عذاب و غضبِ الٰہی کے دفاع کا موجب ہو سکے کیونکہ ذکر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چاروں طرف سے کھینچ کر جمع کر دینے کا باعث اور غضبِ الٰہی کو دفع کرنے کا موجب ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (حج: ۳۸)

''اللہ تعالیٰ ایمانداروں سے اپنا غصہ وغضب دفع کرتا ہے۔'' [1]

غرضیکہ ایمانداروں میں ذکرِ الٰہی کے باعث جس قدر قوت ایمانی ہوگی جتنا ایمان کامل ہوگا جس قدر مادۂ ایمانی قوی و مضبوط ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ اس سے غضبِ الٰہی کو دور رکھے گا کیونکہ اصول ہے کہ کوئی جیسا کرے گا ویسا بھرے گا اسی اصول کی بنا پر جو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے گا اللہ اس کو یاد رکھے گا اور جو اللہ کو بھلائیگا اللہ اس کو بھلا دے گا اور ارشادِ الٰہی ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراھیم: ۷)

''شکر کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا۔''

اور ذکر ہر قسم کے شکر سے اعلیٰ شکر ہے اور شکر ازدیادِ نعمت کا موجب اور مزید نعمت کا باعث ہے۔

سلف صالحین میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی یاد سے غفلت کرنا کتنی بدترین قباحت ہے جو نیکی و احسان میں تجھ سے کبھی غافل نہیں رہتا۔

---

[1] بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کا قرآن کے دشمن سے دفاع فرماتا ہے۔ ایک قرأت کی رو سے یَدْفَعُ ہے اور ہماری قرأت یُدَافِعُ ہے۔ دفع کا معنی ہٹانا، دور کرنا ہے اور دفاع کا معنی حمایت کرنا اور بچانا ہے۔

۵۰ ذکر.....اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعاؤں کا باعث ہے

ذکر کیوجہ سے ذاکر پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں کی صلوات اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرشتے دعاء کریں اور خود اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے تو یقیناً وہ فلاح یاب اور کامیاب و فائز المرام ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ (الاحزاب: ۴۱ تا ۴۳)

''ایماندارو! کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو وہی تم پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے بھی دعاء کرتے ہیں تاکہ وہ ظلمات سے نکال کر روشنی میں پہنچائے اور وہ مومنوں پر نہایت ہی مہربان ہے۔''

تو یہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی رحمت وصلوات دعاء ہے [1] جس کا اتنا اثر ہے کہ انسان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں پہنچانے کا باعث ہے۔ اور جب خود اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں کی رحمت وصلوات انسان پر نازل ہوں اور اندھیروں سے نکال کر نور اور روشنی میں پہنچا دیں۔ تو پھر خود ہی بتلایئے کہ وہ کون سی خیر و برکت ہے جو انسان کو حاصل نہیں ہوگی؟ اور کونسی بُرائی وشرارت ہے جو انسان سے دور نہیں ہوگی؟ افسوس صد افسوس ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ سے غافل رہ کر اس کے کروڑ ہا انعامات اور احسانات سے محروم و بدنصیب رہ گئے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقُ۔

---

[1] صحیح عبارت یہ ہے۔ فهذه الصلوة منه تبارك وتعالىٰ ومن ملائكته انما هي على الذاكرين له كثيرا...... یہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے رحمت و دعاء صرف انہیں کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ (عمری)

(۵۱) مجالسِ ذکر جنت کے باغ ہیں

جو دنیا میں ہی جنت کے باغوں کی سکونت چاہتا ہے اسے مجالس ذکر کو اپنا وطن بنانا چاہیے کیونکہ ذکر کی مجلسیں جنت کے باغ ہیں۔ ابن ابی الدنیا وغیرہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور فرمانے لگے۔

يَاأَيُّهَاالنَّاسُ ارْتَعُوافِي رِيَاضِ الْجَنَّةِ قُلْنَايَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ مَجَالِسُ الذِّكْرِ ثُمَّ قَالَ اغْدُوا وَرُوْحُوْا وَاذْكُرُوْا فَمَنْ كَانَ يُحِبُّ اَنْ يَّعْلَمَ مَنْزِلَتَهُ عِنْدَ اللّٰهِ فَلْيَنْظُرْ كَيْفَ مَنْزِلَتُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عِنْدَهُ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُنْزِلُ الْعَبْدَ مِنْهُ حَيْثُ اَنْزَلَهُ مِنْ نَّفْسِهٖ o

''لوگو! جنتی باغوں سے پھل کھایا کرو ہم نے کہا یا رسول اللہ جنت کے باغ کیا ہیں فرمایا: ''مجالسِ ذکر'' پھر فرمایا، صبح وشام اگلے پچھلے پہر جا کر وہاں ذکر کیا کرو کیونکہ جو معلوم کرنا چاہتا ہو کہ اللہ کے ہاں اس کی کیا قدر و منزلت تو دیکھ لے وہ اپنے ہاں اللہ تعالیٰ کو کیا مقام ومرتبہ دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اسی مقام پر اتارتا ہے جہاں وہ اسے اپنے دل ونفس میں اتارتا ہے۔''

(۵۲) مجالسِ ذکر، فرشتوں کی مجلسیں ہیں

ذکر کی مجلسیں عام مجالس کی طرح نہیں بلکہ فرشتوں کی مجالس ہیں کیونکہ تمام دنیوی مجالس میں سے وہ اسی مجلس میں بیٹھتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر الٰہی کیا جائے۔ چنانچہ صحیحین * میں بروایت اعمش از ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نامہ نویس * فرشتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دیگر

فرشتے اس ڈیوٹی پر مقرر فرمائے ہیں جو مجالس ذکر کی تلاش میں ہر طرف صرف اسی لئے گشت کرتے پھرتے ہیں کہ کہیں لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوں تو وہاں جا کر چند منٹ بیٹھیں اور ذکرِ الٰہی سنیں پھرتے پھراتے کہیں ایسی مجلس دیکھ پاتے ہیں تو سب کو آواز دیتے ہیں کہ دوڑو مقصود حاصل ہو گیا تو وہ پرے کے پرے باندھ کر آتے ہیں اور اہلِ مجلس کو زمین سے آسمان تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں واپس پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود اہلِ ذکر کے متعلق واقف و عالم ہونے کے باوجود (خوشی سے) دریافت فرماتے ہیں کہ میرے بندے کیا کہتے تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ مولا!

تیری تسبیح و تکبیر اور حمد وثنا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ (پیار سے) دریافت کرتے ہیں کہ انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں۔ اے اللہ تیری ذات کی قسم انھوں نے

حاشیہ جات بقیہ صفحہ: ❁ بخاری نے تو اسی طریق سے روایت کیا ہے مگر مسلم نے بطریقہ وہیب از سہیل از ابی ہریرہ روایت کیا ہے۔

❁ علامہ رشید رضا مرحوم فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں سیارۃ فضلا کا لفظ موجود ہے مگر عن کتاب الناس (نامہ نویس) کا لفظ موجود نہیں اور بخاری میں دونوں لفظ موجود نہیں البتہ اسماعیلی کی روایت والی بخاری میں صرف فضلا کا لفظ ہے اور یہ بضمتین ہے اسی طرح رفعی حالت کے ساتھ مروی ہے یا بضمہ بعدہ سکون۔ یا بفتح بعدہ سکون ☆ پہلی صورت کو نووی نے اور دوسری کو قاضی عیاض نے اپنی اپنی شرح مسلم میں راجح قرار دیا ہے نیز "فُضَلَاء" بھی روایت کیا گیا ہے بہر صورت اہلِ علم فرماتے ہیں کہ جملہ روایات کو ملانے سے اس کا معنی یہ ہوگا کہ محافظ دستوں اور دیگر منتظمین خلائق ملائکہ سے علاوہ یہ دیگر زائد فرشتے ہیں تو ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندی نسخہ میں کتاب الناس کی زیادتی ☆ ہے وہ فضل کی تفسیر ہے جو اصل میں غلطی سے درج ہو گئی ہے اور بعض دفعہ اصل میں ایسی چیز ہوتی ہے جس سے اس کی تائید و توضیح کی ہوتی ہے مگر کتابت وطباعت کے وقت ساقط ہو جاتی ہے غرضیکہ اصل نسخہ حدیث میں دیگر اغلاط بھی تھے جن کی ہم نے بروایت بخاری تصحیح کر دی ہے ایک روایت میں مِنْهُمْ کا لفظ آیا ہے یعنی وہ فرشتوں سے زیادہ واقف ہے۔

☆ فُضُلَةٌ ...... فُضُلٌ ...... فَضْلٌ ☆☆ ......علامہ انصاری کے نسخہ میں بھی "کتاب الناس" کا لفظ موجود ہے۔ (ص ۱۵۷) صرف ہندی نسخہ میں ہی نہیں ہے۔

دیکھا تونہیں وہ فرماتا ہے اگر دیکھ لیتے تو پھر کیا صورت ہوتی تو فرشتے جواب دیتے ہیں اگر دیکھ پائیں تو تیری زیادہ عبادت کریں۔ زیادہ زور سے تیری حمد و بزرگی بیان کریں۔ تیری زیادہ تسبیح وتقدیس بیان کریں۔ پھر اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ کیا چاہتے ہیں؟ اور کون سی چیز طلب کرتے ہیں فرشتے جواب دیتے ہیں خدایا جنت کا سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دریافت کرتے ہیں جنت انھوں نے دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں دیکھی تو نہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر دیکھ بھی لیں تو پھر ان کی کیا حالت ہو؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دیکھ پائیں تو پہلے سے زیادہ اس کے طالب ہو جائیں زیادہ حرص کریں اور اس کے بے حد خواہش مند اور طلب گار بن جائیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ دریافت فرماتے ہیں کہ دوزخ انھوں نے کبھی دیکھا بھی ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں دیکھا تونہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تو اگر دیکھ لیں تو ان کی کیا حالت ہو؟ فرشتے کہتے ہیں دیکھ پائیں تو بے چارے خوف کے مارے اس سے دور بھاگ جائیں اور ڈر ڈر مریں اللہ تعالیٰ (کی رحمت جوش میں آتی ہے اور) فرماتے ہیں۔ گواہ رہئے میں نے انہیں معاف کر دیا اور بخش دیا ایک فرشتہ کہتا ہے مولا! ان میں فلاں شخص ان کی جماعت کا نہیں تھا وہ تو کسی اپنے کام کے لئے آیا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ ایسے جلیس نہیں کہ ان کا ہم نشین محروم و بے نصیب چلا جائے۔''

دیکھئے! یہ ہے ان بابرکت لوگوں کی مجلس کا اثر جو خود بھی بخشے جاتے ہیں اور ان کی برکت سے ان کے ہم مجلس بھی بخشے جاتے ہیں تو گویا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح جن کے متعلق قرآن حکیم میں ہے کہ

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَمَا كُنتُ (مریم: ۱۹)

''اللہ تعالیٰ نے مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں بھی ہوں اور جس مقام میں ہوں۔''

اہلِ ایمان بھی بابرکت ہوتے ہیں جہاں کہیں ہوں اور جس مقام میں ہوں بابرکت ہی بابرکت ہوتے ہیں لیکن ایک فاجر اور بدکار شخص جہاں بھی اور جس مقام میں ہو بے برکت و منحوس اور شُوم ہی شُوم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ مجالس ذکر فرشتوں کی مجلسیں ہوتی ہیں اور ذکر الٰہی سے غفلت و بکواسات کی مجلسیں شیطانی مجلسیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہر شخص اپنے ہم مثل و ہم شکل کی طرف منسوب ہوتا ہے اور ہر کام اپنے مناسب حال کی جانب نسبت کیا جاتا ہے۔

(۵۳) اللہ تعالیٰ کا فرشتوں پر فخر

اللہ تعالیٰ ذاکرین کی وجہ سے ملائکہ پر فخر کرتے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں بروایت ابی سعید خدری مروی ہے کہ ابوسعید فرماتے ہیں کہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں ایک مجلس کے ہاں تشریف آور ہوئے اور دریافت فرمایا کس لئے بیٹھے ہو؟ لوگوں نے کہا یہاں بیٹھ کر ذکر اذکار کر رہے ہیں فرمایا تمہیں اللہ کی قسم! کیا تمہیں صرف اسی چیز نے بٹھا رکھا ہے۔؟ لوگوں نے کہا اللہ کی قسم صرف اسی غرض نے بٹھا رکھا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تمھیں متہم سمجھ کر تم سے حلف نہیں لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب و مقام رکھنے والا کوئی فرد آپ میں سے مجھ سے کم روایات بیان نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دفعہ) صحابہ کی مجلس میں تشریف فرما ہوئے دریافت فرمایا کیسے بیٹھے ہو؟ صحابہ نے کہا ذکر اذکار کر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسان اسلام اور مسلمان ہونے کے شکرانہ میں اس کی تعریف اور حمد و ثنا کر رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا! صرف اسی لئے بیٹھے ہو؟ صحابہ نے جواب دیا بخدا! محض اسی لئے بیٹھے ہیں اور کوئی کام نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے متہم سمجھ کر حلف نہیں لے رہا ہوں بلکہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمھاری وجہ سے ملائکہ پر فخر کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی یہ فخر ومباحات اس بات کی دلیل ہے کہ ذکر اشرف ترین چیز اور اللہ تعالیٰ کو از حد محبوب ہے اور جملہ اعمال پر اسے فوقیت ہے۔

۵۴ ہنسی خوشی جنت میں داخلہ

ذکر الٰہی پر مداومت کرنے والا شخص خوشی کے مارے خنداں خنداں اور ہنستے ہنستے جنت میں داخل ہوگا۔ جیسا کہ ابن ابی الدنیا نے ابی درداء رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''جن کی زبان ذکر الٰہی میں ہر وقت تر رہتی ہے وہ ہنستے ہنستے اور خنداں خنداں جنت میں داخل ہوں گے۔''

۵۵ تمام اعمال کی روح اور مقصد...... ذکر

تمام اعمال اِقَامَةً لِذِكْرِ اللهِ یعنی ذکر الٰہی کو قائم ودائم اور ہمیشہ کے لئے باقی رکھنے کی غرض سے مشروع کئے گئے ہیں تو گویا جملہ اعمال کے اجراء ومشروعیت کا اصل مقصد ذکر الٰہی کا حاصل کرنا ہے۔ [1] ارشادِ باری ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (بنی اسرائل: ا) [2]

''سورج ڈھلتے نماز پڑھئے۔''

---

[1] کچھ عبارت رہ گئی ہے۔ جس سے بات صحیح طور پر سامنے نہیں آرہی، پوری عبارت یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے...... اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طٰہٰ: ۱۴) میری یاد کے لئے نماز کا اہتمام کیجئے...... بعض علماء کے نزدیک ذکری اپنے فاعل کی طرف اضافت ہے۔ یعنی لاذکرک بھا تاکہ اس کے باعث میں تجھے یاد کرسکوں اور بعض کے نزدیک اضافت مذکور (مفعول) کی طرف ہے۔ معنی ہے تاکہ تو اس کے ذریعے مجھے یاد کرسکے۔ اس طرح یہ لام تعلیل علت وسبب بیان کرنے کے لئے ہے۔

[2] بعض علماء کے نزدیک لام وقت بیان کرنے کے لئے ہے۔ یعنی میری یاد آنے کے وقت نماز کا اہتمام کیجئے۔ جس طرح ان آیات میں ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ...... سورج ڈھلنے کے وقت نماز پڑھئے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (انبیاء: ۲۱)

''قیامت کے روز ہم انصاف کا ترازو (میدان میں) لگائیں گے۔''

مذکورہ بالا آیت سے توقیت کا معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے مگر اس تفسیر پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ لام وقتیہ (وقت بیان کرنے والا) کے بعد اسم ظرف و اسمائے زمان آنا چاہیے اور ذکر ظرف نہیں بلکہ مصدر ہے ہاں یہ جواب دیا جائے کہ وہاں ظرفِ زمان محذوف سمجھی جائے یعنی عِنْدَ وَقْتِ ذِكْرِیْ (میرے یاد کرتے وقت) اور یہ احتمالی معنی ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ نام تعلیلیہ بنایا جائے یعنی اَقِمِ الصَّلٰوةِ لِاَجْلِ ذِكْرِیْ (میرے یاد کرنے کی وجہ سے نماز قائم کیجئے) [1] اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اقامتِ نماز اس وقت ہو جب اللہ انسان کو یاد کرے تو معلوم ہوا کہ انسان کے ذکر کرنے سے پہلے خداوند تعالیٰ انسان کو یاد کرتے ہیں جب ہی تو ذکر الٰہی کا القاوالہام ہوتا ہے۔ لہٰذا تینوں معنی درست ہیں۔ [2]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (العنکبوت: ۲۹)

''اس کتاب کی تلاوت کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کیجئے کیونکہ نماز فحش اور برے کاموں سے روک دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر یقیناً ہر چیز سے بہت بڑا ہے۔''

بعض اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ تم نماز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہو اور جو اسے یاد کرے اللہ اس کو یاد کرتا ہے و تمہارے یاد کرنے کی نسبت خود اللہ عزوجل کا

[1] اس سے مراد ظرف مقدر ماننے کی صورت ہے۔

[2] (۱) مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے۔ (۲) مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔ اور لام تقویت کے لئے ہے۔ یہاں ظرف مقدر ہے۔ (۳) لام تعلیل کے لئے ہے۔ (جمعوی)

تمہیں یاد کرنا کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور یہ تفسیر عبداللہ بن عباس، سلمان، ابو درداء رضی اللہ عنہم اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ابن ابی الدنیا عطیہ سے بواسطہ فضیل بن مرزوق ذکر کرتے ہیں کہ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ سے مراد فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ کی تفسیر ہے تو معلوم ہوا کہ ہمارے ذکر الٰہی بجالانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کا ہمیں یاد کرنا ہمارے اس کا ذکر کرنے سے اعلیٰ وافضل ہے۔

ابن زید اور قتادہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں اللہ کا ذکر کرنا تمام چیزوں کے ذکر کرنے سے بہتر ہے سلمان سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل جملہ اعمال سے افضل ہے فرمایا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ابو درداء کی گذشتہ حدیث بھی اس کی شہادت میں پیش کی جاسکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں تمھیں تمام اعمال سے بہتر و پاکیزہ اور سونا چاندی خیرات کرنے سے بھی بہترین عمل نہ بتلاؤں؟ الخ

شیخ الاسلام ابوالعباس (امام بن تیمیہ) قَدَّسَ اللّٰهُ رُوْحَهُ فرمایا کرتے تھے۔

آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نماز کے دو بڑے مقصد ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے اوّل یہ کہ نماز فحش اور بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکنے کا موجب ہے دوم وہ ذکرِ الٰہی پر مشتمل ہے اور اس کے اندر جو ذکر جیسی اعلیٰ چیز موجود ہے وہ نھی عن الفحشاء والمنکر سے بھی اعلیٰ ہے۔

اور ابن ابی الدنیا نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ ان سے دریافت فرمایا گیا کونسا عمل تمام اعمال سے افضل ہے؟ فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے''

سنن میں بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

طواف بیت اللہ سعی بین الصفا والمروہ منی کے جمرات کو کنکر مارنا سب ذکر الٰہی کے قائم ودائم رکھنے کی غرض سے کئے جاتے ہیں۔ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ حسن صحیح)

(۵۲) کثرتِ ذکر، افضل الاعمال ہے

دنیا میں طرح طرح کے عمل اور قسم قسم کے عامل ہیں (کوئی روزہ دار ہے تو کوئی حاجی کوئی صدقہ دیتا ہے تو کوئی دیگر عمل کرتا ہے لیکن) سب سے اعلیٰ وافضل اس شخص کا عمل ہے جس میں ذکر الٰہی کا اکثر و بیشتر حصہ موجود ہو لہٰذا سب سے اعلیٰ روزہ دار وہ ہے جو روزہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے بجالائے سب سے بڑا سخی ومتصدق وہ ہے جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرے سب سے بڑا حاجی وہ ہے جو (اپنے حج میں) اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑھ چڑھ کر ادا کرے علیٰ ہذا القیاس دیگر اعمال کو سمجھ لیجئے۔

اس کے متعلق ابن ابی الدنیا نے ایک مرسل حدیث بیان فرمائی ہے کہ

آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ اہل مسجد میں سے کون شخص زیادہ بہتر ہے؟ فرمایا جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ پھر سوال کیا گیا جنازہ میں شرکت کرنے والوں میں کون فرد بہتر ہے فرمایا جو ان میں سے سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرتا ہے۔ پھر پوچھا گیا مجاہدین میں سے کونسا مجاہد بہتر ہے۔ فرمایا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے بجالائے پھر دریافت کیا گیا حاجیوں میں سے کون سا حاجی بہتر ہے؟ فرمایا جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے پھر دریافت کیا گیا کہ تمام انسانوں یا عابدوں میں سے کونسا آدمی بہتر ہے فرمایا:

''جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے! ''ذکر گذار لوگ تمام خیر و برکت لوٹ لے گئے۔''

عبید بن عمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رات کی مشقت سے اگر تنگ آ گئے ہو مال خرچ کرنے سے بخیل و شحیح بن گئے ہو اور دشمن کے ساتھ جنگ کرنے سے بزدل ہو گئے ہو تو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی یاد کرو۔

۵۷ نفلی عبادات کے قائم مقام

ذکر الٰہی پر دوام و مداومت تمام تطوعات و نفلی عبادات کی نائب اور ان کی قائم مقامی کا کام دے جاتی ہے خواہ وہ تطوعات بدنی ہوں یا مالی یا بدنی ہوں اور جیسے نفلی حج اور اس کا ثبوت حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں بالصراحت موجود ہے کہ ''فقراء مہاجرین آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مالدار تو بڑے بڑے اعلیٰ درجات اور ابدی نعمتیں حاصل کر گئے ہماری طرح وہ نمازیں بھی پڑھ لیتے ہیں روزے بھی رکھ لیتے ہیں لیکن چونکہ ان کے پاس زائد مال بھی موجود ہوتا ہے اس لئے وہ حج بھی کرتے ہیں اور عمرہ بھی کرلیا کرتے اور جہاد میں بھی حصہ لیتے ہیں اور ہم ویسے کے ویسے ان کے پیچھے رہ جاتے ہیں اور مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں تمھیں ایسی صورت نہ بتلاؤں؟ کہ جو تم سے فوقیت لے گئے ہیں ان کے مساوی اور بعد میں آنے والوں پر فائق ہو جاؤ اور تم سے وہی شخص فائق و افضل ہو سکے جو تمھاری طرح اس عمل کو کرنے لگ جائے فقراء نے کہا ہاں! یا رسول اللہ ﷺ! ضرور بتلائیے حضور ﷺ نے فرمایا: ہر نماز کے بعد سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور اللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھا کرو۔ (متفق علیہ)

دیکھیے! آنحضرت ﷺ نے ان سے رہ جانے والے حج و عمرہ اور جہاد کے عوض انھیں ذکر کی تلقین فرمائی اور بتلایا کہ اس ذکر کرنے سے وہ ان سے فائق ہو جائیں گے'' لیکن جب مالداروں کو پتہ چلا تو وہ بھی ذکر کرنے لگ گئے اور صدقات و عبادت مال کے ساتھ ذکر کر کے فضیلتیں حاصل کر گئے [1] لہٰذا دوبارہ بیچارے فقراء کو مطالبہ کرنا پڑا اور آنحضرت ﷺ کے ہاں شکایت لے کر پہنچے کہ وہ بھی ذکر کرنے لگ گئے اور ہم سے ایسی عبادات میں ممتاز ہو گئے جو ہمارے بس میں نہیں۔ اب کیا کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا میاں!'' پھر یہ اللہ

[1] اصل عبارت یہ ہے فازدادوا. الی صدقاتھم و عباداتھم بما لھم التعبد بھذا لذکر۔

تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت کر دیتا ہے۔''

عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

ایک جنگلی آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ! اسلام کے خصائل اور شرائع (احکام) میرے سامنے بہت ہیں۔ (میں ان کی پابندی نہیں کرسکتا) لہٰذا مجھے ایسی جامع چیز اورارشاد فرمائیے جو میرے لئے کافی ووافی ہو حضور ﷺ نے فرمایا ذکر الٰہی کو اپنے پر لازم کر لیجئے کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ! یہ مجھے کافی ہے؟ فرمایا کافی بلکہ زائد ہے۔

دیکھئے ناصح اعظم نے اسے ایسا ذریعہ بتلایا جو شرائع اسلام پر ہر وقت اسے برانگیختہ وشائق رکھے ہر دم اسے ان کی حرص وطمع دامنگیر رہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ انھیں جمع کرنے کی سعی وکوشش میں منہمک رہے کیونکہ جب ذکر الٰہی کو وہ اپنا شعار بنالے گا تو اسے اللہ سے محبت ہوگی اور اس کی محبوب چیزوں سے بھی محبت ہوگی۔ اسلام کے احکام وقوانین کے ذریعہ اس کا تقرب نزدیکی حاصل کرنے سے زیادہ کوئی چیز اسے محبوب نہیں۔ تو آنحضرت نے اسے ایسی چیز بتلادی جس سے وہ شرائع اسلام کو بخوبی ادا کر سکے اور اس پر تمام سنن واحکام وشرائع کا ادا کرنا بالکل سہل وآسان ہو جائے اور یہ چیز ''ذکر الٰہی'' ہے۔...... اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ

۵۸ ذکر...... اطاعتِ الٰہی کا سب سے بڑا معاون

ذکرِ الٰہی اللہ تعالیٰ کی اطاعات وعبادات پر سب سے بڑا معاون ہے کیونکہ ذکر کی تاثیر سے انسان کو اطاعاتِ الٰہی سے انس ومحبت ہو جاتی ہے اور وہ بالکل سہل وآسان معلوم ہوتی ہیں طبیعت میں کچھ کوفت نہیں ہوتی بلکہ انھیں ادا کرنے میں اسے اس قدر حظ وسرور اور لذت حاصل ہوتی ہے اس قدر خوشی ومسرت ہوتی ہے اور اس قدر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں کہ نہ اسے اس سے اتنی مشقت معلوم ہوتی ہے نہ طبیعت میں گرانی

محسوس ہوتی ہے جتنی کہ غافل انسان کو غافل رہ کر تکلیف و مشقت معلوم ہوتی ہے اور تجربہ و مشاہدہ اس کا شاہد و موید ہے جس سے خود بخود حقیقتِ حال منکشف ہو سکتی ہے۔ اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ:

۵۹ ذکرِ الٰہی ...... تمام مشکلات کا حل

ذکرِ الٰہی ہر مشکل کو آسان صَعب کو سَہل عُسیر کو یسیر اور ثقیل کو خفیف کر دیتا ہے کیونکہ کوئی ایسی مشکل نہیں جو ذکر کی برکت سے آسان نہ ہو' کوئی عسیر نہیں جو یسیر نہ ہو' کوئی مشقت نہیں جو خفیف نہ ہو، کوئی شدت و سختی نہیں جو زائل نہ ہو' کوئی مصیبت نہیں جو اس کی برکت سے دور نہ ہو سکے سو کہ ذکرِ الٰہی ہی ایک ایسی چیز ہے جو شدت و سختی کے بعد کشادگی تنگی کے بعد آسانی عسر کے بعد یسر اور رنج و غم کے بعد مسرت و فرحت کا موجب بنتی ہے۔

۶۰ ذکر ...... خطرات سے دوری

ذکر دل سے تمام خوف و خطرات اور ہولناکیوں کو دفع کرتا اور تحصیل امن میں عجیب و غریب تاثیر رکھتا ہے کیونکہ سخت سے سخت خوف و خطرات اور ہولناک مصیبتوں میں گھرے ہوئے انسان کے لئے بھی کوئی چیز ذکر سے زیادہ نافع اور فائدہ مند نہیں ذاکر اللہ تعالیٰ کا جتنا ذکر کرتا ہے اتنا ہی اسے امن حاصل ہوتا ہے اور خطرات زائل ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہی خطرات جو اس کے لئے خوف کا موجب ہوتے ہیں امن سے بدل جاتے ہیں مگر اس کے برعکس غافل انسان امن کے باوجود خوفزدہ رہتا ہے کہ وہی امن اس کے لئے خطرات بن جاتے ہیں اور جس میں ادنیٰ سا بھی احساس ہو وہ دونوں کا تجربہ و مشاہدہ کر سکتا ہے۔ **وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ.**

۶۱ ذکر ...... قوتِ جسمانی کا باعث

ذکر سے ذاکر کے اندر اس قدر قوت بھر جاتی ہے کہ ذاکر وہ کام کر گذرتا ہے

جس کا ذکر کے بغیر وہم وگمان میں بھی ان کا تصور نہیں آ سکتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی قوت روحانی

میں (ابن قیمؒ) نے خود شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے طریق و عادت آپ کے کلام (اقدام) اور تحریر و کتابت کتب میں عجیب وغریب قوت دیکھی اور خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا ہے۔ آپ صرف ایک ایک دن میں اس قدر تصنیف کر جاتے کہ ایک ناسخ و کاتب ہفتہ بھی بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ میں تحریر نہیں کر سکتا۔ تحریر و تصنیف اور قلم پر کیا؟ آپ میدان جنگ کے بھی دھنی تھے۔ چنانچہ جنگ و جہاد میں آپ نے وہ وہ کارہائے نمایاں دکھلائے کہ بڑے بڑے بہادروں اور سورماؤں کے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دعا

اس کی دلیل اس واقعہ سے بھی مل سکتی ہے کہ جب آنحضرت کی لخت جگر حضرت فاطمہ نے چکی کی مشقت اور دیگر کاروبار کی زیادتی وتکلیف کی شکایت کرتے ہوئے آپ ﷺ سے خادم ونوکر طلب فرمایا تو آپ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور آپ کے ساتھ ہی حضرت علی کو فرمایا کہ (نوکر کے عوض) رات سوتے وقت تینتیس تینتیس بار **سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** اور چونتیس دفعہ **اَللّٰهُ اَكْبَرُ**۔ پڑھ لیا کریں اور فرمایا نوکر کی بجائے یہ کلمے تمہارے لئے بہتر ہیں تو کسی نے کہا جو ان کلمات پر مداومت کرے اسے اتنی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو نوکر سے مستغنی کر دیتی ہے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ سے بڑے بڑے مشکل مسائل حل ہوتے ہیں

میں (ابن قیمؒ) نے اس کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو ایک اثر ذکر کرتے

سنا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے فرشتوں کو جب عرش الٰہی اٹھانے کا حکم ملا تو کہنے لگے اے ہمارے آقا ہم تیرا عرش کیسے اٹھا سکتے ہیں؟ جب کہ اس پر تیری عظمت وجلال کا بھاری بھرکم بوجھ موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا پڑھو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ تو انھوں نے پڑھتے ہی عرش الٰہی اٹھالیا'' بعدازاں بعینہ یہ اثر مجھے مل گیا کہ

ابن ابی الدنیا نے یہی اثر لیث بن سعد از معاویہ بن صالح سے ذکر فرمایا کہ معاویہ بن صالح نے کہا ہمارے اساتذہ نے بیان فرمایا کہ روایت پہنچی ہے کہ

عرشِ الٰہی جب پانی پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حاملینِ عرش کو پیدا کیا انھوں نے دریافت کیا پروردگار! آپ نے ہمیں کس لئے پیدا کیا؟ ارشاد ہوا اپنی تخت برداری کے لئے کہنے لگے یا اللہ تیرا عرش اٹھانے کی کس کو طاقت؟ حالانکہ اس پر تیری عظمت وجلال اور تیرا رُعب ووقار موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمھیں اسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ انہوں نے بار بار اسی سوال کا اعادہ کیا تو اللہ نے فرمایا پڑھو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ پڑھتے ہی انھوں نے فوراً عرشِ الٰہی کو اٹھالیا اور بڑے بڑے مشکل معاملات کو طے کرنے تکلیفیں سہ جانے شاہی درباروں تک رسائی اور بڑے بڑے بادشاہوں سے نہ جھجکنے میں بلکہ ہولناک سے ہولناک اور خطرناک سے خطرناک حالتوں سے صحیح سالم نکل جانے میں اس کلمہ بابرکت کی عجیب وغریب تاثیر دیکھی ہے بلکہ اس میں فقرہ فاقہ اور افلاس دور کرنے کی قوت و تاثیر بھی موجود ہے۔

چنانچہ ابن ابی الدنیا بواسطہ لیث بن سعد، معاویہ بن صالح عن ابن وداعۃ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ نے فرمایا جو روزانہ سو مرتبہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ پڑھے وہ کبھی مفلس نہیں ہوگا۔

حبیب بن سلمہ کو جب دشمن سے مقابلہ کرنا یا کوئی قلعہ فتح کرنا ہوتا تو اسے پڑھنے کو بہت پسند فرماتے تھے ایک دفعہ آپ کوئی رومی قلعہ فتح کرنے گئے ہی تھے کہ دشمن کو

شکست فاش ہوئی تو دیگر مسلمانوں نے بھی زور سے **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ** اور نعرۂ تکبیر کہا تو فوراً قلعہ بھی زمین پر دھڑام سے آ گرا۔

⑫ اہلِ ذکر کی جیت

میدانِ مقابلہ میں جملہ اعمال آخرت کا مقابلہ ہو رہا ہے جس میں ذکر گزار اور ذاکر لوگ ہی جیت رہے ہیں لیکن فی الحال دنیا کی غبار آلود زندگی ان کے غلبہ وجیت کی رویت سے مانع ہے اس دنیوی زندگی کی گرد وغبار ہٹتے ہی روز روشن کی طرح سب کچھ عیاں ہو جائے گا اور تمام لوگ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے انہوں نے میدان مار لیا ہے۔

ولید بن مسلم فرماتے ہیں کہ محمد بن عجلان نے عمر نامی غفرہ کے غلام سے سنا کہ قیامت کے روز جب عملوں کے ثواب سے پردہ منکشف ہوگا تو ذکر سے کوئی عمل لوگوں کو افضل نہیں دکھائی دے گا تو اس وقت تمام لوگ افسوس کرنے لگ جائیں گے اور کہیں گے کہ افسوس ذکر سے زیادہ تو کوئی چیز ہمارے لئے آسان نہیں تھی (اور ہم محروم ہی رہ گئے۔)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سِيْرُوْا سَبَقَ الْمُفَرَّدُوْنَ قَالُوْا وَمَا الْمُفَرَّدُوْنَ؟ قَالَ: اَلَّذِيْنَ اُهْتِرُوْا فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى يَضَعُ الذِّكْرُ عَنْهُمْ اَوْزَارَهُمْ اُهْتِرُوْا بِالشَّيْئِ وَفِيْهِ:

چلے چلو! مفرّدون سبقت لے گئے صحابہ نے دریافت کیا مفرّدون کون ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو ذکرِ الٰہی میں ہر دم خوش رہتے ہیں اور ذکر ان کی تمام تکلیف ومصیبتیں رفع کر دیتا ہے اھتروا کا معنی ''کسی چیز پر مست ودیوانہ ہو گئے اس سے چمٹ گئے اور اسے اپنا شعار بنا لیا۔''

حدیث کے بعض الفاظ میں **اَلْمُسْتَهْتَرُوْنَ بِذِكْرِ اللّٰهِ** اور **مُسْتَهْتَرُوْنَ**

کا معنی ہے شیفتگان ذکر۔عربی میں کہا جاتا ہے اُسْتُھْتِرَ فُلَانٌ بِکَذَا یعنی اس پر شیفتہ ہو گیا اس کی ایک دیگر تفسیر یہ ہے کہ اُھْتِرُ وَافِیْ ذِکْرِ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے بوڑھے ہو گئے۔حتیٰ کہ ان کے ہم عمر بھی فوت ہو گئے مگر وہ اب تک ذکرِ الٰہی میں مشغول ہیں۔عربی میں کہا جاتا ہے اُھْتِرَ الرَّجُلُ فَھُوَ مُھْتَرٌ جبکہ انتہائی بڑھاپے کی وجہ سے مخبوط الحواس ہو کر بہکی بہکی باتیں کرنے لگ جائے بہکی بہکی باتوں کو ھِتْرٌ کہتے ہیں گویا اس نے ذکر الٰہی میں اتنی عمر گزار دی کہ اس کے ہوش وحواس تک قائم نہ رہے نیز باطل کو بھی ھِتْر کہتے ہیں رَجُلٌ مُسْتَھْتِرٌ یعنی کثیر الاباطیل زیادہ دروغ گو۔

اسی طرح ابنِ عمر کی حدیث میں ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْتَھْتِرِیْنَ اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ مُسْتَھْتِرْ (دروغ گو) بنوں۔

غرضیکہ اس کی حقیقت لفظی یہ ہے کہ اِسْتِھْتَارْ کسی چیز سے محبت کی وجہ سے اسے زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع کر لینا خواہ حق ہو یا باطل لیکن اس کا اکثر استعمال باطل میں ہی ہوتا ہے حتیٰ کہ جب کہا جائے فُلَانٌ مُسْتَھْتِرٌ تو اس سے صرف باطل کا معنی ہی سمجھا جاتا ہے البتہ جب کسی شئے سے مُقیّد کر دیا جائے تو اس وقت تقییدی معنی مراد ہوگا جیسے ھُوَ مُسْتَھْتَرٌ وَقَدِ اسْتُھْتِرَ فِی ذِکْرِ اللّٰہ یعنی ذکرِ الٰہی پر شیفتہ ہو کر مجنونانہ وار پلٹ * پڑا۔اس معنی کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں۔

اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰہِ حَتّٰی یُقَالَ مَجْنُوْنٌ

''اللہ کا اتنا زیادہ ذکر کرو کہ لوگ پاگل کہنے لگ جائیں''

۴۳ اللہ تعالیٰ سے ذاکر کی تصدیق

ذکر انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تصدیق و صادق کہلانے کا مستحق بنا دیتا ہے کیونکہ ذاکر اللہ تعالیٰ کے اوصاف کمال ونعوت جلال بیان کرتا ہے اور

جب ذاکر اوصاف ونعوت بیان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کی تصدیق وتائید کرتے ہیں اور جسے خود اللہ تعالیٰ سچا کہے اللہ تعالیٰ خود اس کی تصدیق فرمائے تو وہ جھوٹے اور کاذب لوگوں میں کیونکر اٹھایا جا سکتا ہے؟ بلکہ اس کا حشر یقیناً صادقین اور سچے انسانوں میں ہوگا۔

ابو اسحٰق اغرؒ بن ابی مسلم * سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ وابو سعید خدریؓ شاہد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، انسان جب لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی سب سے بڑا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے سچ کہا یقیناً میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں ہی سب سے بڑا ہوں جب کہتا ہے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ یعنی صرف تنہا محض اللہ ہی معبود ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے صحیح کہا صرف میں ہی معبود ہوں جب کہتا ہے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا شَرِیْکَ لَهٗ یعنی صرف خدا ہی معبود وقابل پرستش ہے اس کا کوئی شریک نہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے سچ کہا میں ہی معبود ہوں میرا کوئی شریک نہیں جب لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ کہتا ہے یعنی صرف اللہ ہی قابل پرستش ہے اسی کی حکومت ہے اور وہی حمد وثنا کے قابل ہے تو عزوجل فرماتے

بقیہ حاشیہ * المصباح المنیر میں ہے اِسْتُهْتِرَ یعنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ کیا کچھ کر رہا ہے۔ فائق میں زمخشری فرماتے ہیں کہ ابن عمر نے فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْتَهْتِرِیْنَ مُسْتَهْتَرُ بننے سے پناہ مانگتا ہوں مُسْتَهْتِرِیْنَ کمینہ وفضول لوگوں کو کہتے ہیں جنھیں کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ کسی نے انھیں کیا کہا یا وہ لوگوں سے کیا بکواس بکتے ہیں اور اس حدیث کو ترمذی وحاکم نے بہ لفظ ذیل روایت کیا ہے کہ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ الْمُسْتَهْتَرُوْنَ فِیْ ذِكْرِ اللّٰهِ یَضَعُ الذِّكْرُ عنهم اثقالهم فیاتون یوم القیمة خِفَافاً ذکر الٰہی کے شیفتہ مفردون سبقت لے گئے جن کے تمام بوجھ کو ذکر الٰہی دور کر دے گا تو قیامت کے دن وہ ہلکے پھلکے حاضر ہوں گے اس کی سند صحیح ہے۔

* یہ مسلم بن کیسان اعور ہیں نسائی نے فضیلت سبحان الله والحمد لله والله اکبر میں اس کے واسطہ سے ابی ہریرہؓ وابی سعید سے روایت کیا ہے۔ ترغیب وترہیب حافظ منذریؒ ۱۲۔

ہیں میرے بندے نے سچ کہا میں ہی قابل پرستش ہوں میری ہی حکومت ہے اور میں ہی قابل حمد وستائش ہوں جب کہتا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه یعنی صرف اللہ ہی معبود وقابل پرستش ہے نیکی کرنے اور بدی سے ہٹنے کی توفیق صرف امداد الٰہی پر موقوف ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے سچ کہا میں ہی معبود وقابلِ پرستش ہوں نیکی کرنے اور بدی سے ہٹنے کی توفیق محض میری دستگیری واعانت سے ہی ہوتی ہے۔ پھر بعد ازاں کہا جسے مرتے دم بھی یہ کلمات پڑھنے نصیب ہو جائیں وہ دوزخ سے بالکل نجات یافتہ ہو جائے گا۔

۴۲ ذکر سے محلات بہشتی کی تعمیر

بہشتی قصور ومحلات کی ذکر سے تعمیر کی جاتی ہے جب ذاکر ذکر سے رک جائے تو فرشتے بھی تعمیر بند کر دیتے ہیں۔ جب وہ ذکر شروع کر دیتا ہے وہ تعمیر شروع کر دیتے ہیں۔

ابن ابی الدنیا اپنی کتاب میں حکیم بن محمد اخنسی سے ذکر کرتے ہیں کہ مجھے حدیث ملی ہے کہ جنتی قصور ومحلات کی تعمیر ذکر سے ہوتی ہے جب ذکر کرنا بند کر دیں تو تعمیر بھی بند ہو جاتی ہے پوچھا جائے تو فرشتے کہتے ہیں خرچ ونفقہ لائیے۔

ابن ابی الدنیا نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو سات دفعہ پڑھے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اس کے لئے جنت میں ایک بُرج تیار کیا جاتا ہے اور جس طرح جنت کے محلات ذکر سے تیار ہوتے ہیں اسی طرح جنت کے باغ اور پودے بھی ذکر سے بنتے ہیں۔

جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قول ہے کہ جنت کی زمین بھی بہترین اور شیریں پانی مگر بالکل سفید اور چٹیل میدان اور اس کے درخت ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ معلوم

ہوا کہ ذکر ہی اس کے درخت اور سامانِ تعمیر ہیں۔

ابن ابی الدنیا نے عبداللہ بن عُمر سے حدیث روایت فرمائی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا بہشت میں بہت بہت درخت لگاؤ صحابہ نے فرمایا' یارسول اللہ بہشت کے درخت کیا ہیں فرمایا مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ۔

۶۵ ذکر..... دوزخ کے درمیان دیوار

ذکر انسان اور جہنم کے درمیان دیوار بن جاتا ہے جب انسان کسی دوزخی راستے پر چلنا چاہتا ہے تو ذکرِ الٰہی رستے میں دیوار بن کر حائل ہو جاتا ہے۔ ذکر الٰہی دائمی اور کامل ہوگا تو وہ دیوار بھی محکم و مضبوط اور پختہ ہوگی جس میں سے گذرنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ ورنہ وہ گناہ میں مبتلا ہو کر رہے گا۔

عبدالعزیز بن ابورَوّاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص جنگل میں رہتا تھا اس نے ایک مسجد بنائی اور اس کے محراب میں سات پتھر لگائے۔ جب نماز پوری کر لیتا ہے تو پتھروں سے مخاطب ہو کر کہتا میں تمھیں اپنے عقیدہ پر گواہ بناتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اتفاقاً وہ بیمار ہو گیا اور اس کی روح کو اوپر لے جایا گیا اس نے بتایا میں نے خواب میں دیکھا کہ اسے دوزخ میں چلے جانے کا حکم ملا وہ کہتا ہے کہ میں پتھروں میں سے ایک پتھر کو جسے خوب جانتا ہوں دیکھا کہ دوزخ کے منہ پر پھیل کر آ گیا اور دوزخ کا ایک دروازہ بند کر دیا حتیٰ کہ اسی طرح تمام پتھروں نے دوزخ کے ساتوں دروازے بند کر دیئے۔

۶۶ ذاکر کے لئے فرشتوں کی دعائے استغفار

فرشتے ذاکر کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں جیسا کہ تائب کے لئے دعائے مغفرت فرماتے ہیں چنانچہ حسین معلم بواسطہ عبداللہ بن بریدہ از عامر شعبی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قول روایت کرتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ

کتاب (قرآن حکیم) میں غور واستنباط سے معلوم ہوا کہ

انسان جب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ جب پورا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہتا ہے تو ملائکہ کہتے ہیں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِکَ (خدایا) اپنے بندے کے گناہ معاف کر دیجئے) جب کہتا ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ فرشتے کہتے ہیں وَبِحَمْدِہٖ اور جب پورا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کہتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِکَ جب وہ کہتا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا للّٰہُ فرشتے کہتے ہیں وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اور جب پورا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِکَ اے اللہ اپنے بندے کو بخش دیجئے)

۶۷ ذاکر کے لئے دشت وجبل کی فخر ومباہات

دشت وجبل پہاڑ اور وادیاں ذاکر کی وجہ سے فخر ومباہات کرتی ہیں اور خوش ہوتی ہیں کہ فلاں ذاکر نے ہم پر ذکرِ الٰہی کیا ہے۔

''ابن مسعود فرماتے ہیں ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو نام لے کر دریافت کرتا ہے کہ آج تجھ پر کوئی ذاکر نہیں گذار؟ اگر وہ جواب دے کہ ہاں گذرا ہے تو اسے بے حد خوشی ہوتی ہے۔''

عون بن عبداللہ فرماتے ہیں بعض میدان دوسرے میدانوں کو آواز دے کر پوچھتے ہیں کہ میرے پڑوسی آج تم میں سے کوئی ذاکر تو نہیں گذرا؟ تو جواب میں کئی ہاں کہتے ہیں اور بعض نفی میں جواب دیتے ہیں۔ علی ہذا القیاس اعمش مجاہد سے نقل کرتے ہیں کہ بعض پہاڑ بھی دوسرے کو نام لے کر بلاتے ہیں کہ او فلاں آج تجھ پر کوئی ذاکر نہیں گذرا؟ بعض اثبات میں جواب دیتے ہیں اور بعض نفی میں۔

۶۸ کثرتِ ذکر سے براءتِ نفاق

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا نفاق سے نجات کا موجب ہوتا ہے کیونکہ

منافق اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کیا کرتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے۔

وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا (نساء:۴)

''اللہ تعالیٰ کا بہت کم ذکر کرتے ہیں۔''

کعب فرماتے ہیں جو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے وہ نفاق سے بری ہو جاتا ہے۔

اور وَاللّٰهُ اَعْلَمُ شائد اللہ تعالیٰ نے اسی لئے سورہ منافقوں کو اپنے قول:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (منافقون:۶۴)

''ایماندارو تمہیں تمہارے مال و اولاد ذکر الٰہی سے غافل نہ کر دیں، جو ایسا کرے گا تو یقیناً وہی لوگ خسارہ میں رہیں گے۔''

سے ختم فرمایا ہے کیونکہ اس میں منافقین کے فتنہ سے ڈرایا گیا ہے کہ وہ ذکر الٰہی سے غفلت کی وجہ سے گندگیٔ نفاق میں پھنس گئے۔

اور بعض صحابہ سے خارجیوں کے متعلق دریافت کیا گیا کیا وہ منافق ہیں فرمایا نہیں۔ منافق تو اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ (خارجی کثرت سے ذکر کرتے ہیں) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کم کرنا نفاق کی علامت ہے اور کثرت سے ذکر کرنا نفاق سے امن کا موجب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے کہیں منزہ و برتر ہے کہ ایک ذکر گذار دل کو نفاق میں مبتلا کر دے۔ بلکہ یہ تو ذکر الٰہی سے دل کی غفلت کا خمیازہ ہے جو اسے بھگتنا پڑتا ہے۔

⑲ ذکرِ الٰہی کی لذت تمام لذات سے بہتر ہے

ذکر میں ایک ایسی لذت اور چاشنی ہوتی ہے جس کی نظیر دوسرے اعمال میں مشکل ہے انسان کو سارے ثواب کی بجائے محض وہی لذت و سرور حاصل ہو جائے جو ایک ذکر گذار کو حاصل ہوتا ہے اور وہ تمام نعمتیں مل جائیں جو اس کے دل کو حاصل ہوتی

ہیں تو اتنا ہی کافی ہے اسی لئے مجالس ذکر کو ریاض الجنۃ جنت کے باغ کہا گیا ہے۔

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ کوئی لذت لذّتِ ذکر کی ہمسری نہیں کر سکتی کیونکہ کوئی عمل ایسا نہیں جو ذکر سے زیادہ خفیف و آسان ذکر سے زیادہ لذت دار ذکر سے زیادہ خوش کن اور ذکر کے برابر سرور قلب کا باعث ہو۔

۷۰ ذکر الٰہی...... چہرے کا نور

ذکر دنیا میں چہرے کی رونق' تروتازگی اور بشاشت اور آخرت میں نور وضیا کا موجب ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ذکر گذار بندے دنیا میں بھی تمام لوگوں سے زیادہ ترو تازہ اور بارونق چہرہ ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی سب سے زیادہ ان کو نور ملے گا۔

ایک مرسل حدیث ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو روزانہ سو مرتبہ لَا اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْکَ لَهُ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ کہے وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہوگا تو اس کا چہرہ چودہویں کے چاند سے بھی زیادہ چمکتا ہوا ہوگا۔

۷۱ ذاکر کے لئے گواہوں کی کثرت

ہر مقام و ہر جگہ سفر میں حضر میں اندر باہر گھر میں جنگل میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا انسان کے خود اپنے لئے قیامت کے دن زیادہ گواہان و شاہد بنانے کا باعث ہے کیونکہ زمین کا ہر قطعہ، ٹکڑا، گھر، باہر، جنگل، پہاڑ، ذکر کے لئے قیامت کو گواہی دے گا ارشاد باری ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا

(زلزال: ۱ تا ۴)

''جب زمین سخت ہلائی جائے گی اور وہ اپنے اندر کی تمام چیزیں نکال

باہر کرے گی اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا؟ تو اس دن وہ اپنی سب باتیں بتا دے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ بتا دینے کا حکم صادر فرمائیں گے۔"

ترمذی نے اپنی جامع میں بواسطہ سعید مقبری ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا تلاوت فرما کر صحابہ سے فرمایا کہ جانتے ہو اَخْبَارَهَا یعنی زمین کا خبریں بتلانا کیا مطلب؟ صحابہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو زیادہ پتہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کا خبریں بتلانا یہ ہے کسی انسان خواہ غلام ہو یا آزاد جس نے بھی اس پر کوئی عمل نیک و بد کیا ہو گا وہ اس پر گواہی دے گی کہے گی فلاں روز مجھ پر یہ کیا وہ کیا ایسا کیا ویسا کیا یہ روایت حسن صحیح ہے۔

اور زمین کے ہر قطعہ میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے بے شمار گواہ ہوں گے جنہیں دیکھ کر لوگ رشک کریں گے کہ کاش ہمارے بھی اتنے گواہ ہوتے۔

۴۷ ذکر..... فضول باتوں سے بچنے کا سبب

ذکر الٰہی کا شغل اسے تمام فضول و باطل اشغال مثلاً چغلی و غیبت لوگوں کی مدح و مذمت وغیرہ سب اشغال سے پھیر دیتا ہے کیونکہ عموماً زبان خاموش تو رہتی نہیں ذکر الٰہی کرتی ہے یا بسا اوقات لغویات اور فضول بکواسات بکتی رہتی ہے ان دونوں میں سے ایک نہ ایک بات تو ضرور ہوتی ہے ذکر نہ کرے گی تو فضول و واہیات بک دے گی کیونکہ اسے حق میں مشغول نہ کرے گا تو باطل میں لگا دے گا اسی طرح دل اپنے خالق سے لو نہیں لگائے گا تو کسی مخلوق کے دام محبت میں گرفتار ہو جائے گا۔ ایک نہ ایک امر یقینی ہے۔ لہٰذا دونوں میں سے خود ہی سمجھ کر ایک خصلت اختیار کر لینی چاہئے اور ہر مقامات میں سے ایک مقام کو قبول کر لینا چاہئے۔

ذکر.....شیاطین سے نجات کا باعث

یہ وہی خصلت ہے جس کے ذکر کی ہم نے شروع میں ابتدا کی تھی اور معمولی طور پر اشارۃً ذکر کیا تھا یہاں ذرا بسط سے بیان کر دیتے ہیں کیونکہ اس میں بڑے بڑے فوائد ہیں اور ہر کسی کو اس سے احتیاج و واسطہ پڑتا ہے بلکہ یہ ہر شخص کی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ شیاطین اِکے دُکے انسان کو شکاریوں کی طرح چاروں طرف سے گھیر لیتے اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اسے جانی دشمنوں کی طرح نظریں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے گھورتے ڈراتے دھمکاتے ہیں اور اس کے قدیمی و ازلی دیرینہ اور جانی دشمن چلے آتے ہیں تو آپ خود ہی خیال کر لیجئے کہ جب وہ تن تنہا خشم آلود اور کمینگاہوں میں چھپے ہوئے پرانے دشمنوں کے نرغہ میں پھنس جائے وہ چاروں طرف سے اس کے گرد جمع ہو کر محاصرہ کر لیں اور جتنی شرارت و تکلیف اور دھول دھپا کسی سے بن آئے وہ خوب اس کی تواضع کریں کوئی تھپڑ لگائے تو کوئی مُکہ رسید کرے کوئی ڈنڈے سے خبر لے اور کوئی پول پرشاد کرے تو اس بیچارے پر کیا گذرے گی؟ لہٰذا ان شیطانوں کا بندوبست کرنا اور انھیں منتشر کرنا از حد ضروری ہے جس کا علاج صرف ذکر الٰہی ہے اور کوئی نہیں۔

ایک عجیب وغریب حدیث

اور ذیل کی عظیم الشان و شریف القدر حدیث میں بے شمار فوائد ہیں جس کا یاد کر لینا ہر مسلم کا فرض ہے لہٰذا ہم بطولہ پوری حدیث بیان کر دیتے ہیں کیونکہ ہر فرد اس کا محتاج و ضرورت مند ہے اور فوائد بھی بے حساب ہیں اور وہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بواسطہ سعید بن مسیب مروی ہے کہ [1]

مدینہ منورہ میں ہم صفہ میں قیام پذیر تھے ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف فرما ہوئے اور وہیں کھڑے ہو کر فرمانے لگے آج میں نے عجیب وغریب

[1] علامہ انصاری کے نسخہ میں عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب ہے۔

حدیث از حد حسن صحیح ہے جسے عمر بن ذر اعلی بن زید بن جُد عان اور ابو جبلہ ہلال نے سعید بن مسیب سے روایت فرمایا ہے۔ ❶

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ اس حدیث کی بڑی عظمت وشان بیان کرتے اور اسے بڑی اہمیت دیا کرتے تھے اور مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اس کی صحت پر شواہد موجود ہیں۔

بہر صورت اس حدیث میں ہمارے مطلوبہ الفاظ آنحضرت ﷺ کے وہ الفاظ ہیں جن میں آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک امتی دیکھا جسے شیاطین نے گھیر لیا تھا ، تو ذکر الٰہی آیا اور انھیں دور بھگا دیا، یہ واقعہ حارث اشعری کی اس حدیث کے مطابق ہے جس کی ہم نے اس رسالے میں تشریح کر دی ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مبارک موجود ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنا ذکر بجالانے کا حکم دیا۔ ذاکر کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آگے آگے بھاگا جا رہا ہو اور دشمن بھی اس کے پیچھے پیچھے تعاقب میں سرپٹ دوڑا آ رہا ہو اور دوڑتے دوڑتے وہ ایک مضبوط و پختہ قلعہ میں داخل ہو کر خود کو محفوظ کرلے اسی طرح انسان شیطان سے محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک وہ اپنے کو ذکر الٰہی کے پختہ و مضبوط قلعے میں محفوظ نہ کرے۔

ترمذی میں انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص گھر سے نکلتے ہوئے یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

''اللہ کا نام لے کر نکلتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں نیکی کرنے اور گناہ بچنے کی طاقت توفیق الٰہی پر موقوف ہے۔''

تو اسے کہا جاتا ہے تو نے راہ راست پالیا۔ اپنے کو مامون ومصئون کرلیا اور

---

❶ هذا حديث حسن جداً...... یہ بہت عمدہ حدیث ہے۔

تمام تکالیف و مصائب سے خود کو محفوظ کر لیا وراس سے شیطان دور کھڑا ہو کر دوسرے شیطان کو طعن دیتا ہے کہ واہ تجھ سے ایک آدمی بھی نہ ورغلایا گیا اور تجھ سے بچ گیا اور اس نے خود کو محفوظ کر لیا [1] یہ حدیث ابوداؤد نسائی اور ترمذی نے روایت کی اور حسن کہا۔

اس سے قبل آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ذکر ہو چکا ہے کہ جو روزانہ دن میں سو 100 مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھے تو یہ کلمات شام تک اسے شیطانی شرارت سے محفوظ رکھتے ہیں۔

سفیان بواسطہ ابی الزبیر عن عبداللہ بن ضمرہ کعب سے ذکر کرتے ہیں کہ جو شخص گھر سے نکلتے ہوئے پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ فرشتہ جواب دیتا ہے هُدِيْتَ تجھے صحیح راستہ مل گیا۔ جب کہتا ہے تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ فرشتہ کہتا ہے كُفِيْتَ تو کفایت کیا گیا جب کہتا ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فرشتہ جواب دیتا ہے حُفِظْتَ تو نے اپنے کو محفوظ کر لیا تو شیطان ایک دوسرے کو کہتے ہیں چلو میاں! یہاں تمہاری دال نہیں گلتی تم اسے کیسے گمراہ کر سکتے ہو جو ہر چیز سے کفایت کر لیا گیا راہنمائی کر دیا گیا اور محفوظ ہو گیا۔"

ابوخلاد مصری فرماتے ہیں جو اسلام میں داخل ہوا وہ قلعہ میں داخل ہو گیا اور مسجد میں داخل ہوا وہ دو قلعوں میں داخل ہوا اور جو مسجد کے اندر ذکرِ الٰہی کے حلقہ میں داخل ہو گیا وہ تین قلعوں میں داخل ہو گیا۔

حافظ ابوموسیٰ نے اپنی کتاب میں بواسطہ ابی عمران جونی از انس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص بستر پر لیٹتے وقت بسم اللہ سمیت پوری فاتحہ پڑھے وہ جن وانس بلکہ ہر شے کی شرارت سے مامون و

---

[1] صحیح عبارت یوں ہے۔ "شیطان اس سے دور ہٹ جاتا ہے اور دوسرے شیطان کو کہتا ہے کہ تو اس انسان پر کیسے قابو پا سکتا ہے جس کو ہدایت، کفایت اور تحفظ و بچاؤ حاصل ہو چکا ہے۔"

مصئون ہو جاتا ہے۔''

صحیح بخاری میں بواسطہ ابن سیرین ابی ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ رمضان (صدقہ فطر) کے مال کا مجھے محافظ بنایا کہ اس کی نگرانی وحفاظت رکھوں تو کوئی آیا غلہ خوراک سے جھولیاں بھرنے لگا میں نے اسے پکڑ لیا تو کہنے لگا اس دفعہ جانے دیجئے پھر نہیں آؤنگا، آخر اسی طرح دوبارہ آیا اور منت سماجت کر کے چھوٹ گیا، تیسری دفعہ پھر پکڑا گیا تو کہنے لگا کہ میں تمھیں ایسے کلمات سکھاتا ہوں جو تیرے لئے نہایت مفید ونافع ہوں گے جب آپ بستر پر تشریف لے جائیں تو شروع سے آخر تک پوری آیت الکرسی تلاوت فرمایئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ تمام رات آپ کی حفاظت کرے گا اور صبح تک کوئی شیطان آپ کے قریب تک نہیں بھٹک سکے گا،، تو میں نے اسے چھوڑ دیا اور صبح کو آنحضرت ﷺ سے ماجرا بیان کیا اور اس کے بیان کردہ آیت الکرسی اور اس کے اثر کو بھی پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا تو وہ جھوٹا مگر یہ بات سچ کہی''

حافظ ابوموسیٰ بواسطہ ابی الزبیر جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جب انسان بستر پر جاتا ہے تو جلدی سے اس کے پاس ایک فرشتہ اور شیطان پہنچ جاتا ہے فرشتہ کہتا ہے (اس دن کی بیداری) خیر ونیکی کے ساتھ ختم کر اور شیطان کہتا ہے شرارت وبرائی سے ختم کر، اگر وہ ذکر الٰہی کرتے کرتے سو جائے تو فرشتہ شیطان کو بھگا کر ساری رات اس کی حفاظت کرتا ہے۔ علی ہذا القیاس جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو جلدی سے فرشتہ وشیطان اس کے پاس آتے ہیں فرشتہ کہتا ہے خیر ونیکی کے ساتھ آغاز کیجئے۔ (یعنی دعا ونیکی کہتے اٹھئے) اور شیطان کہتا ہے شرارت وبرائی سے، تو اگر وہ یہ پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَا نَفْسِیْ بَعْدَ مَوْتِهَا وَلَمْ یُمِتْهَا فِیْ مَنَامِهَا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلَ

اُلاُخریٰ اِلٰی اَجلٍ مُّسَمًّی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکَھُمَا مِنْ اَحَدٍ مِنْ بَعْدِہٖ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ

''تمام تعریفات اللہ کو سزا وار ہیں جس نے مجھے مار کر زندہ کر دیا ور سونے میں بالکل ہی نہیں مار دیا سب تعریفوں کے لائق وہی اللہ ہے جو ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم صادر کر چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک میعاد معین تک رہا کر دیتا ہے۔ تمام تعریفات کا سزا وار اللہ تعالیٰ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ موجودہ حالت کو نہ چھوڑیں اگر (بالفرض) موجودہ حالت کو چھوڑ دیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا تمام حمد و ثنا اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں کو زمین پر گرانے سے تھامے ہوئے ہے، مگر یہ کہ اسی کا حکم ہو جائے۔''

تو فرشتہ شیطان کو بھگا کر دن بھر اس کی حفاظت کرتا ہے۔

صحیحین میں بواسطہ سالم بن ابی الجعد از کریب ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اپنی بیوی سے جماع کے وقت یہ پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّیْطٰنَ مَارَزَقْتَنَا ○

''اے اللہ! ہمیں اور ہماری اولاد کو شر شیطانی سے محفوظ رکھیے۔''

اور بچہ پیدا ہو تو اسے شیطان کبھی تکلیف نہیں دے سکے گا۔

حافظ ابو موسیٰ امام حسن بن حضرت علی ﷺ سے ذکر کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص مندرجہ ذیل بیس آیات تلاوت کرے میں اس کی ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر شیطان سرکش، ہر کاٹ کھانیوالے درندے اور ہر چور ڈاکو سے محفوظ رکھے گا۔ آیات یہ ہیں، آیۃ الکرسی سورۂ اعراف کی اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے لے کر تین آیتیں صافات کی ابتدائی دس آیات، سورہ

رحمٰن کی یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ سے لے کر تین آیات اور سورۂ حشر کی لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا سے آخر سورت تک تین آیات''

محمد بن ابان فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا کہ اسے اپنے پہلو میں کوئی چیز محسوس ہوئی اس کی طرف متوجہ ہوا اس نے کہا گھبرایئے نہیں میں تو محض لوجہ اللہ آپ کے ہاں آیا ہوں کہ آپ عُروہ کے پاس جا کر ان سے کہیں کہ مجھے وہ تعوذ سکھا دیجیے جس سے ابلیس الابالیس اور شیطانوں کا شیطان بھاگ جائے۔ فرمایا پڑھیے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَاعْتَصَمْتُ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَاانْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ حَسْبِيَ وَكَفٰى سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ دَعَا لَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ الْمُنْتَهٰى ○

''میں خدائے واحد بلند و برتر پر ایمان لایا اور بتوں اور شیطانوں کے حکم سے انکار کیا اور عُرْوَةُ الْوُثْقٰى یعنی مضبوط شریعت کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے کی نہیں اور اللہ تعالیٰ سمیعٌ و علیمٌ ہے وہی مجھے کافی ہے اور جو اسے بلائے اس کی دعا قبول کرتا ہے اور اللہ کے ورے کچھ ہستی نہیں۔''

بشر بن منصور وہیب بن ورد سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ رات گذرے ایک شخص چٹیل میدان کی طرف نکلا اور کہتا ہے کہ میں نے ایک دھماکہ سا سنا کہ ایک تخت لا کر رکھ دیا گیا کوئی آیا اور اس پر بیٹھ گیا اور جلدی سے اس کے پاس اس کے تمام لشکر فوج در فوج جمع ہو گئے۔ پھر وہ چلانے لگا کہ کوئی ہے؟ جو عروہ بن زبیر کو میرے قابو میں لا دے اور گرفتار کر لائے۔ تو کسی نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ وہ دیر تک چیختا چلاتا رہا۔ تو ایک نے کہا اس کام کو میں پورا کرتا ہوں۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ میرے دیکھتے دیکھتے اس نے مدینہ منورہ کا رخ کیا اور جلدی واپس چلا آیا کہنے لگا عروہ پر کسی کا داؤ نہیں چل سکتا تو صاحب تخت نے کہا اف ہے تجھ پر کیوں اس پر داؤ نہیں چلا پھر اس نے کہا وہ تو صبح و شام چند کلمات پڑھا کرتا ہے اس لئے ہماری مجال نہیں کہ اس پر قابو پا

سکیں وہ آدمی کہتا ہے کہ صبح ہوتے ہی میں نے بیوی سے زادراہ لیکر مدینہ شریف کا رخ کیا اور عروہ بن زبیر کا پتہ پوچھا کسی نے مجھے بتایا تو میں پہنچتے ہی کیا دیکھتا ہوں کہ عروہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ صبح و شام کون سے کلمے پڑھا کرتے ہیں؟ تو آپ نے کچھ نہ بتایا پھر میں نے وہ گذشتہ واقعہ بھی سنایا اور جو کلمات اس سے سنے تھے وہ واقعہ بھی بتلایا تو آپ نے فرمایا کہ اور تو مجھے کچھ پتہ نہیں ہاں یہ کلمات صبح و شام تین تین مرتبہ پڑھا کرتا ہوں اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَحْدَهٗ [1]

ابو موسیٰ، مسلم بطین [2] سے ذکر کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے فرمایا کہ ایک شیطان خبیث آپ سے مکر وفریب کرنا اور آپ کو ایذا دینا چاہتا ہے۔ اس لئے جب بستر پر تشریف لے جائیں تو یہ کلمات پڑھ لیا کریں۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَءَ مِنْ الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ اِلَّا طَارِقًا یَّطْرُقُ بِخَیْرٍ یَا رَحْمٰنُ ○

”میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی جن سے نیک و بد کو گذرنے کی مجال نہیں ان چیزوں کے شر سے پناہ لیتا ہوں جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں یا آسمان کی طرف چڑھتی ہیں یا جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں یا اس سے نکلتی ہیں نیز لیل و نہار کے فتنوں اور رات کو نازل ہونے والے مصائب کے شر سے پناہ مانگتا ہوں سوائے رات کو خیر لانے والے سے اے رحمٰن مجھے ان سے محفوظ رکھیے۔“

---

[1] کلمات یہ ہیں...... اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَكَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَاسْتَمْسَكْتُ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى الَّتِیْ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ (نسخہ انصاری ص ۱۸۳) (علوی)

[2] یہ مسلم بن عمران یا ابن ابی عمران البطین ہیں۔

اور صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ شیطان اذان سے بھاگ جاتا ہے۔ *

سہل بن ابی صالح فرماتے ہیں کہ والد صاحب نے مجھے قبیلہ بنی حارثہ کی طرف بھیجا میرے ساتھ ایک غلام یا دیگر کوئی دوست تھا۔ کسی نے دیوار کے پار اس کو آواز دی اس نے آگے بڑھ کر دیکھا تو کچھ نہ پایا۔ میں نے اپنے باپ کو یہ واقعہ سنایا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوتا تمہارے ساتھ یہ واقعہ پیش آئے گا تو میں تمھیں جانے ہی نہ دیتا۔ جب ایسی کوئی آواز سنو تو اذان دیا کرو کیونکہ میں نے ابی ہریرہ ؓ سے سنا حدیث بیان فرمایا کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اذان دی جائے تو شیطان کی ہوا نکل جاتی ہے اور اتنا دور بھاگ جاتا ہے کہ اذان کی آواز نہ سنائی دے۔

حافظ ابو موسیٰ بواسطہ ابی رجاء حضرت ابو بکر صدیق ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کثرت سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور استغفار پڑھا کرو کیونکہ شیطان کہتا ہے میں نے انہیں گناہ کروا کر ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور استغفار پڑھ پڑھ کر ہلاک و برباد کر دیا یہ صورت دیکھ کر میں نے خواہشات کی رغبت دلا کر اس چال سے انہیں ہلاک کیا۔ لہٰذا خواہشات میں پھنسے پھنسے وہ خود کو ہدایت یافتہ خیال کرتے ہوئے توبہ و استغفار بھی بھول جاتے ہیں۔

نیز ابراہیم بن حکم، حکم کے واسطہ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی مسافر ایک سوئے ہوئے شخص کے پاس سے گزرا اور اس کے پاس شیاطین کو کھڑے دیکھ کر ٹھہر گیا تو اس نے سنا ایک شیطان نے دوسرے شیطان سے کہا کہ سوتے سوتے ہی جا کر اس کا دل بگاڑ دیجئے، جب وہ گیا تو قریب جا کر واپس چلا آیا اور کہنے لگا کہ یہ آیت پڑھ کر سویا ہے اس لئے ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو اس کی تحقیق کرنے دوسرا گیا اور واپس آ کر کہا کہ تو نے ٹھیک کہا پھر وہ چلے گئے اور مسافر نے اسے بیدار کر کے ماجرا سنایا اور آیت دریافت کی تو اس نے یہ آیت بتائی۔

---

* مالک، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِہٖ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (الاعراف:۷)

’’تمہارا پروردگار وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہو گیا وہ رات کی تاریکی کو دن کی روشنی میں بدل دیتا ہے اور دن اس کے پیچھے تیزی سے چلا آتا ہے اور چاند سورج اور ستاروں کو اپنے حکم سے مسخر کر دیا۔ خبردار! خلق و امر یعنی پیدا کرنا و حکم کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور رب العالمین بابرکت ہے۔‘‘

ابونصر ہاشم بن قاسم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں اچنبھا سا واقعہ دیکھا کرتا ایک دن میرے کان میں آواز آئی کہ یہاں ہمارے پڑوس سے دور چلے جائیں! تو مجھے بڑی کوفت ہوئی کہ کہاں جائیں آخر میں نے کوفہ میں ابن ادریس اور محاربی اور ابی اسامہ کی طرف یہ ماجرا لکھ بھیجا محاربی نے میری طرف لکھا کہ مدینہ شریف میں ایک کنواں خشک ہو جایا کرتا تھا۔ اتفاقاً وہاں ایک قافلہ آ نکلا تو وہاں کے باشندوں نے اس کا شکوہ کیا تو انھوں نے پانی کا ایک ڈول منگوا کر یہ کلام پڑھ کر دم کیا اور کنوئیں میں ڈال دیا تو کنوئیں سے آگ نکلی اور کنارہ کے قریب نکل کر بجھ گئی ابونصر فرماتے ہیں کہ پھر میں نے پانی کا چھوٹا برتن منگوا کر اس میں وہی کلمات پڑھ کر دم کیا اور مکان کے تمام گوشوں میں چھڑکا تو وہ چیخ اٹھے کہ ابونصر! تو نے تو ہمیں جلا دیا۔ اب ہم جاتے ہیں اور ابھی نکلتے ہیں کلمات یہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَمْسَیْنَا بِاللّٰہِ الَّذِیْ لَیْسَ مِنْہُ شَیْءٌ مُمْتَنِعٌ وَبِعِزَّۃِ اللّٰہِ الَّتِیْ لَا تُرَامُ وَلَا تُضَامُ بِسُلْطَانِ اللّٰہِ الْمَنِیْعِ نَحْتَجِبُ وَ بِاَسْمَآئِہِ الْحُسْنٰی کُلِّھَا عَائِذًا مِنَ الْاَبَالِسَۃِ وَمِنْ شَرِّ شَیَاطِیْنِ الْاِنْسِ

وَالْجِنِّ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ مُعْلِنٍ وَمُسِرٍّ مِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ بِاللَّيْلِ وَيَكْمُنُ بِالنَّهَارِ وَيَكْمُنُ بِاللَّيْلِ وَيَخْرُجُ بِالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ وَمِنْ شَرِّ اِبْلِيْسَ وَجُنُوْدِهٖ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ بِمَا اسْتَعَاذَ بِهٖ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ وَمِنْ شَرِّ اِبْلِيْسَ وَجُنُوْدِهٖ وَمِنْ شَرِّ مَا يَبْغِيْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (صافات: ۱۰-۲)

''اس اللہ کا نام لے کر ہم نے شام کی جس کے قبضۂ قدرت سے کوئی چیز نہیں نکل سکتی اللہ تعالیٰ کے اس غلبہ وعزت کے ساتھ شام کی جس کا لشکروں سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے سخت وشدید تسلط وغلبہ میں ہم اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے جملہ اسمائے حسنیٰ کی اعانت و امداد سے ہم تمام ابلیسوں اور شیطان انسانوں اور جنوں کی شرارت اور ہر ظاہر ومخفی چیزوں کے شر اور ان چیزوں کے شر سے جو رات کو نکل آتی ہیں اور دن کو چھپ جاتی ہیں اور اللہ کی اس مخلوق کے شر سے جو روئے زمین پر پھیل گئی ہیں اور ابلیس اور اس کے لشکروں کی شرات اور ہر چلنے والی چیز جس کو تو نے پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے۔ تمام چیزوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں یقیناً میرا رب سیدھے

راستے پر ہے میں ان کلمات کے ساتھ جن کے ساتھ موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام اور اس ابراہیم علیہ السلام نے جس نے اللہ کے جملہ کلمات کو پورا کر دکھایا پناہ طلب کی اللہ سے ان چیزوں کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں جو اس نے پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیں اور ابلیس اور اس کے لشکروں اور باقی ماندہ تمام چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اللہ سمیع وعلیم کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ مانگتا ہوں اللہ رحمان ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں ان جماعتوں کی قسم جو (عبادتِ الٰہی میں) صفیں باندھے رہتی ہیں پھر ان جماعتوں کی قسم جو (اللہ کے حکم سے خوب) ڈانٹتی ہیں پھر ان جماعتوں کی قسم جو قرآن کی تلاوت کرتی ہیں بیشک تمھارا معبود ایک ہے وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں اور مشرقوں کا رب ہے، ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور ہر سرکش شیطان سے حفاظت کے لئے بنایا وہ عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے اور ہر طرف سے دھتکار دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے ہاں جو شیطان اچک کر سن بھاگے تو اس کے پیچھے دہکتا ہوا انگارا لگ جاتا ہے۔

اس کا بھی پیغمبر الٰہی کے اس ارشاد سے تعلق ہے جو آنحضرت ﷺ نے آدمی کو بتلایا تھا کہ ذکرِ الٰہی سے انسان اپنے کو شیطان سے محفوظ کر لیتا ہے۔

اب ہم ذکر کے متعلق تکمیلِ فائدہ کی غرض سے چند نہایت مفید فصلیں تحریر کرتے ہیں اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

ذکر کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم...... اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا ذکر کرنا

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء صفات کا ذکر کرنا اور ان کے ذریعہ عزوجل کی

تعریف وثنا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نامناسب اور غیر لائق چیزوں سے اس کی تنزیہہ و تقدیس اور پاکی بیان کرنا اور پاک ومنزہ کہنا۔ اور یہ بھی دوقسم سے ہے۔

اوّل......اللہ تعالیٰ کی خود حمد وثنا کرنا

اوّل یہ کہ ذاکر کا خود ان کے ذریعہ عزوجل کی حمد وثنا کا آغاز کرنا اور یہ قسم احادیث میں مذکور ہے جیسے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ وغیرہ۔

تو ذکر کی سب سے اعلیٰ وافضل وہ قسم ہے جو تمام ثنا وتعریفات الٰہی کی جامع اور اعم ہو، مثلاً سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ صرف سُبْحَانَ اللّٰهِ سے افضل ہے ایسے ہی حمد الٰہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ مَاخَلَقَ فِي السَّمَآءِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْاَرْضِ وَعَدَدَ مَا خَلَقَ بَيْنَهُمَا وَعَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ صرف اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے سے کئی درجہ افضل ہے۔

اور جویریہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے فرمایا میں نے تیرے بعد تین مرتبہ ایسے کلمات پڑھے ہیں جو تیری آج پورے دن کی عبادت سے تو لے جائیں تو وزنی ہوں وہ یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ رِضٰى نَفْسِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (رواہ المسلم) *

ترمذی وسنن ابی داؤد میں سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ام المومنین کے پاس سے گذرے جو کچھ سنگریزوں یا کھجوروں کی گٹھلیوں کے ذریعہ تسبیحات پڑھ رہی تھیں تو آنحضرت ﷺ نے انھیں فرمایا میں تمہیں

---

* مسلم کی ایک روایت میں ہے سبحان الله وبحمده عدد خلقه ورضیٰ نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته۔ اور مداد کلماته (اس کے کلمات کی سیاہی برابر) سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ ختم نہیں ہوتے۔

اس سے افضل واعلیٰ اور آسان تر کلمات بتاتا ہوں یہ پڑھا کیجئے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَمَاخَلَقَ فِي السَّمَآءِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَمَاخَلَقَ فِي الْاَرْضِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَابَيْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَمَا هُوَ خَالِقٌ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

قسمِ دوم......اللہ کے اسماء وصفات کے احکام بیان کرنا

اللہ تعالیٰ کے احکام اسماء وصفات کا پرچار کرنا۔ مثلاً آپ یہ تبلیغ کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام حرکات وسکنات اور دعا و پکار سنتا ہے اس پر ان کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں اور وہ ان پر ان کے ماں باپ سے بھی زیادہ رحیم وشفیق ومہربان ہے وہ ہر شئے پر قادر ہے اور وہ اپنے بندے کی توبہ سے اس قدر خوش ہوتا ہے جیسے کوئی شخص جنگل میں دانہ پانی لدے اونٹ گم ہونے کے بعد مل جانے پر خوش ہوتا ہے وغیر ذلک [1] اور اس کی سب سے اعلیٰ وافضل قسم یہ ہے کہ انسان اپنی وضع کردہ من گھڑت اور خود ساختہ حمد و ثنا میں نہیں بلکہ بلاتحریف وتعطیل اور تمثیل وتشبیہ اللہ تعالیٰ کی وہی ماثورہ ثنا وتعریف بیان کرے جو اس نے خود اپنے لئے تجویز فرمائیں ہیں یا آپ کے پیغمبر ﷺ نے بیان فرمائی ہیں اور خود ان الفاظ سے حمد وثنا کی ہے۔

حمد وثناء اور عظمت وبزرگی

پھر یہ قسم بھی آگے تین اقسام پر منقسم ہے حمد وثنا اور مجد وبزرگی اللہ تعالیٰ کی حمد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاص طور پر محض صفات کمالیہ ہی نہ بیان کرے بلکہ اس

---

[1] اسی مفہوم کی حدیث بخاری ومسلم میں انس بن مالک سے مروی ہے الفاظ یہ ہیں اللہ افرح بتوبة عبده من احدکم اسقط علیٰ بغیرہ وقد اضله بلرض فلاة بیابان جنگل میں اونٹ گم ہونے کے بعد مل جانے سے جس قدر آدمی خوش ہوتا ہے عزوجل اپنے بندے کی توبہ پر اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔

کے ساتھ ساتھ اس کی محبت ورضا کو بھی شامل رکھے کیونکہ نہ محبّ ساکت حامد ہوتا ہے اور نہ بے محبت ثنا کرنے والا شخص حامد ہوسکتا ہے جب تک کہ ثنا وتعریف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت وتعریف کا عنصر نہ ملایا جائے، پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ثنا کنندہ شخص کسی ایک چیز کو لگا تار ذکر کرتا چلا جائے تو یہ ثنا ہوگی اگر صفات جلال وعظمت وکبریائی اور صفات ملک وحکومت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدح سرائی کرے تو یہ مجد ہوگی۔

اور یہ تینوں اقسام اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کے آغاز میں جمع فرمادئے ہیں کہ جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حَمِدَنِی عَبْدِیْ یعنی میرے بندے نے میری حمد کہی جب کہتا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ میرے بندے نے میری ثنا کہی جب کہتا ہے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے میری مجد وبزرگی بیان کی *

قسمِ دوم: اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو یاد رکھنا

اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی اور احکام کو یاد رکھنا بھی ذکر ہے اور یہ بھی دو قسم سے ہے۔

اَوّل: یہ کہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کام کا حکم دیا اور فلاں سے منع فرمایا ہے۔ فلاں کو پسند فرماتے ہیں فلاں سے غصہ اور فلاں کام سے راضی ہوتے ہیں۔

دوم۔ دوسروں کو وعظ کے ساتھ ساتھ خود بھی عمل کرنا اس کے اوامر کو بجالانا اس کے نواہی سے دور بھاگنا۔ تو اوامر ونواہی کا صرف وعظ کردینا اور چیز ہے اور اس پر عامل ہونا چیزے دیگر جب ذاکر میں یہ دونوں اوصاف جمع ہوجائیں تو اس کا ذکر و اذکار اعلیٰ وافضل اور بلند تر ہوگا۔

---

* بخاری ومسلم میں بروایت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے ابتدائی الفاظ یوں ہیں قسمت الصلوۃ بینی و بین عبدی و لعبدی ماسال فاذا ...... میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کردیا ہے۔ اور میرا بندہ جو سوال کرے اسے ملے گا۔

فائدہ: تو معلوم ہوا کہ اس قسم کا ذکر فقہ اکبر اور دوسرے اذکار افضل الذکر ہیں بشرطیکہ نیت صحیح سے کیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی آیات انعام اور احسانات اور بندوں پر اس کے نازل شدہ فضل واکرام کا تذکرہ کرنا بھی ذکرِ الٰہی کی قسم ہے اور یہ بھی ذکر کے جملہ اقسام میں بزرگ ترین ذکر ہے۔

اقسامِ ذکر

بہر صورت ذکر کی مذکورہ بالا پانچ قسمیں ہوئیں (۱) یہ کبھی دل اور زبان دونوں سے ہوتا ہے یہ افضل الذکر ہے۔ (۲) کبھی صرف دل سے ہوتا ہے یہ دوسرا درجہ ہے (۳) کبھی صرف زبان سے ہوتا ہے، یہ تیسرے نمبر پر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ افضل ذکر وہ ہے جس پر دل اور زبان دونوں متفق ہوں۔

رہا صرف دل یا صرف زبان کا ذکر تو اول الذکر ثانی سے افضل واعلیٰ ہے کیونکہ قلبی ذکر سے معرفت حاصل ہوتی ہے جذبات عشق ومحبت بھڑک اٹھتے ہیں شرم و حیا اور خوف الٰہی کا تسلط وغلبہ چھا جاتا ہے خشیتِ الٰہی ومراقبہ کی تڑپ پیدا ہوتی ہے طاعات وعبادات میں اللہ کی نافرمانی اور غفلت سے روکتا ہے اور گناہوں بدکاریوں اور نافرمانیوں سے روکنے کا باعث ہوتا ہے لیکن قلبی تعلق کے بغیر صرف زبان سے ذکر کرنے میں مذکورہ بالا چیزوں سے کوئی بھی حاصل نہیں ہوتی۔ بفرضِ محال کچھ نتیجہ برآمد ہو تو معمولی وکم زور اور ناپائیدار ہوگا۔

ذکر، دُعاء سے افضل ہے (آیت کریمہ)

ذکر دعاء سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اس کے اوصافِ جمیلہ اس کے انعامات واسمائے مبارکہ کے ساتھ ثنا وتعریف کرنا ذکر کہلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسان کا اپنی حاجات پیش کرنا دعا کہلاتا ہے تو کہاں ذکر؟ اور کہاں دُعا؟ کوسوں کا

فرق ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے جو میرا ذکر کرتے کرتے اپنی کوئی حاجت و درخواست پیش نہ کر سکے اور میرا ذکر اسے اپنی ضروریات پیش کرنے سے مشغول کر دے میں اسے مانگ کر لینے والوں سے بھی زیادہ عنایت کرتا ہوں۔

طریقۂ دعاء

اسی لئے دعاء میں یہی طریق مستحب اور پسندیدہ ہے کہ جب دعا کرنا ہو انسان دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے آغاز کرے پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے۔ بعد ازاں اپنی حاجات وضروریات کی درخواست پیش کرے چنانچہ فضالہ بن عبید کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں دعا کرتے سنا جو نہ تو دعا سے پہلے حمد وثنا کرتا ہے اور نہ ہی درود شریف پڑھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس نے دعا میں جلدی کی پھر اسے بلایا اور کہا جب نماز پڑھو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے آغاز کرو پھر آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھو بعد ازاں جو دعا کرنا ہو اور کچھ مانگنا ہو اس کی دعا و درخواست کرو۔" صحیح حاکم، احمد، ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔

دعائے ذی النون

علیٰ ہذا القیاس دعائے ذی النون یونس علیہ السلام کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو بھی میرے بھائی یونس علیہ السلام کی دعا پڑھے اس کی تمام مصیبتیں رفع ہو جائیں گی،،

ترمذی میں ہے جو مسلمان کسی کام کے لئے بھی یونس علیہ السلام کی وہ دعا مانگے جو آپ نے شکمِ ماہی میں تلاوت فرمائی تھی تو اللہ تعالیٰ اس کی درخواست و دعا قبول فرماتے ہیں وہ یہ ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ *

---

* اسے ترمذی، امام احمد، حاکم اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے کہ اور کہا کہ صحیح الاسناد ہے از سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

اور یہی حال آنحضرت ﷺ کی فرمودہ عام دعاؤں کا ہے۔ جن میں دعا کو حمد وثنا سے شروع کیا گیا ہے علیٰ قَائِلِهَا اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ۔

دُعائے آنحضرت ﷺ

دیکھئے! آنحضرت ﷺ نے دعائے کرب ومصیبت کو حمد وثنا کے ان الفاظ سے آغاز فرمایا ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ [1]

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عظیم وحلیم ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں جو عرش عظیم کا رب ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آسمانوں اور زمین اور عرش کریم کا رب ہے۔“

علیٰ ہذا القیاس بریدہ اسلمی کی وہ حدیث جو اصحاب سنن اور ابن ماجہ نے اپنی صحیح میں روایت فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا کرتے سنا کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ.

اے اللہ! میں تجھ سے اس بات کو وسیلہ بنا کر سوال کرتا ہوں کہ میں تیرے اللہ ہونے کی شہادت دیتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو واحد و بے نیاز ذات ہے جس کا نہ فرزند ہے نہ والد اور نہ ہی کوئی اس کے برابر کا ہے۔

تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے ایسے اسم اعظم کے ساتھ درخواست کی ہے جس کے ذریعہ دعاء

---

[1] بخاری ومسلم بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

کی جائے تو قبول ہوتی ہے سوال کیا جائے تو پورا کیا جاتا ہے۔ *

ابوداؤد ونسائی میں انسؓ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص * نے نماز پڑھی اور دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَاذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَاقَیُّوْمُ.

''اے اللہ! میں تجھ سے ان کلمات کی طفیل سوال کرتا ہوں کہ تمام حمد وثنا تیرے لئے ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو منان یعنی احسان کنندہ اور آسمانوں اور زمین کو بغیر نمونہ کے پیدا کنندہ ہے۔اے بزرگی وجلال کے مالک اے زندہ وقائم رہنے والے اللہ۔''

حضور ﷺ نے فرمایا اس نے اللہ تعالیٰ کو اس کے ایسے اسم اعظم سے پکارا ہے جس سے دعا کیجائے تو وہ قبول فرماتا ہے اور سوال کیا جائے تو پورا کرتا ہے۔''

دیکھیے! آنحضرت ﷺ نے دو چیزیں بیان فرمائیں ایک یہ کہ دعا سے پہلے حمد وثنا اور ذکر کیا جائے تو دعا قبول ہوتی ہے دوم یکہ یہ اسم اعظم ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر انسان کے جملہ مطالبات کی کامیابی کا سب سے بہترین اور اعلیٰ ذریعہ ہے۔

ذکر.....قبولیت دعا کا باعث ہے

پھر فوائد ذکر وثناء میں سے یہ علیحدہ فائدہ ہے کہ ذکر دعا کو مقبول ومستجاب کر

---

* حافظ منذری فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابوالحسن مقدسی نے فرمایا کہ اس کی اسناد میں کوئی طعن نہیں اور اس مسئلہ میں اس سے بہتر کوئی حدیث نہیں۔

* یہ ابوعیاش زرقی زید بن صامت ہیں جیسا کہ اسے حافظ امام احمد نے روایت کیا ہے اسی طرح اسے ابن ماجہ وابن حبان نے روایت کیا ہے۔

دیتا ہے تو جس دعا سے پہلے ذکر الٰہی وثنائے خداوندی موجود ہو وہ اس دعا سے پہلے قبول ہوتی ہے جو حمد وثناء سے خالی ہو پھر اس کے ساتھ انسان اپنی غربت ومسکینی فقر واحتیاج اور اظہار واعتراف حقیقت کو بھی شامل کرلے تو بالا ہتمام قبول ہوتی ہے کیونکہ اس نے اپنے مدعو ومسئول یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی صفاتِ کمالیہ اور اس کے فضل واحسان کو وسیلہ بنا کر پیش کرتے ہوئے درخواست کی ہے بلکہ اپنی شدتِ احتیاج وضرورت اور فقر ومسکینی کو صراحۃً واضح کردیا ہے تو یہ سائل کے سوال کا مقتضا تھا اور مسئول کے اوصاف بیان کرنا، اجابت وقبولیت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لئے جب دعاء میں سائل و مسئول ہر دو کے مقتضیات صراحۃً پیش کردیئے گئے تو اثر وقبولیت کے لحاظ سے زیادہ موثر اور معرفت وعبودیت کے لحاظ سے بے حد اکمل وکامل تر ہوں گے۔

آپ اس مثال میں مشاہدہ کرسکتے ہیں (اور اللہ کی صفات تو بلند وبالا ہیں) کہ کوئی شخص کسی سے انعام واکرام وغیرہ کا طالب ہو تو اس کے جود وکرم اور نیکی و بھلائی کا توسل کرتے ہوئے ساتھ ہی اپنی حاجت وضرورت اور فقر ومسکینی کو بھی (پورے خشوع وتضرع کے ساتھ) بیان کرے۔ تو مسئول کے دل کو بے حد نرم کرنے کا موجب ہوگی اور حاجت روائی کا اقرب ترین ذریعہ ہوگی جب وہ اس کی ثناو تعریف کرتے ہوئے کہے گا کہ آپ کے جود وسخا کی دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے اور آپ کا فضل واحسان کالشمس فی النہار ہو چکا ہے اور بندہ اس قدر عاجز ومحتاج ہو گیا ہے کہ پیمانہء صبر لبریز ہو چکا ہے، وغیرہ۔ تو اس شخص کی نسبت اس کی دعا بالا ہتمام مقبول ومستجاب ہوگی۔ جو سامنے ہوتے ہی کہہ دے کہ مجھے فلاں چیز دے دو۔

تین پیغمبروںؑ کی دعائیں

جب آپ کو یہ بخوبی معلوم ہو گیا تو اب درج ذیل تینوں پیغمبروں کی دعاؤں

میں غور کیجئے! ہر ایک نے حمد وثنا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جود وسخا دمہربانی اور اپنے فقرو احتیاج اور مسکینی کے اظہار کے ساتھ دعا فرمائی ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔

رَبِّ اِنِّی لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝ (قصص: ۲۸)

''اے میرے رب! میں آپ کی میرے لئے نازل کردہ خیر و بھلائی کا فقیرو محتاج ہوں۔''

حضرت ذی النون یونس علیہ السلام کی دعا ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ ۝ (انبیاء: ۲۱)

''مولا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں آپ کی تسبیح بیان کرتا ہوں اور یقیناً میں ہی ظالم ہوں۔''

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا ہے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ (الاعراف: ۷)

''پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا ہے۔ اگر تو مغفرت نہ فرمائے اور رحمت نہ کرے تو ہم خسارہ والوں سے ہو جائیں گے۔''

صحیحین میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی دعا سکھلایئے جو نماز میں پڑھا کروں۔ فرمایا پڑھئے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

''اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بہت مظالم ڈھائے اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں لہٰذا مجھ پر اپنی خاص مغفرت ورحمت فرمایئے تو ہی

غفور رحیم ہے۔''

دیکھئے! حضور ﷺ نے اس عظیم الشان و بزرگتر دعا میں کتنی چیزوں کو جمع فرما دیا ہے اس میں اپنی حالت کا اعتراف بھی موجود ہے اللہ کے فضل و احسان اور جود و سخا کا وسلیہ بھی بارگاہ الٰہی میں پیش کیا گیا ہے اور مغفرت ذنوب کے لئے صرف عزوجل کی ذات بابرکات کو ہی مخصوص و منفرد فرمایا ہے پھر ہر دو امور سے توسل کرنے کے بعد اپنی حاجت کی درخواست فرمائی ہے۔ تو یہ ہیں آداب دُعا و آداب عبودیت۔

تلاوت قرآن ذکر سے......اور......ذکر دُعا سے افضل ہے

تلاوت قرآن ذکر سے اور ذکر دعا سے افضل اس صورت میں ہے کہ ہر دو کو علیحدہ علیحدہ بنظر مجرد دیکھا جائے لیکن بعض دفعہ کسی عارضہ سے مفضول فاضل سے اولیٰ و اعلیٰ بلکہ بعینہٖ فاضل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مفضول کو ادنےٰ تصور کرتے ہوئے فاضل کو اختیار کرنے کے لئے مفضول کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ مثلاً رکوع و سجود میں تلاوت قرآن کی نسبت تسبیح کہنا افضل ہے بلکہ اس وقت تلاوت قرآن حرام یا مکروہ ہے * علیٰ ہذا القیاس تسبیح و تحمید اپنے اپنے موقعہ و محل میں تلاوت قرآن سے افضل ہے۔ اسی طرح تشہد اور ہر دو سجدوں کے درمیان رَبِّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي پڑھنا قرآت قرآن سے افضل ہے علیٰ ہذا القیاس سلام پھیرنے کے بعد معاً تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کہنا تلاوت قرآن سے افضل ہے اسی طرح اذان کا

---

* ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (مرض وفات) میں پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز کے لئے صفیں باندھے کھڑے تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا لوگو! مبشرات نبوت میں سے اب صرف رویائے صالحہ ہی باقی رہ گئے ہیں جنہیں کوئی مسلمان دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں۔ الا وانی نهيت ان اقرأ القرآن راكعا او ساجدا خبردار رکوع اور سجود میں قرآن پڑھنا منع ہے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان کرو اور سجدہ میں دعا کی کوشش کیا کرو کیونکہ ایسی صورت قبولیت کی زیادہ سزاوار ہے۔ احمد، مسلم، نسائی، ابوداؤد۔

جواب دینا اور موذن کی طرح وہی کلمات کہنا قرآن پڑھنے سے افضل ہے۔ اگرچہ قرآن حکیم کو دیگر کلاموں پر اسی طرح فضیلت وفوقیت ہے جیسے خالقِ برتر کو مخلوقات پر مگر ہر مقام اور موقعہ ومحل کے لئے خاص خاص اذکار مناسب ومختص ہیں جن کو چھوڑ کر کسی دیگر کو ان کی جگہ پڑھنے سے وہ راز وحکمت خلل پذیر ہو جاتی ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان خاص کلمات کو مخصوص جگہ کے لئے معین فرمایا ہے اور وہ مطلوبہ مقصد فوت ہو جاتا ہے جس کے لئے علیم وحکیم نے انھیں اس مقام کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

اسی طرح اذکار مقیدہ وموقتہ قرآت مطلقہ سے اور قرآت مطلقہ اذکار مطلقہ سے افضل ہیں۔ الا اینکہ دیگر کوئی عارضہ پیش آجائے کہ قرأت قرآن کی بجائے ذکر و دعا ہی اس مقام ومحل کے لئے مناسب تر ہو۔

مثلاً ایک گنہگار آدمی اپنے گناہوں کو دیکھتا ہے تو کانپ اٹھتا ہے۔ اس لئے اسے توبہ واستغفار کی ضرورت ہوتی ہے یا کسی شیطان یا شریر آدمیوں کی خباثت کے خطرہ سے دعا اور ذکر اذکار کی ضرورت محسوس کرتا ہے، جس کے ذریعہ وہ بچاؤ کی تدبیر کرتے ہوئے خود کو محفوظ کر سکے۔

علی ہذا القیاس بعض دفعہ ایسی ضرورت پڑتی ہے کہ اس کو نظر انداز کر کے قرأت قرآن اور ذکر میں مشغول ہونے کے لئے دل پوری طرح حاضر نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات اکتا جاتا ہے مگر سوال ودرخواست اور دعا کا ادنیٰ سا خیال بھی اس وقت حضور دل اور جمع قلبی کا موجب ہوتا ہے متفکر و پریشان حال اور تکلیفوں کا مارا ہوا غمزدہ انسان انتہائی عاجزی وتضرع کے ساتھ دعا کرتا ہے پورے خشوع وخضوع کے ساتھ بارگاہ ارحم الراحمین میں بار بار گڑگڑاتا ہے اور دل کاٹ کاٹ کر کلیجہ نکال کر باہر رکھ دیتا ہے اور اس پر ایک عجیب ہی کیفیت طاری ہوئی ہوتی ہے۔ اور یہی حالت اُس کے لئے اس اس وقت مفید ونافع تر ہوتی ہے۔ اگرچہ اجر وثواب کے لحاظ سے قرأت قرآن اور ذکر و اذکار دونوں فی نفسہٖ افضل واعلیٰ ہیں۔

دو چیزوں کی ضرورت

اور یہ باب از حد فائدہ مند ہے مگر اس میں دو چیزوں کی بے حد ضرورت ہے اول فقہ نفس (یعنی اپنی اپنی طبیعت و مذاق سے پوری واقفیت) دوم کسی چیز کی ذاتی اور عارضی فضیلت کہ کون سی چیز بذاتہ افضل ہے اور کون سی کسی عارضہ کی وجہ سے تا کہ وہ حق بقدر رسید کے اصول پر عملدر آمد کر سکے۔ اور ہر چیز کو اس کے مناسب موقعہ و محل میں رکھ سکے۔ کیونکہ جو کام آنکھ دے سکتی ہے وہ ٹانگ نہیں دے سکتی۔ جہاں پانی کام دیتا ہے وہاں گوشت اور شوربہ کام نہیں آ سکتا۔ بہر صورت حفظ مراتب بڑا کامل حکمت و دانشمندی ہے جس پر اوامر و نواہی کا نظام چل رہا ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی الْمُوَفِّقُ. (مترجم)

ایک مثال

اسی طرح بعض اوقات کپڑوں کے لئے سجی و صابون فائدہ مند ہوتے ہیں اور کبھی تجمیر و عرق گلاب اور خوشبو لگانا۔

تسبیح یا استغفار میں سے زیادہ مفید

ایک روز میں (ابن قیم) نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کو واقعہ سنایا کہ کسی عالم سے دریافت کیا گیا۔ انسان کے لئے تسبیح زیادہ فائدہ مند ہے یا استغفار زیادہ مفید ہے۔ اس نے جواب دیا کپڑا صاف ستھرا ہو تو عرق گلاب اور بخورات مفید تر ہیں لیکن اگر میلا کچیلا ہو تو گرم پانی اور صابون بہتر ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام نے مجھے فرمایا بخورات و عرق گلاب اور خوشبویات کجا؟ جب کہ کپڑے ہر وقت میل کچیل سے غلیظ اور گندے ہی رہتے ہوں؟

اسی طرح سورہ اخلاص کو لے لیجئے وہ تہائی قرآن کے برابر ہے اس کے باوجود آیات میراث خلع وطلاق وعدت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی بلکہ یہی آیات اپنے اپنے مناسب موقعہ و محل اور ضرورت واحتیاج کے لحاظ سے سورہ اخلاص کی تلاوت سے کہیں زیادہ فائدہ مند ہیں۔

نماز فرداً تلاوت قرآن اور ذکر دعاء سے افضل ہے

پھر چونکہ نماز قرأت قرآن اور ذکر اور دعا تینوں چیزوں پر مشتمل ہے اور اجزاءِ عبودیت کی جامع ہے اور ان تمام قرأت واذکار اور اجزاء عبودیت کے ساتھ ساتھ مزید براں تمام اعضاء ارکان کی عبودیت وعبادات کی بھی جامع ہے اس بنا پر فرداً فرداً قرأتِ قرآن اور ذکر ودعا ہر ایک سے افضل واعلیٰ ہے۔

اس لئے یہ از حد نافع وفائدہ مند اصول ہے جو انسان پر مراتب اعمال کی معرفت کے دروازے کھول دیتا ہے اور خوبی یہ ہے کہ یہ اصول انسان پر روز روشن کی طرح واضح کر دیتا ہے کہ فلاں عمل کا موقعہ ومحل فلاں ہے۔ تا کہ انسان افضل کو چھوڑ کر مفضول میں لگ کر شیطان کو خوش نہ کرتا پھرے۔ یا فضل میں اتنا منہمک نہ ہو جائے کہ مفضول کو بالکل ہی نظر انداز کر دے حالانکہ اس کے لئے وہی وقت موزوں تر ہو اور وہ اسی وہم وگمان میں مفضول کو چھوڑ کر افضل کے پیچھے پڑ جائے کہ اس میں اجر وثواب زیادہ ہے اور اس میں کم اور اس کا خیال تک ترک کر دے۔ بہر صورت یہ چیز مراتب اعمال ومقاصد اعمال کی واقفیت ہر عمل کو اپنے اپنے مناسب موقعہ ومحل میں بجا لانے کی دانش ومحتاج ہے تا کہ انسان فوت شدہ کی تلافی کر سکے اور دوبارہ نقصان نہ کر بیٹھے کیونکہ اگر مفضول کو چھوڑ دے گا تو اس کا تدارک نہیں ہو سکے گا۔ لہذا مفضول کو بجا لانا بھی از حد ضروری ہے اس کی مثال یہ ہے کہ انسان قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہو اور کوئی شخص آ کر سلام کہے یا چھینک مارے تو قرأت قرآن فاضل کو ترک کر کے سلام اور چھینک کا جواب دے دے۔ اگرچہ یہ مفضول ہے اور تلاوتِ قرآن افضل۔ کیونکہ اس میں اسے کوئی دقت نہیں کہ مفضول کو بھی ادا کرے اور دوبارہ افضل کو بھی پہلے کی طرح لگا تار کرتا چلا جائے بخلاف اینکہ وہ قرأت کرتا رہے اور سلام یا چھینک کا جواب دینے کی مصلحت فوت کر بیٹھے اسی طرح باقی اعمال کا حال ہے۔ واللہ تعالٰی المُوَفِّقُ۔

دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کے لئے بہترین نسخہ

درودِ پاک

اللّٰھم صل علی محمد
وعلی آل محمد
کما صلیت علی ابراہیم
وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید

اللّٰھم بارک علی محمد وعلی آل محمد
کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا، اس کے دس گناہ معاف ہوں گے اور اس کے دس درجات بلند کئے جائیں گے۔ (سنن نسائی)